Tafsir al-Kauthar

Allama Sheikh Mohsin Ali Najafi · Volume 7



YELLOWKNIFE SHIA


الكوثر
في تفسير القرآن

الکوثر
فی تفسیر القرآن

جلد ہفتم

سورۃ الاحزاب ۳۳ تا سورۃ غافر ۴۰

محسن علی نجفی

دار القرآن الکریم
جامعۃ الکوثر
اسلام آباد - پاکستان

ISBN 9789697887002

تفسیر القرآن

احزاب ۳۳۔ سبا ۳۴۔ فاطر ۳۵۔ یٰسٓ ۳۶۔ صافات ۳۷۔ صٓ ۳۸۔ زمر ۳۹۔ مؤمن ۴۰۔

نام کتاب: الکوثر فی تفسیر القرآن (جلد ہفتم)

مفسر: محسن علی نجفی دام ظلہ

ڈائریکٹر پبلی کیشنز: سید اظہر علی رضوی

انتظامی امور: علی حیدری

مالی تعاون: الحاج عبد الرحمٰن الوزان

تعداد: ایک ہزار

باراول: محرم الحرام ۱۴۳۶ھ / نومبر ۲۰۱۴ء

بار دوم: ربیع الاول ۱۴۳۷ھ / جنوری ۲۰۱۶ء

بار سوم: جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ / فروری ۲۰۱۹ء

مطبع: عرفان افضل پرنٹنگ پریس، بند روڈ، لاہور

ناشر: دارلقرآن الکریم، جامعۃ الکوثر، اسلام آباد

ISBN: 978-969-7887-00-2

فون: 0346 5121227

ای میل: tafseer@kauthar.org

ویب: http://tafseer.kauthar.org

موبائیل ایپ: Search "Tafseer AlKauthar"

اس کتاب میں نقل شدہ اکثر روایات کے متن اور حوالوں کی اصلاح و تطبیق، کتب احادیث پر مبنی سافٹ ویئر ''جامع الاحادیث'' تیار کردہ کمپیوٹر ریسرچ سینٹر آف اسلامک سائنسز اور ''المحدث'' سے کی گئی ہے۔

نہج البلاغۃ کے اکثر اقتباسات کا ترجمہ نہج البلاغۃ ترجمہ مفتی جعفر حسینؒ مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور سے نقل کیا گیا ہے۔

تشریح کلمات مفردات القرآن راغب اصفہانی، ترجمہ مولانا محمد عبدہ فیروز پوری سے ماخوذ ہے۔

ملنے کا پتہ: جامعۃ الکوثر، اسلام آباد

0346 5121227

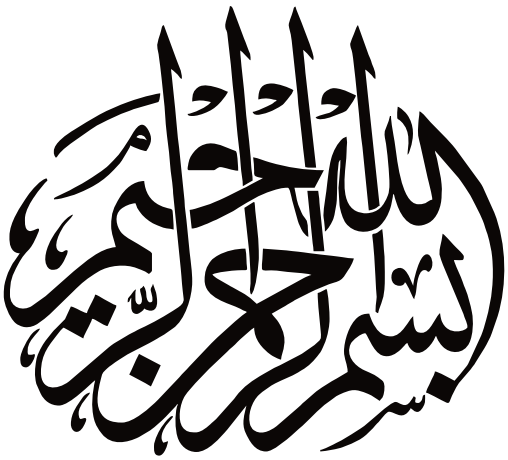
بسم الله الرحمن الرحيم


سُورَةُ الأَحزَاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زرّ، ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں:
مجھ سے ابی بن کعب نے کہا: تم سورۃ الاحزاب کی آیات کتنی شمار کرتے ہو؟ کہا: ۷۳ آیات۔ کہا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ساتھ ابی بن کعب قسم کھاتا ہے کہ یہ سورہ سورۃ البقرۃ کے برابر یا اس سے زیادہ طویل ہے۔ ہم نے اس سورہ میں آیۂ رجم کی تلاوت کی ہے: الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نکالا من اللّٰه واللّٰه عزیز حکیم۔
اس روایت کو نسائی، حاکم، طبرانی، ابن حبان اور ابن مردویہ نے بیان کیا ہے۔
زمخشری اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
ابی نے اس سے قرآن کا وہ حصہ مراد لیا ہے جو منسوخ ہو گیا ہے۔
پھر آگے لکھتے ہیں:
نقل کیا جاتا ہے کہ اس سورت کا زائد حصہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ایک صحیفہ میں تھا جو بکری کھا گئی۔ یہ بات ملحد اور رافضی لوگوں کی ساختہ و بافتہ ہے۔
فاضل محشی نے اس کے ذیل میں لکھا ہے:
قلت: بل راویها ثقة غیر متهم بلکہ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ ان پر کوئی الزام بھی عائد نہیں ہے۔
آخر میں لکھتے ہیں:

بل هذا مما نسخت تلاوته و بقی حكمه و اكل الدواجن وقع بعد النسخ ۔[1]

بلکہ یہ اس حصہ کی بات ہے جس کی تلاوت نسخ ہو گئی اور حکم باقی رہ گیا۔ بکری کے کھانے کا واقعہ نسخ کے بعد پیش آیا۔

واضح رہے شیعہ امامیہ کے نزدیک قرآن تواتر سے ثابت ہوتا ہے، اس قسم کی روایت آحاد سے قرآن ثابت نہیں ہوتا کہ نسخ کی نوبت آئے۔ جو لوگ ایسی روایات سے قرآن ثابت ہونا قرار دیتے ہیں وہ نسخ تلاوت کے ذریعے قرآنیت سے ہاتھ اٹھاتے ہیں جب کہ نسخ تلاوت ایک مفروضہ ہے۔ ایک ثابت متواتر اجماعی موقف نہیں ہے جس سے قرآن منسوخ ہو جائے۔ لہٰذا ان روایات کے مضمون کو قرآن ماننے کے لیے تواتر درکار ہے۔ اگر وہ اسے قرآن مانتے ہیں تو نسخ کے لیے تواتر درکار ہے ورنہ جسے ان لوگوں نے قرآن تسلیم کیا ہے اس کی تحریف لازم آتی ہے۔ فافهم ذلك۔

[1] الکشاف ذیل آیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ﴿۱﴾

بنام خدائے رحمٰن رحیم

۱۔ اے نبی اللہ سے ڈریں اور کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کریں، اللہ یقیناً بڑا جاننے والا، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ: اس آیت کو سمجھنے کے لیے شان نزول کا مطالعہ ضروری ہے۔ چونکہ شان نزول سے محل کلام اور رخ سخن کا علم ہو جاتا ہے۔ شان نزول اس طرح ہے:

جنگ احد کے بعد ابوسفیان کی سربراہی میں مکہ کا ایک وفد مدینہ آتا ہے اور منافقین کے سربراہ عبد اللہ بن ابی کے پاس ٹھہرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انہیں امان دی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کریں۔ چنانچہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: ہمارے معبودوں لات، عزیٰ اور مناۃ کے خلاف کچھ نہ کہیں اور یہ کہدیں کہ جو ان کی پوجا کرتے ہیں یہ ان کی شفاعت کریں گے تو ہم بھی آپ کے رب کو کچھ نہیں کہیں گے۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گراں گزری۔ حضرت عمر پاس بیٹھے تھے۔ کہنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا انہیں قتل کر دوں؟ فرمایا: میں نے انہیں امان دی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۔ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ: اس آیت کا موضوع سخن یہ نہیں ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلاف تقویٰ کوئی کام صادر ہونے کا خطرہ تھا یا کفار و منافقین کی اطاعت میں جانے کا اندیشہ تھا بلکہ موضوع سخن یہ ہے کہ کفار و منافقین نے مل کر ایک سازش کی ہے، اس سے بچنے کے لیے اللہ کی حفاظت میں رہیں۔ اتَّقِ اللّٰہَ: اور ان کی ہر تجویز کو مسترد کر دیجیے۔ وَلَا تُطِعِ: اس تعبیر کا مطلب کفار و منافقین کی سازش کی ناکامی کی بشارت ہے۔

۳۔ عَلِیْمًا حَکِیْمًا: اللہ ان کی نیتوں کو جانتا ہے اور جو حکم دے رہا ہے وہ تیر بہدف ہوگا چونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حکیمانہ ہوتا ہے۔ اس جملے میں بھی کفار و منافقین کی مشترکہ سازش کی ناکامی کی طرف اشارہ ہے۔

وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ﴿۲﴾

۲۔ اور آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کی اتباع کریں، اللہ تمہارے اعمال سے یقیناً خوب باخبر ہے۔

تفسیر آیات

ان سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی جیسی طاقت موجود ہے۔ بے خبری میں کسی سازش کا شکار ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس جملے سے سازشی کاموں کو ناامید کرنا مقصود ہو سکتا ہے کہ یہ وحی اس ذات کی طرف سے آئی ہے جو لوگوں کے اعمال سے سب سے زیادہ باخبر ہے۔

وَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۳﴾

۳۔ اور اللہ پر توکل کریں اور ضامن بننے کے لیے اللہ کافی ہے۔

تفسیر آیات

اس تعبیر میں بھی سازشی کاموں کو مایوس کرنا مقصود ہو سکتا ہے کہ اللہ پر تکیہ کرنے کی صورت میں کفار اور منافقین کی ملی بھگت کا مقابلہ کرنا کوئی مشکل کام نہ ہوگا۔

اہم نکات

۱۔ کافر اور منافق اسلام کے خلاف ہمیشہ متفق ہو جاتے ہیں۔

۲۔ احکام وحی کی تعمیل اور اللہ پر بھروسہ کرنا ہر سازش کے خلاف ایک ناقابل تسخیر طاقت ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔیْ

۴۔ اللہ نے کسی شخص کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے ہیں اور تمہاری ازواج کو جنہیں تم لوگ

تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝

ماں کہ بیٹھتے ہو ان کو اللہ نے تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ ہی تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا، یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ حق بات کہتا اور (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ: اللہ نے انسان کے پہلو میں دو قلب نہیں بنائے کہ دو متصادم نظریات ایک شخص میں جمع ہو جائیں۔ ایک دل میں کفر و ایمان میں سے ایک ہوسکتا ہے۔ لہٰذا جن کے دلوں میں نفاق ہے ان میں ایمان نہیں آ سکتا اور جن کے دلوں میں اسلام سے بغض ہے ان میں محبت نہیں آ سکتی۔ جو منافقین، مشرکین کے ساتھ مل کر اسلام کے لیے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے تجاویز دیتے ہیں ان کے دلوں میں اسلام کے ساتھ عداوت ہے۔ ان دلوں میں اسلام کے ساتھ ہمدردی نہیں آ سکتی۔ لہٰذا تم ان کے فریب میں نہ آؤ۔

اس آیت میں ان لوگوں کے بارے میں فیصلہ کن موقف کا بیان ہے جو اسلام کو بھی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ غیر اسلامی قوانین کے حامی ہیں۔ اس طرح وہ اسلام کو مسترد اور قبول کرنے میں کسی قسم کا تضاد نہیں سمجھتے۔ وہ بزعم خود شریعت کے منکر بھی نہیں ہیں اور شریعت سے متصادم طاغوت سے فیصلے لینے میں کوئی حرج بھی نہیں سمجھتے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بہت سے معاصر مسلمانوں کے پہلو میں کئی قلب ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

لا یجتمع حبّنا و حبّ عدوّنا فی جوف انسان۔ [1]

کسی انسان کے دل میں ہماری محبت اور ہمارے دشمنوں کی محبت جمع نہیں ہوسکتی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

ما جعل اللّٰہ لرجل من قلبین فی جوفه یحب بهذا قوما و یحب بهذا اعدائهم۔ [2]

اللہ نے ایک شخص کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے کہ ایک دل سے کسی قوم سے محبت کرے اور دوسرے دل سے اس کے دشمنوں سے محبت کرے۔

---

[1] بحار الانوار ۲۴: ۳۱۸ [2] مجمع البیان

۲۔ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔیْ تُظٰهِرُوْنَ: عربوں میں رواج تھا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا: تیری پیٹھ میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی۔ اصطلاح میں اسے ظہار کہتے ہیں۔ اس آیت میں صرف یہ فرمایا کہ کسی کو ماں کہہ دینے سے وہ عورت ماں نہیں بنتی۔ ماں وہ ہے جس نے تمہیں جنا ہے۔ ظہار کے احکام سورۂ مجادلہ آیت ۲۔۴ میں بیان کیے گئے ہیں۔

۳۔ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ: نہ ہی اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا بنایا۔ اس آیت کے نزول کے بعد منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹے کی حیثیت دینا ممنوع ہو گیا۔ سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ پر یہ حکم نافذ ہوا جنہیں لوگ زید بن محمد کہتے تھے اور اس رسم کو ختم کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے زید کی مطلقہ زینب بنت جحش سے ازدواج فرمایا۔

۴۔ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ: منہ بولے کو بیٹا کہنا صرف تمہاری لفظی تعبیر ہے۔ کسی امر واقع کی نشاندہی نہیں ہے۔ اس لفظی تعبیر سے حقیقت نہیں بدلتی۔ حقیقت میں وہ اپنے باپ کا بیٹا ہے۔

۵۔ وَ اللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ: اللہ امر واقع اور حقیقت کی نشاندہی فرماتا ہے کہ انہیں اپنے حقیقی باپ کی طرف نسبت دیا کرو۔

اہم نکات

۱۔ ایک دل میں دو متضاد عقیدے جمع نہیں ہو سکتے۔ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ....

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ ؕ وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۵

۵۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو اللہ کے نزدیک یہی قرین انصاف ہے، پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے تو یہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور جو تم سے غلطی سے سرزد ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ اس بات پر (گناہ ضرور ہے) جسے تمہارے دل جان بوجھ کر انجام دیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحیم ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ: ان کی نسبت اپنے باپوں کی طرف دینا منصفانہ عمل ہے اور جو اس کا حقیقی

باپ نہیں ہے اسے باپ کی حیثیت دینا منصفانہ نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت اور امر واقع سے انحراف ہے۔

۲۔ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا: اگر حقیقی باپ کا علم نہیں ہے تو بھی غیر حقیقی باپ کی طرف نسبت دینا درست نہیں ہے۔ اس صورت میں وہ تمہارے دینی بھائی کہلائیں گے۔ وَمَوَالِيْكُمْ: وہ تمہارے دوست کہلائیں گے۔ موالی آزاد کردہ غلام کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ زید رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام تھا۔ آپؐ نے اسے آزاد کیا۔ اس نے اپنے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کیا تو باپ نے کہا یہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زید میرا بیٹا ہے۔ لوگ بھی زید بن محمد کہتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد زید کو مولی رسول اللہؐ کہا جانے لگا۔

۳۔ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ: اگر تکیہ کلام کی وجہ سے یا پیار میں کسی کو بیٹا، بیٹی، بہن یا ماں کہہ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حرج اس میں ہے کہ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ تم دل سے حقیقتاً کسی کو واقعی بیٹا وغیرہ قرار دو اور نسلوں کو حقیقی بنیاد پر نہیں، جعلی بنیاد پر ملاؤ۔ یہ جائز نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ حقیقی نسب کا تحفظ ہونا چاہیے: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ....

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶

۶۔ نبی مومنین کی جانوں پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے اور نبی کی ازواج ان کی مائیں ہیں اور کتاب اللہ کی رو سے رشتے دار آپس میں مومنین اور مہاجرین سے زیادہ حقدار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو، یہ حکم کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى: نبیؐ مومنین کی جانوں پر خود مؤمنین سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہیں۔ چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا تسلسل ہے لہٰذا نبیؐ کو مومنین پر ہر اعتبار سے ولایت و حاکمیت حاصل ہے۔ ایسی حاکمیت جو مومنین کی خود مختاری کے منافی نہ ہو:

لَا تَكُنْ عَبْدَ غَيْرِكَ وَ قَدْ جَعَلَكَ اللّٰهُ دوسروں کے غلام نہ بن جاؤ جب اللہ نے تمہیں آزاد

حُرًّا۔[1]　　بنایا ہے۔

ایسی حاکمیت جو مومن کو عزت و سرفرازی دے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ...۔[2]　　عزت تو اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے.

چونکہ اس ہستی کو حاکمیت کا حق دیا جا رہا ہے جو رحمۃ للعالمین ہے اور مومنوں پر تو خصوصی طور پر شفیق و مہربان ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○[3]

بتحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہیں تکلیف میں دیکھنا ان پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مومنین کے لیے نہایت شفیق، مہربان ہے۔

اس ہستی کی اطاعت اور اس کے حکم کے نفاذ سے مومن ہر قید و بند سے آزاد ہو جاتا ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ...۔[4]

اور ان پر لدے ہوئے بوجھ اور (گلے کے) طوق اتارتے ہیں۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت مطلقہ ہے اور مومن کے تمام جوانب پر محیط ہے۔ مومن کی اپنی جان سے رسول کی جان عزیز ہے۔ حدیث ہے:

و الذی نفسی بیده لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من نفسه و ماله و ولده و الناس اجمعین...۔[5]

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نزدیک میں، اس کی جان و مال و اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان مؤمن کی اپنی جان سے اولیٰ ہے کا مطلب یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کو اگر کوئی خطرہ لاحق ہو جائے تو مؤمن پر فرض ہے کہ وہ اپنی جان کا نذرانہ دے کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچائے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش مؤمن کی خواہش پر مقدم ہے کہ مؤمن کی کسی چیز کی خواہش ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش اس کے خلاف ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش مقدم ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے بلائیں تو اس پر واجب ہے کہ کھانا ترک کر کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر لبیک کہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولؐ کے بلانے پر کھانا ترک نہ کرنے والے کو یہ بددعا ملی:

لا اشبع اللّٰه بطنه۔[6]　　اللہ اسے شکم سیری نصیب نہ کرے۔

---

[1] نہج البلاغۃ: ۳۱ وصیت نامہ برائے امام حسن علیہ السلام۔ مستدرک الوسائل ۷: ۲۳۱　[2] ۶۳ منافقون: ۸　[3] ۹ توبۃ: ۱۲۸
[4] ۷ اعراف: ۱۵۷　[5] بحار الانوار ۲: ۱۸۲　[6] بحار الانوار ۲۲: ۲۴۸

کسی معاملے میں خواہ دینی ہو یا دنیوی، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ خود مومن کے اپنے فیصلے پر مقدم ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝[1]

اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے میں فیصلہ کریں تو انہیں اپنے معاملہ کا اختیار حاصل رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

جنہیں اللہ کی طرف سے حاکمیت کا حق حاصل ہے، وہ مؤمنین کی مصلحت اور مفاد کے مطابق حکومت کرتے ہیں۔ وہ اپنی حاکمیت کے ذریعے مؤمنین کی عزت، آزادی اور مفادات کو تحفظ دیتے ہیں جب کہ جنہیں اللہ کی طرف سے یہ حق حاصل نہیں ہے وہ اپنی خواہش، اپنے مفادات کے مطابق حکومت کرتے ہیں۔

حضرت ابی، عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس کے نزدیک و ھو اَب لھم کی عبارت آیت کا حصہ ہے اور حضرت ابی کے مصحف میں یہ جملہ ثبت تھا۔[2]

۲۔ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ: اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ ازواج نبی مومنوں کی مائیں صرف اس لحاظ سے ہیں کہ مومنین پر ان کا احترام واجب ہے اور ان کے ساتھ نکاح کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح اپنی حقیقی ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے:

وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ[3] اور ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی بھی نکاح نہ کرو.

باقی احکام میں وہ ماں کی طرح نہیں ہیں۔ سب مومنین ان کے لیے نامحرم ہیں۔ ان پر سب مومنین سے پردہ کرنا واجب تھا۔ ان ازواج کی صاحبزادیاں مومنین کے لیے مادری بہنیں نہیں ہیں کہ ان سے نکاح حرام ہو جائے۔ ان کے بھائی بہن مومنین کے خالہ اور ماموں نہیں ہیں کہ کوئی شخص خال المومنین بن جائے اور کوئی خاتون اخت المومنین بن جائے۔ اس طرح ماں ہونے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ مومنین کی وارث بن جائیں یا مومنین ان کے وارث بن جائیں۔

مولانا مودودی نے اس آیت کے ذیل میں طبرسی کی ایک روایت اصل کتاب کی طرف رجوع کیے بغیر نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

یا ابالحسن ان ھذا الشرف باق ما دمنا [4] علی طاعۃ اللّٰہ تعالیٰ فایتھن عصت اللّٰہ تعالیٰ بعدی بالخروج علیك فطلقھا من الازواج و اسقطھا

اے ابوالحسن! یہ شرف تو اسی وقت تک باقی ہے جب تک ہم لوگ اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں۔ میری بیویوں میں سے جو بھی میرے بعد تیرے خلاف خروج کر کے اللہ کی نافرمانی کرے اسے تو طلاق دیجیو اور

---

[1] ۳۳ احزاب: ۳۶ [2] مجمع البیان۔ روح المعانی [3] ۳۳ احزاب: ۵۳

[4] اصل عبارت مادمن ہے۔ جب تک ازواج اللہ کی اطاعت پر قائم ہیں۔ انہوں نے یہ عبارت روح المعانی سے لی ہو گی چونکہ اس میں اس غلطی کے ساتھ یہ عبارت موجود ہے۔

من شرف امهات المومنين۔　　اس کو امہات المومنین کے شرف سے ساقط کر دیجیو۔

۳۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ: ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلامی معاشرہ تشکیل دینے والے مہاجرین و انصار تھے۔ مہاجرین اپنے گھر کاروبار اور رشتہ داروں سے دور زندگی گزار رہے تھے اس لیے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرت اور مواخاۃ کے ذریعے ایک وقتی قانون نافذ فرمایا جس کے تحت مہاجرین و انصار مواخاۃ کے ذریعے ایک دوسرے کے وارث بن جاتے تھے۔ اس آیت کے ذریعے مواخاۃ کے ذریعے توارث کا قانون منسوخ ہو گیا اور بتایا گیا کہ آیندہ خونی رشتہ داری میں اقربیت کی بنیاد پر وراثت تقسیم ہو گی۔

وراثت اس آیت کی صراحت کی بنا پر رشتہ داری کی بنیاد پر تقسیم ہو گی اور رشتہ داری میں سب سے زیادہ قریب ترین اولاد اور والدین ہیں جو وراثت کی تقسیم میں موجود طبقات میں طبقہ اولیٰ میں آتے ہیں۔ لہٰذا باپ اور اس کی اولاد اس آیت کے مصداق اول ہیں۔

چنانچہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے وارث ہونے پر اس آیت سے استدلال فرمایا۔ میراث رسولؐ کے بارے میں تفصیل کے ملاحظہ ہو سورہ نمل آیت ۱۶۔ سورہ مریم آیت ۶۔

۴۔ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا: اپنے دوستوں پر احسان سے مراد وصیت ہے۔ وصیت کی صورت میں ارحام یعنی رشتہ داری کے بغیر حصہ دار بن جاتے ہیں۔ وصیت کی صورت میں وصیت کرنے والے کے اموال میں سے صرف ایک تہائی میں وصیت نافذ ہے۔

۵۔ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا: وراثت کا یہ قانون اس کتاب میں درج ہے جس میں اللہ کے تمام اٹل فیصلے لکھ ہوئے ہیں۔ اس سے مراد لوح محفوظ ہو سکتی ہے اور قرآن بھی۔ اللہ تعالیٰ نے وارثت کے اس حکم کو بیان کرنے میں ایک خاص اہمیت کا اظہار فرمایا۔ ایک مرتبہ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ فرما کر یہ حکم کتاب اللہ میں اور دوسری بار كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا یہ حکم کتاب میں درج ہے فرما کر مزید تاکید فرمائی۔

اہم نکات

۱۔　کسی کو ماں، بہن اور بیٹا کہنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔

۲۔　نبی کا حکم خود مومن کے اپنے ارادے سے زیادہ نافذ ہے: اَلنَّبِىُّ اَوْلٰى ....

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪

۷۔ اور (یاد کرو) جب ہم نے انبیاء سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح سے بھی اور ابراہیم، موسیٰ اور عیسی بن مریم سے بھی اور ان سب سے

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۷
ہم نے پختہ عہد لیا۔

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۸
۸۔ تاکہ سچ کہنے والوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے اور کفار کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ: انبیاءؑ سے جو عہد و میثاق لیا گیا ہے وہ ان کی نبوت کے منصب سے متعلق ہے۔ لہٰذا یہ عہد و میثاق تبلیغ رسالت اور لوگوں کو توحید کی طرف دعوت اور اس راہ میں پیش آنے والے مصائب پر صبر کے بارے میں ہوسکتا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس میثاق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تمام انبیاءؑ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبر اپنی امتوں کو دے دیں۔

۲۔ وَمِنْكَ: اور آپؐ سے بھی۔ خصوصی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اس بات کی طرف اشارے کے لیے ہوسکتا ہے کہ انبیاءؑ سے جو عہد و میثاق لیا ہے ان میں آپؐ سے جو عہد لیا گیا ہے وہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور سب سے قدیم ترین اور اولین عہد ہے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے۔ ابن عباس راوی ہیں کہ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ میثاق کب لیا گیا تھا؟ جواب میں فرمایا:

وآدم بین الروح والجسد ....[1] جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھا۔

۳۔ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ: ان اولوالعزم پیغمبران کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا چونکہ جو انبیاءؑ صاحبان شریعت ہیں ان کی مسئولیت زیادہ اور سنگین تھی۔

۴۔ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا: یہ غلیظ، پختہ اور سخت میثاق بظاہر اوالوالعزم انبیاءؑ سے لیا گیا۔ یہ ان عہد و میثاق کے علاوہ کوئی اضافی عہد تھا جو صرف ان بزرگ انبیاءؑ سے لیا گیا ہے۔

۵۔ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ: انبیاءؑ سے یہ عہد و میثاق اس لیے لیا گیا تاکہ قیامت کے دن جب ان سے سوال ہوگا تو ان کی سچائی ظاہر ہو۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ....[2]
(اس دن کا خوف کرو) جس دن اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا: (امتوں کی طرف سے) تمہیں کیا جواب ملا؟

دوسری تفسیر یہ ہوسکتی ہے: قیامت کے دن انبیاءؑ سے سوال و جواب میں انبیاءؑ کی دعوت کی

---

[1] روح المعانی ذیل آیہ [2] ۵ مائدۃ: ۱۰۹

سچائی ظاہر ہو جائے گی اور اس دعوت کی سچائی کے نتیجے میں مومن کو ثواب اور منکر کو عذاب دینا لازم آئے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝

۹۔ اے ایمان والو! اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جو اس نے تم پر کی جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور تمہیں نظر نہ آنے والے لشکر بھیجے اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ اسے خوب دیکھ رہا تھا۔

تفسیر آیات

یہ آیت اور اس کے بعد چند آیات جنگ احزاب جسے جنگ خندق بھی کہتے ہیں کے بارے میں نازل ہوئیں۔

جنگ احزاب کا واقعہ اس طرح پیش آیا:

احد کی جنگ کے بعد قریش نے یہ اعلان کر رکھا تھا کہ آیندہ سال بدر میں ہمارا آمنا سامنا ہو گا۔ اسلامی لشکر نے مقررہ تاریخ کو بدر میں آٹھ دن ابوسفیان اور اس کے لشکر کا انتظار کیا مگر وہ بدر میں آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اس سے پہلے یہود کے قبیلہ بنی نضیر کی سازش فاش ہو گئی تھی جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی تدبیر سوچی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دس دن کے اندر مدینہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ بنی نضیر نے حکم ماننے سے انکار کیا۔ چنانچہ دس دن ختم ہونے پر بنی نضیر کا محاصرہ کیا گیا۔ چند دنوں میں وہ مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور یہود مدینہ سے نکل کر خیبر، شام و دیگر علاقوں میں منتشر ہو گئے۔

اس طرح حضورؐ نے بنی غطفان کی سازش ناکام بنا دی۔ وہ مدینے پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان پر مسلمانوں کی طرف سے اچانک حملہ ہوتا ہے اور وہ منتشر ہو جاتے ہیں۔

جنگ احزاب: ان حالات میں مدینہ کے مسلمانوں کو کچلنے کے لیے عرب قبائل اور یہود نے مل کر ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ چنانچہ سنہ ۵ ھ میں مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لیے آ گئے۔ ان میں مدینہ سے جلا وطن ہونے والے بنی نضیر اور بنی قینقاع کے یہودی اور غطفان، بنو سلیم، فزارہ، مرہ، اشجع، سعد اور اسد وغیرہ کے قبائل اور قریش کا ایک بڑا لشکر شامل تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو قبل از وقت اس خطرناک حملے کا علم ہو جاتا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے

مشورے پر شہر مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی اور شہر کو محفوظ کر لیا گیا۔ خندق کھودنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے عام مسلمانوں کی طرح حصہ لیا۔

اہل عرب اس طریق دفاع سے ناآشنا تھے اس لیے ان کی جنگی حکمت عملی میں اس کا کوئی حل معلوم نہ تھا۔ لہٰذا طویل اقامت کے لیے وہ تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ اس نئی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی ان کے پاس صرف ایک صورت رہتی تھی۔ وہ یہ کہ مدینہ میں آباد بنی قریظہ کے یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ توڑنے پر آمادہ کیا جائے چونکہ اسی معاہدے کی وجہ سے اس یہودی علاقے میں مسلمانوں نے کوئی دفاعی انتظام نہیں کیا تھا۔ دشمن نے اس علاقے سے فائدہ اٹھانے کو ہی غنیمت سمجھا۔ چنانچہ بنی نضیر کا وفد بنی قریظہ کے ہاں گیا اور انہیں عہد توڑنے پر آمادہ کیا جس سے مسلمانوں میں نہایت بے چینی پیدا ہو گئی۔ جسے قرآن نے ان لفظوں کے ساتھ ذکر کیا ہے:

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ [1]

اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور (مارے دہشت کے) دل (کلیجے) منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

شہر کا وہ علاقہ بھی غیر محفوظ ہو گیا جہاں دفاع کا کوئی انتظام نہ تھا۔ چنانچہ بعض منافقین نے تو یہ کہنا شروع کیا محمد قیصر و کسریٰ کی فتح کی نوید سناتے ہیں، ادھر ہم رفع حاجت کے لیے بھی نہیں نکل سکتے۔ کچھ لوگوں نے خندق سے نکل جانے کی اجازت مانگنا شروع کی۔

ادھر محاصرے کو ۲۵ دن سے زیادہ ہو چکے تھے۔ دوسری طرف حملہ آوروں اور بنی قریظہ میں پھوٹ بھی پڑ چکی تھی جس سے حملہ آوروں کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔ زمانہ بھی سردی کا تھا۔ اسی اثناء میں عربوں میں مشہور بہادروں نے انفرادی طور پر جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا اور ایک تنگ جگہ سے خندق پار کر کے مبارزہ طلبی کی۔ ان میں سب سے مشہور شخص عمرو بن عبدود تھا جس نے بلند آواز سے پکارا: ہے کوئی میرے مقابلے میں آنے والا؟ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہؐ میں اس کے مقابلے کے لیے حاضر ہوں۔ فرمایا: یہ عمرو ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے تمسخر کے طور پر کہا: تمہاری وہ جنت کہاں ہے جس کے بارے میں تمہارا یہ زعم ہے کہ تم میں سے جو مارا جائے گا وہ جنت جائے گا؟ تو حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: میں حاضر ہوں یا رسول اللہ!۔ پھر عمرو بن عبدود نے تیسری مرتبہ پکارا تو حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: میں حاضر ہوں یارسول اللہ! فرمایا: یہ عمرو ہے۔ عرض کیا: پھر بھی حاضر ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔

حاکم حسکانی کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو ذات الفصول

---

[1] ۳۳ سورہ احزاب۔ ۱۰

نامی زرہ پہنائی، اپنی تلوار ذوالفقار عنایت کی اور اپنا عمامہ جو عمامۂ سحاب مشہور تھا پہنایا۔ پھر فرمایا: آگے بڑھو۔ پھر فرمایا:

برز الایمان کله الی الکفر کله۔[1]　　کل کا کل ایمان، کل کے کل کفر کے مقابلے میں نکلا ہے۔

علی علیہ السلام کو دیکھ کر عمرو نے کہا تم کون ہو؟ فرمایا: میں علی ہوں۔ کہا: میں تمہارا خون بہانا نہیں چاہتا۔ فرمایا: مگر میں تمہارا خون بہانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر وہ غصے میں آتا ہے اور گھوڑے سے اتر کر حضرت علی علیہ السلام پر حملہ کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی ڈھال کو آگے کیا۔ اس کی تلوار ڈھال میں پھنس گئی اور حضرت علی علیہ السلام کے سر مبارک پر زخم آیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس پر حملہ کیا۔ وہ زمین پر گر پڑا اور گرد و غبار اُٹھا۔ اس میں سے حضرت علی علیہ السلام کی تکبیر کی آواز سنائی دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی نے اسے قتل کر دیا اور فرمایا:

لضربة علی خیر من عبادة الثقلین۔[2]　　علی کی ایک ضربت جن وانس کی عبادت سے بہتر ہے۔

ایک رات کڑک اور چمک کے ساتھ شدید آندھی آئی جس سے دشمن کے خیمے اکھڑ گئے۔ دشمن اس صورت حال کا مقابلہ نہ کر سکے اور راتوں رات میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ صبح کو مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن نے راہ فرار اختیار کر لی ہے اور میدان دشمن سے خالی ہو گیا ہے۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

و لا یغزوننا بعد الیوم و نحن نغزوهم ان شاء اللّٰه۔[3]　　آج کے بعد وہ ہم پر حملہ نہیں کر سکیں گے۔ انشاء اللہ ہم ان پر حملہ کریں گے۔

۱۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ: اہل ایمان کو خندق کی جنگ میں اللہ کی طرف سے ملنے والی نعمت کا ذکر ہے۔ اس نعمت سے مراد امن کی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دشمن کے حملے سے محفوظ رکھا۔

۲۔ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ: ان لشکروں کی طرف اشارہ ہے جو اس جنگ میں شرکت کر رہے تھے۔ عام طور پر جنگ میں دونوں طرف ایک لشکر ہوتا ہے خواہ ایک طرف کا لشکر دوسری طرف کے لشکر سے بڑا یا چھوٹا ہو۔ جیسے جنگ بدر میں دو ہی لشکروں کا مقابلہ تھا لیکن اس جنگ میں اسلام کے صرف ایک لشکر کے مقابلے میں دشمن کے متعدد لشکر صف آرا تھے۔

i۔ بنی نصیر اور بنی قینقاع کے یہود کا لشکر۔
ii۔ غطفان کے قبائل کا لشکر۔
iii۔ قریش مکہ کا لشکر۔

ان تمام لشکروں میں بارہ ہزار افراد شریک تھے۔

---

[1] عوالی اللالی ۴: ۸۸۔ شرح نهج البلاغة ۱۳: ۲۶۱۔ اس میں الکفر کی جگہ الشرك آیا ہے۔
[2] بحار الانوار ۱: ۳۹　　[3] شرح نهج البلاغة ۱۹: ۶۲

۳۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا: دشمن پر یکا یک ایک شدید آندھی بھیجی جس کے زور سے ان کے خیمے اکھڑ گئے، ان میں شدید اضطراب پیدا ہوا اور راتوں رات وہ میدان چھوڑ کر چلے گئے۔

۴۔ وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا: ایسا لشکر بھیجا جو ظاہری دید میں نہ آتا تھا لیکن یہ طاقت ایک نہیں کئی لشکروں کا کام کر رہی تھی۔ ان لشکروں سے مراد فرشتے بھی ہو سکتے ہیں چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ہی کے ذریعے داخلی طاقت فراہم فرماتا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰

۱۰۔ جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور (مارے دہشت کے) دل (کلیجے) منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ: مدینہ کے مشرقی علاقے سے آنے والے لوگ ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے غطفان کے قبائل اور یہود کے لشکر ہوں۔

۲۔ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ: نچلی طرف سے آنے والے لشکروں سے مراد قریش اور ان سے ملحق ہونے والے دوسرے لشکر ہو سکتے ہیں۔

۳۔ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ: لشکروں نے مدینے کا مختلف سمتوں سے اس طرح محاصرہ کیا تھا کہ حملے کی صورت میں بچنے کی کوئی ظاہری امید نظر نہیں آتی تھی۔ واحد دفاعی ذریعہ خندق تھا۔ یہ بھی بنی قریظہ کے یہود کی عہد شکنی کے بعد غیر مؤثر نظر آتا تھا۔ ان حالات میں کچھ لوگوں کی آنکھیں پتھرا گئیں اور دل، کلیجے منہ کو آ گئے۔

زَاغَتِ: زیغ کے معنی کجی کے ہیں۔ یعنی آنکھیں حقائق کا درست مشاہدہ کرنے سے قاصر ہو گئی تھیں۔

۴۔ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا: اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ منافقین اور کمزور ایمان والے اسلام کی حقانیت، رسول کریم ﷺ کی صداقت کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے کہ اب جاہلیت لوٹ آنے والی ہے وغیرہ وغیرہ۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱

۱۱۔ اس وقت مومنین خوب آزمائے گئے اور انہیں پوری شدت سے ہلا کر رکھ دیا گیا۔

تفسیر آیات

۱۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ: اس جنگ کے امتحان میں جہاں منافقین اور ضعیف الایمان فاش ہو گئے وہاں مومنین خوب آزمائے گئے۔ اس آزمائش سے ان کے ایمان کی حقیقت نکھر گئی۔

۲۔ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا: اور مومنین کو ہلا کر رکھ دیا گیا۔ حالات اس قدر سنگین ہو گئے اور خطرہ اس قدر عظیم ہو گیا تھا کہ پختہ ایمان والوں کو بھی خوف و اضطراب نے ہلا دیا۔ ان کے ایمان میں تزلزل نہیں آیا بلکہ ان کے وجود میں تزلزل آیا۔ ہو سکتا ہے یہ ایمان کی پختگی اور خلوص کا نتیجہ ہو کہ وہ اس تصور سے ہل گئے ہوں کہ اسلام کا کیا بنے گا اور اہل ایمان کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس ہلنے کا ذکر منافقین کے مقابلے میں آیا ہے جن کے لیے فرمایا کہ وہ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے جب کہ مومنین اس امتحان میں شدید اضطراب میں مبتلا ہوئے مگر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بارے میں طرح طرح کے گمان نہیں کر رہے تھے۔

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾

۱۲۔ اور جب منافقین اور دلوں میں بیماری رکھنے والے کہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھا۔

تفسیر آیات

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں منافقین کے ساتھ بیمار دل لوگوں کا بھی ذکر ہے کہ دونوں کا ایک ہی موقف ہے۔ منافقین وہ لوگ ہیں جو ایمان کا اظہار کرتے ہیں مگر دل سے ایمان کا انکار کرتے ہیں۔ بیمار قلب وہ لوگ ہیں جو ایمان کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے دل کے ایمان میں تزلزل ہے۔ ایمان میں ثبات نہ ہونے کی وجہ سے وہ منافقین کے ہم خیال بن جاتے ہیں۔ لہٰذا قرآن کی صراحت کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاصرین تین گروہوں پر مشتمل تھے:

i۔ راسخ الایمان والے، جو اپنے امتحان میں کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔

ii۔ بیمار دل والے، جن کے ایمان میں رسوخ نہیں۔ آزمائش کے وقت ان کے ایمان میں تزلزل آتا ہے اور منافقوں کے ہمنوا بن جاتے ہیں۔

iii۔ منافقین، جن کے دلوں میں کفر راسخ ہے اگرچہ زبان سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں۔

۲۔ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا: منافقین اور مریض دل دونوں کی ایک ہی سوچ ہو گئی

تھی کہ جو فتح و نصرت کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے دیا گیا ہے وہ بس ایک دھوکہ ہی تھا۔ نہ یہ وعدہ اللہ کا تھا، نہ کسی رسول کا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں اور جو وعدۂ فتح اپنے کو رسول ظاہر کر کے اللہ کی طرف سے کیا ہے وہ ایک دھوکہ ہے۔ ورنہ وہ اگر اس وعدے کو اللہ کی طرف سے سمجھتے تو اللہ کی طرف دھوکے کی نسبت نہ دیتے۔

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛؕ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝۱۳

۱۳۔اور جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا: اے یثرب والو! تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے پس لوٹ جاؤ اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت طلب کر رہا تھا یہ کہتے ہوئے: ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے، وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

تشریح کلمات

یَثْرِبَ: مدینے کا قدیمی نام یثرب تھا بعض کے مطابق یثرب ایک سرزمین کا نام ہے اور مدینہ اس سرزمین کا ایک حصہ ہے۔ بعض کے نزدیک یثرب اس شخص کا نام ہے جو عمالیق میں سے یہاں آباد ہوا۔[1] بقول بعضے مدینہ کو یثرب کہنے میں کراہت ہے چونکہ تثریب علامت کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی لیے اس شہر کا نام طیبہ رکھا تھا۔ چنانچہ ابن عباس سے روایت منقول ہے:

لا تدعونها یثرب فانها طیبة۔[2] اسے یثرب نہ کہو، یہ طیبہ ہے۔

عَوْرَةٌ: غیر محفوظ کے معنوں میں ہے۔ کہتے ہیں دار ذات عورة۔ جب اس گھر میں داخل ہونا آسان ہو اور ہر وہ جگہ جو غیر محفوظ ہو اسے عَوْرَةٌ کہتے ہیں۔ العورة: الشغر بین الجبلین الذی یتمکن العدو ان یتسرب منه الی الحی۔ العورة دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو کہتے ہیں جہاں سے کسی آبادی میں گھسنا آسان ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ: منافقین کے ایک گروہ نے کہا: اے یثرب والو! آج تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کی گنجائش نہیں رہی۔ یعنی محاذ جنگ پر ٹھہرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

---

[1] الجامع قرطبی ۱۴: ۱۴۷ [2] روح المعانی

یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اسلام میں ٹھہرنے کی اب گنجائش نہیں رہی۔

۲۔ فَارْجِعُوْا: پہلے معنی کے اعتبار سے اس جملے کا یہ مطلب ہو گا: گھروں کو واپس چلو۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے معنی یہ ہو گا: اپنے آبائی مذہب کی طرف واپس ہو جاؤ۔

۳۔ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ: منافقین اور بیمار قلب لوگوں میں سے ایک گروہ اجازت طلب کر رہا ہے۔ چونکہ منافقین اور بیمار قلب دونوں کا ایک ہی موقف ہو گیا تھا لہٰذا مِّنْهُمُ کی ضمیر دونوں کی طرف جانا قرین سیاق ہے۔

۴۔ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ: ان لوگوں نے یہ عذر تراشا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ ان کے اس خودساختہ بہانے کو فاش کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ۔ حالانکہ ان کے گھر غیر محفوظ نہیں ہیں۔ اپنے نفاق اور ایمان کی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے گھڑا ہوا ایک عذر ہے۔

۵۔ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا: وہ اس بہانے جنگ سے فرار ہونا چاہتے ہیں۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور اگر (دشمن) ان پر شہر کے اطراف سے گھس آتے پھر انہیں اس فتنے کی طرف دعوت دی جاتی تو وہ اس میں پڑ جاتے اور اس میں صرف تھوڑا ہی توقف کرتے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ: اگر احزاب کے لشکر ان پر چڑھ آتے اور دشمن غالب آ جاتے اور انہیں فتنہ یعنی مرتد ہونے اور دوبارہ کفر اختیار کرنے کی دعوت دیتے تو یہ لوگ اس دعوت کو قبول کرنے میں صرف اتنا توقف کرتے جتنا وقت کفر کی دعوت دینے پر لگتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ منافقین کے ساتھ ضعیف الایمان لوگ بھی صرف آسودگی کی حالت میں اسلام کا دم بھرتے تھے۔ آزمائش میں یہ لوگ چند لمحوں میں کفر اختیار کرنے والے ہیں۔

بعض الْفِتْنَةَ سے قتال مراد لیتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کے دفاع میں لڑنے کے لیے تو آمادہ نہیں ہیں لیکن مشرکین و کفار کے ساتھ اسلام کے خلاف لڑنے میں کوئی تامل نہیں کریں گے۔

الْفِتْنَةَ سے دونوں باتیں مراد ہو سکتی ہیں۔ یعنی مرتد ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آمادہ ہوں گے۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ۝۱۵

۱۵۔ حالانکہ پہلے یہ لوگ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے ساتھ ہونے والے عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ: اس آیت کے مصداق کے بارے میں تین اقوال ہیں:

i۔ اس سے مراد لیلۃ العقبۃ کا معاہدہ ہے کہ مدینہ سے ستر افراد مکہ جاتے ہیں اور رسول اللہؐ سے معاہدہ کرتے ہیں۔ یہ ستر افراد انصار میں سابقین اولین ہیں۔

اگرچہ روح المعانی اور الکشاف میں ابن عباس سے اور تفسیر قرطبی میں مقاتل اور کلبی سے روایت کی گئی ہے کہ اس سے مراد لیلۃ العقبۃ کا معاہدہ ہے۔

لیکن بعید ہے انصار میں سے جو لوگ سابقین اولین ہیں وہ منافقت اور ضعف ایمانی میں اولین ہو جائیں اور دوسروں سے زیادہ جنگ سے فرار ہونے والے ثابت ہوں۔

ii۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ بدر میں شرکت نہ کرنے پر نادم تھے اور انہوں نے آئندہ ہر جنگ میں شرکت کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔

iii۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنی حارثہ اور بنی مسلمہ کے دو قبیلے ہیں۔ ان دو قبیلوں نے جنگ احد میں بزدلی دکھائی تھی جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ....[1]

(یہ اس وقت کی بات ہے) جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

لیکن اس عہد کے تعین کے لیے ان لوگوں کا تعین ضروری ہے جنہوں نے جنگ احزاب سے فرار ہونے کے بہانے تلاش کیے ہیں۔ روایات اس بارے میں متضارب ہیں۔

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۶

۱۶۔ کہہ دیجیے: اگر تم لوگ موت یا قتل سے فرار چاہتے ہو تو یہ فرار تمہیں فائدہ نہ دے گا اور (زندگی کی) لذت کم ہی حاصل کر سکو گے۔

---

[1] ۳ آل عمران: ۱۲۲

تفسیر آیات

جنگ سے فرار ہونے کو نادان موت سے فرار ہونا تصور کرتا اور موت کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے جب کہ جنگ سے فرار کی وجہ سے موت سے فرار ہوا جا سکتا ہے نہ ہی موت کا فیصلہ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ صرف چند دنوں کا فاصلہ ہوگا جس کے بعد وہ موت کے منہ میں چلے جائیں گے۔ اگر راہ خدا میں جنگ میں ثابت قدم رہتے تو ممکن ہے مجاہد بن کر برسوں زندہ رہتے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۷﴾

۱۷۔ کہہ دیجیے: اللہ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے؟ یا تم پر رحمت کرنا چاہے (تو کون روک سکتا ہے؟) اور یہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو نہ ولی پائیں گے اور نہ مددگار۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ: جنگ سے فرار ہونے والوں سے پوچھیے: اللہ کے ارادے کے سامنے تمہارا کون سا بس چلے گا؟ کیا اللہ کی طرف سے آنے والے کسی فیصلے کو ٹالنے کی تم میں طاقت ہے؟

۲۔ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا: اگر اللہ کا ارادہ یہ ہو تم پر بلا نازل ہو تو کیا تم اسے ٹال سکتے ہو:

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ....[1]

اور اگر اللہ آپ کو کسی تکلیف میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس تکلیف کو دور کرے۔

۳۔ اَوْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَةً: اور اگر اللہ کا ارادہ یہ ہو تم پر رحمت نازل ہو تو کیا اسے کوئی روک سکتا ہے؟

وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ....[2]

اور اگر اللہ آپ سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو روکنے والا کوئی نہیں۔

جن پر اللہ کی طرف سے بلا نازل ہونے والی ہو یا کسی قوم پر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہونے والا ہو تو دونوں صورتوں میں اللہ کے دشمن اس بلا کو نہیں ٹال سکتے اور رحمتوں کے نزول کے اہل لوگوں کے دشمن اس رحمت کو روک نہیں سکتے۔ چونکہ یہ عالم علل و اسباب کا عالم ہے اور علل و اسباب صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔ وہ کسی مقصد کے لیے سبب پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ وہی مسبب الاسباب ہے اور کسی مقصد کے لیے سبب سے اس کے اثر کو سلب کر دیتا ہے۔

---

[1] و [2] یونس: ۱۰۷

۴۔ وَلَا یَجِدُوْنَ لَھُمْ: یہ اسباب اللہ کے علاوہ کسی کے لیے مسخر نہیں ہیں کہ وہ کسی کی مدد کر سکیں۔

اہم نکات

۱۔ ارادۂ الٰہی کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا: اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا....

۲۔ علل و اسباب صرف اللہ کے لیے مسخر ہیں۔

قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآىِٕلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا ۚ وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اللہ تم میں سے رکاوٹیں ڈالنے والوں کو خوب جانتا ہے اور ان کو جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: ہماری طرف آؤ اور جو جنگ میں کبھی کبھار ہی شرکت کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ: اللہ ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روکتے ہیں۔ مِنْكُمْ: یہ لوگ خود مسلمانوں کی صفوں کے اندر ہیں اور ہوسکتا ہے مِنْكُمْ سے مراد خود منافقین ہوں جن سے لَنْ یَّنْفَعَكُمُ کا خطاب ہے۔

۲۔ وَالْقَآىِٕلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ: اپنی نظریاتی برادری کے لوگوں کو جو ضعیف الایمان اور منافقین ہیں ہماری طرف آ جاؤ کہہ کر بلانے والے وہی معوقین، روکنے والے لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ یہ معوقین خود جنگ میں شریک نہیں ہیں اور دوسروں کو جو جنگ میں بظاہر شریک ہیں، اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ آیت کا اگلا جملہ اس پر قرینہ بھی ہے۔

۳۔ وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا: یہ وہ لوگ ہیں جو خود جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔ اِلَّا قَلِیْلًا میں قلیل سے مراد وہ زمانہ ہوسکتا ہے جس میں مسلمانوں کے لشکر میں شامل رہے ہوں۔ چونکہ یہ لوگ بظاہر لشکر اسلام میں کچھ دیر شامل رہتے تھے پھر بہانے بنا کر میدان جنگ چھوڑ جاتے تھے۔

اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰى عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ

۱۹۔ تم سے دریغ رکھتے ہیں چنانچہ جب خوف کا وقت آ جائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ آنکھیں پھیرتے ہوئے ایسے آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہو رہی ہو،

الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

پھر جب خوف ٹل جاتا ہے تو وہ مفاد کی حرص میں چرب زبانی کے ساتھ تم پر بڑھ چڑھ کر بولیں گے، یہ لوگ ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ نے ان کے اعمال حبط کر دیے اور یہ اللہ کے لیے (بہت) آسان ہے۔

تشریح کلمات

اَشِحَّةً: (ش ح ح) الشحّ کے معنی حرص کے ساتھ بخل کے ہیں جو انسان کی عادت میں داخل ہو چکا ہے۔

سَلَقُوْكُمْ: (س ل ق) السلق غصے کے ساتھ زبان درازی کے معنی میں ہے۔

حِدَادٍ: (ح د د) حداد تیزی کے معنی میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ: وہ جانی قربانی دینے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ عَلَيْكُمْ یعنی رسولؐ اور مسلمانوں کی مصلحت میں کوئی کردار ادا کرنے سے کتراتے اور مال خرچ کرنے سے دریغ کرتے ہیں۔

۲۔ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ: ان منافقین کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں ہے لہٰذا وہ جنگ میں نہ صرف دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ اسے مال و جان کا ضیاع تصور کرتے ہیں۔ لہٰذا ان پر خوف طاری ہونا ایک قدرتی بات ہے۔

ان منافقین کے دلوں میں خوف کی حالت اس وقت دیکھنے میں آئی ہوگی جب عمرو بن عبدود خندق پھلانگ کر آیا۔ چنانچہ مؤلف التحریر و التنویر نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

والظاهران الاية تشير الى ما حصل فى بعض ايام الاحزاب من القتال بين الفرسان الثلاثة الذين اقتحموا الخندق من اضيق جهاته و بين على بن ابى طالب و من معه من المسلمين۔

ظاہراً یہ آیت اس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو جنگ احزاب کے بعض دنوں میں خندق پھلانگ کر آنے والے تین شہسواروں اور علی بن ابی طالب اور ان کے ساتھ مسلمانوں کے درمیان واقع ہوا۔

۳۔ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ: خوف کے مارے ان کی آنکھیں دائیں بائیں اوپر نیچے گھوم رہی تھیں اور حالت موت کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

۴۔ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ: جب خوف کا بادل چھٹ جاتا ہے اور غنیمت کی تقسیم کا وقت

آتا ہے تو بولنے میں بڑی تیزی دکھاتے ہیں اور سَلَقُوْكُمْ وہ تم سے بڑھ چڑھ کر بولتے ہیں۔ غیض و غضب کے ساتھ بولتے ہیں۔ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ۔ چرب زبانی کے ساتھ بولتے ہیں جیسے پورا معرکہ ان ہی لوگوں نے سر کیا ہو۔

۵۔ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا: ان کے دلوں میں ایمان کبھی جاگزین نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ایمان کی کسی قسم کی علامت ان سے ظاہر نہ ہوتی تھی۔

۶۔ فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ: عدم ایمان کے ساتھ جو بھی اچھا عمل سرزد ہو گا وہ حبط ہو جائے گا۔ حبط، عمل کو باطل اور بے اثر قرار دینے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ احباط دم القتیل اس وقت کہتے ہیں جب مقتول کا قصاص لینے کا حق سلب کیا جاتا ہے۔ اہل لغت نے کہا ہے: حبط کے اصل میں معنی زیادہ گھاس کھانے کی وجہ سے اونٹ کے شکم پھولنے کی وجہ سے مر جانے کو کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے خواہش پرستی کی وجہ سے ایمان ترک کرنے کو بھی حبط کہا چونکہ اس میں بھی ہلاکت ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کا عمل اس وقت حبط، باطل اور بے اثر ہو جاتا ہے جب اس عمل کے بجا لانے کے اصل محرک میں خلل آ جائے۔ مثلاً ریاکاری سے عمل حبط ہو جاتا ہے۔ ایمان چونکہ اعمال صالحہ بجالانے کے محرکات میں بنیادی محرک ہے لہٰذا ایمان میں خلل آنے کی صورت میں عمل حبط ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام رسالت کا حق ادا نہ کرے تو یہ اس کے ایمان میں خلل کی علامت ہے اور اس کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ جیسے فرمایا:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ [1]	اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات نہ کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنا مقام رسالت کے احترام کے منافی ہے جو اصل ایمان میں خلل ہونے کی علامت ہے۔ اس سے عمل حبط ہو جاتا ہے۔ ہم نے یہ بات مکرر لکھی ہے کہ عمل میں حسن و خوبی عمل کرنے والے میں موجود حسن و خوبی کے تابع ہے۔ لہٰذا بعض آیات میں حبط عمل کو بطلانِ عمل کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ....[2]	اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر برباد نہ کرو۔
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ [3]	اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

---

[1] ۴۹ حجرات: ۲ [2] ۲ بقرۃ: ۲۶۴ [3] ۴۷ محمد: ۳۳

بعض دیگر آیات نے حبط کو خاکستر اور هباء منثور پراگندہ غبار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اسی طرح نفاق بھی حبط عمل کا موجب ہے۔

حبط عمل کے اسباب درج ذیل ہیں:

کفر، شرک، نفاق اور مرتد ہونا۔ ریاکاری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے احترامی، احسان جتانا اور اعمال کی انجام دہی میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کو بنیاد نہ بنانا۔

اس جگہ ایک اختلاف یہ سامنے آیا کہ مسلمان مرتد ہو جاتا ہے تو اس کا عمل حبط ہو جاتا ہے۔ اگر وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے تو کیا اس کا حبط شدہ عمل بحال ہو گا یا نہیں؟ مالکی وحنفی کے نزدیک بحال نہ ہو گا۔ مثلاً اگر اس نے حج کیا ہے تو ارتداد کے بعد دوبارہ اسلام قبول کرنے پر دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔ شافعی کے نزدیک بحال ہو گا، دوبارہ حج نہیں کرنا پڑے گا۔

لیکن قرآن نے حبط اعمال کے لیے کفر کی حالت میں مرنے کی شرط عائد کی ہے:

وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ....[1]

اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں مرے گا ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہوں گے۔

لہٰذا اگر دیگر آیات میں بطور مطلق حبط اعمال کا ذکر ہے تو انہیں اس مقید آیت پر محمول کیا جاتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ اسلام کے لیے عدم ایثار، حالت خوف میں بے چینی سے پیچھے ہٹنا، امن کی حالت میں مفاد پرستی میں آگے آنا نفاق کی علامات ہیں۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝

۲۰۔ یہ خیال کر رہے ہیں کہ (ابھی) فوجیں گئی نہیں ہیں اور اگر وہ پھر حملہ کریں تو یہ آرزو کریں گے کہ کاش! صحرا میں دیہاتوں میں جا بسیں اور تمہاری خبریں پوچھتے رہیں، اگر وہ تمہارے درمیان ہوتے تو لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے۔

تشریح کلمات

بَادُوْنَ: (ب د و) البادی صحرانشین۔ سواء العاکف فیه و الباد۔

---

[1] ۲ بقرۃ: ۲۱۷

تفسیر آیات

۱۔ منافقین کے لیے یہ خبر غیر متوقع تھی کہ لشکر ہائے کفار یہاں سے چلے گئے۔ لہٰذا ان کو اس پر یقین نہیں آ رہا تھا اور ابھی ان کے دلوں میں خوف و اضطراب موجود ہے۔

۲۔ وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ: ان کے خوف و اضطراب کا یہ عالم تھا کہ اگر لشکر ہائے کفار دوبارہ حملہ آور ہوتے تو یہ اس قدر دہشت زدہ ہو جاتے کہ یہ آرزو یا کوشش کرتے کہ صحرانشینوں میں بیٹھ کر جنگ کے خطرات سے محفوظ ہو جائیں۔

۳۔ یَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِکُمْ: انہیں تمہاری خبروں میں دلچسپی ہوتی کہ احزاب کی جنگ میں مسلمانوں کا کیا حشر ہوا۔

۴۔ وَلَوْ کَانُوْا فِیْکُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِیْلًا: اگر وہ لشکر میں شریک ہوتے تو بھی لڑائی میں کم حصہ لیتے۔ لہٰذا اسلامی لشکر کو ان کی عدم شمولیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اہم نکات

۱۔ منافق کو مسلمانوں کی سرنوشت کی خبر میں دلچسپی ہوتی ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ بتحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

تشریح کلمات

اُسْوَۃٌ: (ا س و) انسان کی اس حالت کو کہتے ہیں جس میں وہ دوسرے کا متبع ہوتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ: بہتر نمونہ عمل فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ذات رسولؐ میں ہے۔ کسی صفت کے اعتبار سے نہیں۔ مثلاً یہ نہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت یا صبر و استقلال میں نمونہ عمل ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ذات رسولؐ مجموعہ کمالات ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل نہ ہو۔ اس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

i۔ رسولؐ کی عصمت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی عمل نسیان یا خطا کی وجہ سے صادر نہیں ہو سکے گا۔

اگر رسولؐ سے غلطی صادر ہوسکتی ہے تو رسولؐ کی ذات اسوہ نہیں ہے بلکہ دیگر مسلمانوں کی طرح واتبعوھم باحسان نیک چال چلن میں ان کی پیروی کرنا ہوگی۔ لہٰذا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جائز الخطا مجتہد مانتے ہیں وہ قرآن اور عصمت رسولؐ کے خلاف ہیں۔

ii۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف جانا کسی صورت جائز نہیں ہے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف جانے والوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں دو مجتہدوں میں اختلاف میں کوئی حرج نہیں۔ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں موجود اسوہ حسنہ کے منکر ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک رسولؐ کا فرمان اور آپؐ کا عمل حجت نہیں ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ آیت اسوہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے دو حالات کے درمیان فرمایا ہے: ایک طرف مومنین کی آزمائش اور ان کے لیے وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا اور منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کی اضطرابی حالت بیان فرمائی ہے۔ اور دوسری طرف آیت ۲۲ میں ان مومنین کا ذکر آیا ہے کہ لشکر ہائے کفر کو دیکھ کر ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔

ان دو متضاد کرداروں کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو اسوہ قرار دیا گیا کہ منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کے لیے اسوۂ رسولؐ ایک دلیل و حجت تھی جس سے آپؐ کی رسالت اور اس کی حقانیت واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام اپنی شجاعت و بہادری میں یکتا ہونے کے باوجود فرماتے ہیں:

كُنَّا اِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ اتَّقَيْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ص فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِنَّا اَقْرَبَ اِلَى الْعَدُوِّ مِنْهُ...[1]

جب جنگ شدید ہو جاتی تو ہم رسول اللہؐ کی پناہ میں جاتے تھے چنانچہ رسول اللہؐ ہم سب سے زیادہ دشمن کے نزدیک ہوتے تھے۔

اور خندق کی کھدائی میں دیگر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کھدائی کے کام میں برابر کا حصہ لیتے تھے۔ اس طرح مومنین کو اپنے ایمان میں اضافے اور یقین کو مزید پختہ کرنے کا موقع ملا۔

۲۔ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ لوگ اسوہ قرار دیتے ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں جانے پر یقین رکھتے ہیں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو قبول کرنے کی صورت میں نجات ہے۔ اس میں اشارہ ہے ان لوگوں کی طرف جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل میں شک و شبہ کرتے ہیں خواہ جنگ میں شریک معاصرین ہوں یا بعد والے وہ لوگ ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جائز الخطا سمجھتے ہیں۔

۳۔ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا: اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کو وہ لوگ مشعل راہ قرار دیں گے جو خواب غفلت

---

[1] نہج البلاغہ۔ قصار الکلمات:۹ فصل الغرائب

میں نہیں ہیں۔ کثرت سے ذکر خدا کرتے ہیں۔ یہ لوگ بیدار دل ہوتے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے تمام گوشے نمونۂ عمل ہیں۔

۲۔ اسوہ کا مطلق ذکر کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رسول ﷺ جائز الخطا نہیں ہیں۔ اگر جائز الخطا ہوتے تو اللہ بِاِحْسَانٍ کی طرح کوئی قید عائد فرماتا۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور جب مومنوں نے لشکر دیکھے تو کہنے لگے: یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس واقعے نے ان کے ایمان اور تسلیم میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ: جب صدق دل سے ایمان پر قائم لوگوں نے لشکر ہائے کفر کو دیکھا تو جو وعدہ الٰہی ان کے ذہنوں میں راسخ تھا وہ یاد آ گیا۔ بعض کے نزدیک اس وعدے سے مراد سورہ بقرہ آیت ۲۱۴ ہے جو ابن عباس کی روایت کے مطابق واقعہ احزاب سے ایک سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ وہ آیت یہ ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝

کیا تم خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں اس قسم کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلوں کو پیش آئے تھے؟ انہیں سختیاں اور تکالیف پہنچیں اور وہ اس حد تک جھنجھوڑے گئے کہ (وقت کا) رسول اور اس کے مومن ساتھی پکار اٹھے کہ آخر اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ (انہیں بشارت دے دی گئی کہ) دیکھو اللہ کی نصرت عنقریب آنے والی ہے۔

بعض دیگر کے نزدیک خود رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی اور وعدۂ نصرت کا ذکر کیا تھا۔ بہرحال دونوں صورتوں میں اہل ایمان نے جب احزاب یعنی لشکر ہائے کفر کو دیکھا تو وعدۂ الٰہی یاد آ گیا اور ایمان میں پختگی آ گئی چونکہ اس وعدے کا پہلا حصہ وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ وہ یہ تھا کہ اہل ایمان سابقہ امتوں کی

طرح سختیوں اور تکلیفوں کے ذریعے جھنجھوڑ دیے جائیں گے۔ مومنین نے دیکھا کہ انہیں وعدۂ الٰہی کے تحت جھنجھوڑا جا رہا ہے۔

احزاب کے لشکر اور اس وعدے اور پیشگوئی کا پہلا حصہ وقوع پذیر ہوتے دیکھ کر کہہ اٹھے: صدق اللّٰہ و رسولہ۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا۔

۲۔ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا: اس وعدہ الٰہی کا پہلا حصہ وقوع پذیر ہونے کے بعد اللہ کے وعدۂ نصرت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ان کے ایمان میں مزید پختگی آ گئی۔

یہ بات واضح ہے کہ ایمان کے درجات ہوتے ہیں۔ کچھ ضعیف الایمان ہوتے ہیں۔ کچھ متوسط درجے کے ایمان پر فائز ہوتے ہیں اور چند ایک ہستیاں ایمان کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہوتی ہیں۔ ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ ایمان بالغیب سے بالاتر ایمان بالشہود کی منزل میں ہے۔ روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

وَ اَبْيَنُ مِمَّا تَرَى الْعُيُوْنِ ....[1]　　وہ (اللہ) ان چیزوں سے بھی زیادہ (اپنے مقام پر) ثابت و آشکارا ہے کہ جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں۔

جب ایمان، شہود کی منزل میں آ جاتا ہے تو یہ مقام عصمت ہے لیکن جن کا ایمان، بالغیب کی منزلوں میں ہوتا ہے ان کا ایمان ترقی پذیر ہے۔

لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ....[2]　　تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ مزید ایمان کا اضافہ کرے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ....[3]　　پس ایمان والوں کے ایمان میں تو اس نے اضافہ ہی کیا ہے۔

واقعۂ احزاب قرآن کی طرح ثابت ہوا قرآن میں مؤمنین کے لیے شفا و رحمت ہے اور کافروں کے لیے خسارت میں اضافہ ہے:

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝[4]　　اور ہم قرآن میں سے ایسی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے تو شفا اور رحمت ہے لیکن ظالموں کے لیے تو صرف خسارے میں اضافہ کرتی ہے۔

اسی قرآن میں رحمت ہے مومن کے لیے اور خسارہ ہے کافر کے لیے۔ جنگ احزاب سے مومن کے ایمان اور منافقین کے نفاق میں اضافہ ہوتا ہے۔

اہم نکات

۱۔　آزمائش کی منزل میں ایمان اور نفاق، دونوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

۲۔　رسول کے وعدے کو مومن صدق اللّٰہ و رسولہ کہتے ہیں جب کہ منافق اسے دھوکہ قرار دیتے ہیں۔

---

[1] نہج البلاغۃ خ ۱۵۵　[2] ۴۸ فتح: ۴　[3] ۹ توبہ: ۱۲۴　[4] ۱۷ بنی اسرائیل: ۸۲

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۫ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

۲۳۔ مومنین میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا، ان میں سے بعض نے اپنی ذمے داری کو پورا کیا اور ان میں سے بعض انتظار کر رہے ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے۔

تشریح کلمات

نَحْبَهٗ: (ن ح ب) النحب: اس نذر کو کہتے ہیں جس کا پورا کرنا واجب ہو۔ مجازاً اس سے موت مراد لی جاتی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ: ان مؤمنوں کا ذکر رجال کے ساتھ کرنے میں ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہو کہ یہ لوگ استقامت والے ہیں چونکہ رجل، رِجل پاؤں سے ماخوذ ہے جو استقامت کا ذریعہ ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اہل ایمان میں سے ایک جماعت کا ذکر ہے جنہوں نے میدان کارزار میں استقامت دکھائی ہے۔ اس کے مصداق کے لیے تاریخی شواہد کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ راوی کی روایت کی طرف نہیں مگر یہ کہ راوی کی روایت تاریخی شواہد کے مطابق ہو۔

۲۔ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ: ہر مومن کا اللہ کے ساتھ ایک عہد و میثاق ہوتا ہی ہے تاہم ممکن ہے اس عہد و میثاق کی طرف اشارہ ہو جو خاص طور پر جنگ سے فرار نہ ہونے پر لیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾

حالانکہ پہلے یہ لوگ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے ساتھ ہونے والے عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اس عہد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگ سے فرار ہو گئے۔

۳۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ: ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کی ہے۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے ان مومنین میں سے کچھ ایسے ہیں جو وفا بہ عہد کی راہ میں دنیا سے چلے گئے۔ راہ خدا میں موت کو گلے لگانا بھی وفا بعہد ہے بلکہ وفا بعہد کا سب سے اعلیٰ درجہ اور فرد اکمل اس عہد کے تحت جان دینا ہے۔

مجمع البیان میں آیا ہے کہ عالم اہل سنت حاکم حسکانی روایت کرتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام

نے فرمایا:

آیہ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ ہماری شان میں نازل ہوئی۔ میں مَّنْ یَّنْتَظِرُ کا مصداق ہوں اور حمزہ سید الشہداء مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ کے مصداق ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کوفہ میں زیب منبر تھے۔ کسی نے آپؑ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

یہ آیت میرے، میرے عم بزرگوار حضرت حمزہ اور میرے ابن عم عبیدۃ بن حارث بن عبد المطلب کے بارے میں نازل ہوئی۔ عبیدۃ نے جنگ بدر میں اپنی جان دے کر اپنا عہد پورا کیا، حضرت حمزہ نے احد کے دن شہادت اختیار کر کے اپنی ذمے داری پوری کر دی اور میں اس امت کے شقی ترین شخص (کے ظلم) کا انتظار کر رہا ہوں جو میری اس جگہ کے خون سے اسے رنگین کرے گا۔ پھر اپنے سر اور ریش مبارک کی طرف اشارہ کیا۔ پھر فرمایا: یہ وہ عہد ہے جو میرے حبیب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سپرد کیا ہے۔[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یَاعَلِیُّ مَنْ اَحَبَّكَ ثُمَّ مَاتَ فَقَدْ قَضٰی نَحْبَهٗ ....[3]

اے علی! جو آپ سے محبت رکھے اور مر جائے تو اس نے اپنی ذمے داری پوری کی۔

یہ روایت آیت کے وسیع مصداق کے بارے میں ہے۔

۴۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ: ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس بات کے انتظار میں ہیں کہ وفا بعہد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوں۔ راہ خدا میں جان دے دیں یا اسلام کے لیے فتح و نصرت حاصل کریں۔

۵۔ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا: یہ لوگ اپنے عہد پر قائم رہے اور کسی قسم کی تبدیلی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ یہ انتظار کرنے والوں کے بارے میں ہے کہ جس مدت میں انتظار کرتے رہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا ارتکاب نہیں کیا۔ اس میں ممکن ہے ان لوگوں کی طرف اشارہ ہو جنہوں نے دین میں تبدیلیاں لائیں اور خود بھی حالات کے ساتھ بدلتے رہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کے ساتھ عہد کرنے والوں کی ایک جماعت نے اپنا عہد سچا کر دکھایا۔

۲۔ اللہ کے عہد و پیمان پر قائم لوگ، منتظر شہادت ہوتے ہیں: وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ....

۳۔ مومن کے موقف میں تبدیلی نہیں آتی: وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔

۱؎ ۳۳ احزاب: ۱۵　۲؎ حاشیہ تفسیر شواھد التنزیل ذیل آیت و صواعق محرقہ صفحہ ۸۰۔　۳؎ الکافی ۸: ۳۰۶

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۲۴

۲۴۔ تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور چاہے تو منافقین کو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرے، اللہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا، رحیم ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ: عہد و پیمان اس لیے لیا گیا تاکہ اس عہد کو سچا کر کے دکھانے والوں کو ان کی سچائی کا صلہ دیا جائے اور ایمان و نفاق میں عملی میدان میں تمیز ہو جائے۔

۲۔ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ: منافقین کو عذاب دیا جائے اِنْ شَآءَ اللہ نے اگر چاہا تو عذاب دیا جائے۔ نہیں چاہا تو عذاب دینا ضروری نہیں ہے چونکہ منافق اگر توبہ کرے تو اس کے سابقہ نفاق کا عذاب نہ ہوگا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ منافق کو عذاب دینے کے لیے اِنْ شَآءَ کی قید ہے۔ صادقین کو صلہ دینے کے لیے کسی قید کا ذکر نہیں ہے چونکہ صادقین کو صلہ دینا رحمت الٰہی کے تحت اللہ نے اپنے اوپر واجب کر رکھا ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ....[1] تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے.

اہم نکات

۱۔ ایمان کا صلہ لازمی ہے اور نفاق پر عذاب توبہ سے ٹل سکتا ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝۲۵

۲۵۔ اللہ نے کفار کو اس حال میں پھیر دیا کہ وہ غصے میں (جل رہے) تھے، وہ کوئی فائدہ بھی حاصل نہ کر سکے، لڑائی میں مومنین کے لیے اللہ ہی کافی ہے اور اللہ بڑا طاقت والا، غالب آنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اللہ نے کافروں کو واپس کیا۔ اللہ نے ایسے اسباب پیدا کیے جن کے

---

[1] ۶ انعام: ۵۴

نتیجے میں ان حملہ آوروں کو نامراد واپس جانا پڑا۔ وہ اسباب خندق کھدوانا اور سخت ترین سردی میں آندھی چلانا تھے۔

۲۔ بِغَيْظِهِمْ: کفار کو غم و غصہ اور غیض و غضب کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ ان کے لیے یہ ایک عظیم حادثہ تھا کہ ہزاروں کی تعداد میں لشکر کی تشکیل کی، اس پر زر کثیر خرچ کیا اور پچیس دن تک مدینہ میں بلا نتیجہ رکنا پڑا۔ پھر مدینہ کی خیرات پر قبضے، مسلمانوں کو نابود کرنے کا جو خواب وہ دیکھ رہے تھے اس میں ناکامی دیکھنا پڑی۔

۳۔ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا: کافروں کے غم و غصہ کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس عظیم اہتمام کے ساتھ اتنا بڑا لشکر بنانے کے باوجود کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ پائے اور نامراد واپس جانا پڑا۔

۴۔ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ: جب اللہ تعالیٰ کی کمک و حمایت حاصل ہو گئی تو پھر کسی غیر اللہ کا احتیاج باقی نہیں رہتا۔ اس جگہ قتال اللہ کی طرف سے ہوا اور کافر اللہ کے قتال کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور مومنین کے لیے کسی قسم کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ متعدد مصادر میں آیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اپنے مصحف میں اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے و کفی اللّٰہ المؤمنین القتال بعلی بن ابی طالب۔ لڑائی میں مؤمنین کے لیے اللہ کافی ہے علی بن ابی طالب کے ذریعہ۔ ملاحظہ ہو شواھد التنزیل ذیل آیت، تاریخ دمشق ابن عساکر در حالات امیر المؤمنین، الدر المنثور ذیل آیت۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو شواھد التنزیل ذیل آیت۔

۵۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ: اللہ کی قوت اور بالادستی کے مقابلے ان کافروں کی کیا حیثیت ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کی کمک حاصل ہونے کی صورت میں دشمن کے سارے حربے ناکام ہو جاتے ہیں: لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا....

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان (حملہ آوروں) کا ساتھ دیا اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیا کہ تم ان میں سے ایک گروہ کو قتل کرنے لگے اور ایک گروہ کو تم نے قیدی بنا لیا۔

تشریح کلمات

صَیَاصِیْھِمْ (ص ی ص) الصیصة ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے اپنے آپ کو محفوظ کیا جائے۔ مثلاً قلعہ۔

تفسیر آیات

مدینہ کے جنوب مشرق میں آباد یہود کا قبیلہ جو بنی قریظہ کے نام سے پہچانا جاتا تھا آباد تھا۔ ان لوگوں نے حملہ آوروں کا ساتھ دیا۔ ابوسفیان کو جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ خندق سے واپس مدینہ پہنچتے ہیں تو جبرائیل بنی قریظہ کی طرف جانے کا حکم لے کر نازل ہوتے ہیں۔ ظہر کا وقت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ نماز عصر بنی قریظہ کے ہاں پڑھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور علم حضرت علی علیہ السلام کو دیا۔ لشکر اسلام بنی قریظہ کے ہاں پہنچ گیا تو بنی قریظہ قلعہ بن ہو گئے۔ مسلمانوں نے قلعہ کو محاصرے میں لے لیا اور بنی قریظہ کا پچیس دن تک محاصرہ کیا۔ آخر میں بنی قریظہ نے رئیس قبیلۂ اوس، سعد بن معاذ کو حکم کے طور پر قبول کیا کہ جو وہ فیصلہ کریں ہمیں قبول ہے۔ چونکہ زمان جاہلیت میں اوس اور بنی قریظہ میں معاہدہ تھا۔ یہود کو امید تھی وہ ہمارے ساتھ نرمی برتے گا۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے جنگجو لوگ قتل کیے جائیں، بچوں اور عورتوں کو اسیر بنایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! تم نے یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق کیا ہے۔ چنانچہ بنی قریظہ کے جنگ میں شریک ہونے کے قابل مردوں کو قتل کیا گیا جو سات سے آٹھ سو تک تھے۔

۱۔ وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاھَرُوْھُمْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ: اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کو ان کے قلعوں سے نکالا۔ یہ نسبت اللہ کی طرف اس لیے ہے کہ یہودیوں کے قلعوں سے نکلنے میں لوگوں کا کردار ظاہری سبب تھا۔ حقیقتاً ان کے نکلنے کا سبب اللہ نے پیدا فرمایا جو اگلے جملے میں مذکور ہے۔

۲۔ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ: وہ حقیقی سبب یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ قلعہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

۳۔ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا: جس گروہ کو قتل کر رہے تھے وہ جنگ میں شریک ہونے کے قابل یہود کے لوگ تھے۔ ان لوگوں نے عہد شکنی کر کے ابوسفیان کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کا اعلان کیا تھا۔

اہم نکات

۱۔ دشمن کے لیے کمک رساں طاقتوں سے غافل نہیں رہنا چاہیے: ظَاھَرُوْھُمْ ....

۲۔　جنگ میں نفسیاتی حربے فیصلہ کن ہوتے ہیں: فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ....

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور اس نے تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اوران کے اموال اور ان کی ان زمینوں کا جن پر تم نے قدم بھی نہیں رکھا وارث بنایا اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ: سعد بن معاذ کے فیصلے کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ بنی قریظہ کے گھر مہاجرین کو دے دیے جائیں چونکہ مہاجر ابھی تک بے گھر تھے۔ اگرچہ زمین اور گھر صرف مہاجرین کو ملے ہیں تاہم خطاب پوری امت سے ہے۔ اس قسم کی مثالیں قرآن میں زیادہ ہیں۔

۲۔ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا: اور وہ زمین بھی تم کو دے دی گئی جسے تم نے فتح نہیں کیا۔ وہ زمین جو بغیر جنگ کے تمہارے ہاتھ لگی۔ اس سے کون سی زمین مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ میرے نزدیک قرین واقع یہ ہے کہ اس زمین سے مراد بنی نضیر کی زمین ہے۔ چنانچہ بنی نضیر کے یہودیوں کو اس سے پہلے اپنے گھروں سے بیدخل کر دیا تھا۔ اس کی مزید تشریح سورۂ حشر میں آئے گی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

۲۸۔ اے نبی! اپنی ازواج سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی آسائش کی خواہاں ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر شائستہ طریقے سے رخصت کر دوں۔

۲۹۔ لیکن اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور منزل آخرت کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکی کرنے والی ہیں ان کے لیے اللہ نے یقیناً اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

تفسیر آیات

جب بنی نضیر کی املاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں آ گئیں، بنی قریظہ کی املاک مہاجرین

کے درمیان تقسیم ہونے پر ازواج رسولؐ کی توقعات زیادہ ہوگئیں تو رسول ﷺ سے ان کے مطالبات بھی بڑھ گئے اورانہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینا شروع کی۔ ازواج کو یہ گمان ہو چلا تھا کہ یہودیوں کے عمدہ اموال خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے رکھے ہیں اس وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھ گئیں اور کہا:

کسریٰ وقیصر کی بیٹیاں زیب و زینت، حشم و خدام میں ہیں اور ہم فاقے سے ہوتی ہیں۔
ہمیں بھی وہی سہولتیں فراہم کی جائیں جو شہنشاہوں کی بیویوں کو حاصل ہیں۔[1]

اس کے بعد ازواج کی تنبیہ کے لیے یہ آیات نازل ہوئیں اور ازواج کو اختیار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں رہیں اور اسی زندگی پر قناعت کریں یا رسول اللہ ﷺ سے جدا ہو جائیں۔

۱۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ: زوجات سے کہد یجیے: اگر موجودہ زندگی پر راضی نہیں ہو اور بہتر زندگی کی خواہش رکھتی ہو تو میں تمہیں دنیا کی بہتر زندگی نہیں دے سکتا۔ مسلمانوں کی سطح زندگی میں ایک مسلمان کی طرح زندگی اگر پسند نہیں ہے تو دوسری صورت یہ نہیں ہو گی کہ تمہیں بہتر زندگی مل جائے گی بلکہ دوسری صورت جدائی ہو گی۔

۲۔ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ: دوسری صورت یہ ہے کہ تمہیں کچھ مال دے کر شائستہ طور پر رخصت کروں۔ یہ حق مہر کے طور پر نہ ہو گا چونکہ حق مہر تو آپؐ نے پہلے ہی سب ازواج کا ادا کر دیا تھا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ ...[2] — اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کی ہیں جن کے مہر آپ نے دے دیے ہیں۔

بلکہ کچھ مال مطلقہ کو دیا جاتا ہے تا کہ دو طلاق کے بعد عدت کے ایام گزار سکے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ○[3] — اور مطلقہ عورتوں کو دستور کے مطابق کچھ خرچہ دینا، یہ متقی لوگوں کی ذمے داری ہے۔

۳۔ سَرَاحًا جَمِیْلًا: سے مراد بغیر کسی نزاع کے شائستہ طریقے سے طلاق دینا ہے۔

۴۔ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: ازواج کو اختیار دیا جا رہا ہے کہ اگر تم اللہ، رسول اور آخرت کی خواہاں ہو تو اسی زندگی پر قناعت کر کے رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں رہو۔

۵۔ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ: اگر رسول ﷺ کی زوجیت میں ہو تو پھر تمہیں نیکی کرنا ہو گی۔ اللہ کے پاس اجر عظیم صرف محسنات کے لیے ہے۔ اس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ زوجیت رسول ﷺ میں رہ کر اگر محسنات میں شامل ہوئیں تو اجر عظیم ملے گا۔

---

[1] البحر المحیط ۸: ۴۷۱ [2] ۳۳ احزاب: ۵۰ [3] ۲ بقرۃ: ۲۴۱

اہم نکات

۱۔ اسلامی قیادت کو خاندانی دباؤ سے آزاد ہونا چاہیے: قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ....

۲۔ اسلامی قیادت سے وابستہ افراد کو عامۃ المسلمین کی سطح زندگی سے زیادہ بہتر زندگی نہیں ملنی چاہیے۔

۳۔ زوجہ کو انتخاب زندگی میں آزاد چھوڑنا چاہیے: اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا ....

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰

۳۰۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح بے حیائی کی مرتکب ہو جائے اسے دگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔

تفسیر آیات

خطاب براہ راست ازواج سے ہے چونکہ یہ مقام تنبیہ کا ہے۔ اگر ازواج میں سے کوئی ایسا گناہ کبیرہ بجا لائے جیسے نبی کو اذیت دینا، کسی پر ناجائز بہتان لگانا، حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرنا وغیرہ اور ساتھ یہ گناہ کبیرہ مُّبَيِّنَةٍ آشکار طریقہ سے بجا لائے تو اس زوجہ کو دوگنا عذاب ہو گا۔ ایک عذاب اللہ کی نافرمانی کرنے کا اور دوسرا عذاب خانۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رہ کر آشکارا گناہ کا ارتکاب کرنے کا، جس سے دوسرے لوگوں میں گناہ کرنے کی جرات آئے گی کہ جب خانۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فرد ایسے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ بھی علاناً تو دوسرے لوگوں سے گناہ سرزد ہونا عام ہو جائے گا۔ اگر یہ گناہ مبینہ (آشکار) طور پر نہ ہو تو عذاب دوگنا نہ ہو گا۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا: رسول کی زوجہ ہونے کی وجہ سے عذاب سے نہیں بچے گی۔

اہم نکات

۱۔ اعلانیہ گناہ کا اثر زیادہ ہوتا ہے: بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ....

۲۔ عمل کے اثر کے مطابق جزا و سزا مرتب ہوتی ہے: يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ....

الجزء ۲۲

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا

۳۱۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل انجام دے گی اسے ہم اس کا دگنا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے

مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ اس کے لیے عزت کا رزق مہیا کر رکھا ہے۔

تشریح کلمات

يَّقْنُتْ : (ق ن ت) القنوت: اطاعت کرنا۔

تفسیر آیات

۱۔ازواج میں سے کوئی زوجہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کر کے عمل صالح بجا لائے تو اس زوجہ کو دو گنا ثواب ملے گا۔ ایک عمل صالح کا ثواب اور دوسرا لوگوں پر اچھا اثر چھوڑنے کا ثواب ہے کہ جس گھر سے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی دعوت ہوتی ہے اس گھر کے افراد سے عملی دعوت ہونا بہت مؤثر ہوتا ہے۔

۲۔ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا: رزق کریم سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔

اہم نکات

۱۔ زوجہ رسول ہونا کافی نہیں، عمل صالح ضروری ہے: وَ تَعْمَلْ صَالِحًا ....

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ رکھتی ہو تو نرم لہجے میں باتیں نہ کرنا، کہیں وہ شخص لالچ میں نہ پڑ جائے جس کے دل میں بیماری ہے اور معمول کے مطابق باتیں کیا کرو۔

تفسیر آیات

۱۔ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کی سیرت و کردار کے اثرات دیگر خواتین کی طرح نہیں ہیں۔ ازواج کی سیرت دیگر خواتین کے لیے نمونۂ عمل ثابت ہوتی ہے جب کہ دیگر خواتین کی سیرت و کردار ان کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے لیے ثواب و گناہ بھی دوگنا ہوتا ہے۔

۲۔ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ: اگر تقویٰ اختیار کیا گیا تو ازواج، امت کی دیگر خواتین کی طرح نہیں ہیں۔ ان کا مرتبہ بلند ہے۔ ان کے تقویٰ کے اثرات زیادہ ہیں۔ اگر تقویٰ اختیار نہ کیا جائے تو یہ امتیاز حاصل نہ ہوگا۔

۳۔ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ: دیگر خواتین کی طرح نہ ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ اس طرح نرمی اور ناز کے ساتھ بات نہ کرو۔ کمزور ایمان لوگوں کے دلوں میں بری خواہش نہ آئے۔ یہ حکم دیگر خواتین کے لیے بھی ہے تاہم ازواج رسول کے لیے مزید تاکید کے ساتھ ہے۔

۴۔ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا: لوگوں سے اسلامی اور معاشرتی عرف کے مطابق بات کرو۔ انداز گفتگو میں اس قدر شیرینی نہ ہو کہ مغلوب شہوت مرد کی توقعات اور جذبات برانگیختہ ہو جائیں۔ اس سے ایسی شعری ونثری گفتگو عورتوں پر حرام ہے جس سے سننے والے مردوں کے جذبات بیدار ہوتے ہوں۔

اہم نکات

۱۔ نامحرم مردوں سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
۲۔ کسی فساد میں پڑنے کے لیے پہلے اشارے عورتوں کی طرف سے ملتے ہیں۔
۳۔ اپنی عصمت کے تحفظ کے لیے بنیادی کردار عورت کو ادا کرنا ہے۔

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور اپنے گھروں میں جم کر بیٹھی رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے آپ کو نمایاں کرتی نہ پھرو نیز نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اللہ کا ارادہ بس یہی ہے ہر طرح کی ناپاکی کو اہل بیت! آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

تشریح کلمات

قَرْنَ: (ق ر ر) قرَّ کے معنی کسی جگہ جم کر ٹھہر جانے کے ہیں۔
تَبَرَّجْنَ: (ب ر ج) التبرج ظاہر ہونا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ: اپنے گھروں میں جم کر بیٹھی رہو۔ جناب مودودی کا ترجمہ ہے: اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔ یہ حکم تمام عورتوں کے لیے ہے لیکن خطاب رسولؐ کی ازواج سے ہے چونکہ نفاذ اسلام کی ابتدا اس کے داعی کے گھر سے ہونی چاہیے۔

عورت کا وقار، عزت اور عظمت اس کی عفت میں پوشیدہ ہے اور اسے تحفظ گھر ہی میں ملتا ہے۔ چنانچہ عورتوں کا بیرون خانہ عفت کے منافی سرگرمیوں میں شریک ہونے کا نتیجہ ایک المیہ ہے۔

۲۔ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ: اس آیت کریمہ میں دو لفظوں کے معنی قابل توجہ ہیں: تبرج

اور جاهلیت اولیٰ۔

تبرج برج ظاہر اور نمایاں ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے حسن و جمال، چال ڈھال اور زیب و زینت نمایاں کرے کہ غیر مردوں کی نگاہ پڑ سکے۔

مولانا مودودی اس جگہ لکھتے ہیں:

> عورت کی بیرون خانہ سرگرمیوں کے جواز میں جو بڑی سی بڑی دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جنگ جمل میں حصہ لیا تھا لیکن یہ استدلال جو پیش کرتے ہیں انہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ خود حضرت عائشہؓ کا اپنا خیال اس باب میں کیا تھا؟ عبد اللّٰہ بن احمد بن حنبل نے الزهدين الزهدين، ابن المنذر، ابن ابی شیبہ اور ابن سعد نے اپنی کتابوں میں مسروق کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ جب تلاوت قرآن کرتے ہوئے اس آیت وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ پر پہنچتی تھیں تو بے اختیار رو پڑتی تھیں یہاں تک ان کا دوپٹہ بھیک جاتا تھا کیونکہ اس پر انہیں اپنی غلطی یاد آتی تھی جو ان سے جنگ جمل میں ہوئی۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ نے حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لیے مکہ میں ام المومنین ام سلمہؓ سے اس جنگ میں ساتھ دینے کے لیے کہا تو ام سلمہؓ نے کہا:

قد جمع القرآن ذيلك فلا تندحيه۔[1] قرآن نے تمہارا دامن سمیٹا ہے تو اسے مت پھیلاؤ۔

۲۔ اَلْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى: اسلام آنے سے پہلے زمان جاہلیت کی عورتوں کی طرح نہ نکلو چونکہ جاہلیت میں بے پردگی کے ساتھ بے عفتی عام تھی۔ جاہلیت سے مراد وہ جاہلیت ہے جو اسلام آنے سے پہلے تھی اور اسلام آنے کے بعد جاہلیت پر عمل کرنے والے جاہلیت ثانیہ کے مرتکب ہوں گے۔ چنانچہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

ستكون جاهلية اخرى۔۔۔[2] دوسری جاہلیت آنے والی ہے۔

آج ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ دوسری جاہلیت شروع ہو چکی ہے بلکہ اپنی جاہلیت کو پیش کرنے کے لیے جو وسائل و ذرائع آج کل کی دوسری جاہلیت کے پاس ہیں وہ جاہلیت اولیٰ کے پاس نہ تھے۔

۳۔ وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ: اگرچہ نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم عام مسلمانوں کے لیے بھی ہے تاہم ازواج رسول کے لیے ان کے مراتب اور رسالت سے قربت کی وجہ سے زیادہ تاکید کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا:

---

[1] بلاغات النسآ ص ۱۵ [2] بحار الانوار: ۲۲: ۱۸۹

اس آیہ شریفہ میں سب سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت کریں گے کہ یہاں اہل بیت علیہم السلام سے مراد کون ہیں:

اَھۡلَ: پہلے ہم قرآنی استعمالات کا ذکر کرتے ہیں کہ لفظ اھل کن معنوں میں استعمال ہوا ہے:

i۔ زوجہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں فرمایا: وَسَارَ بِاَھۡلِہٖۤ ....[1] یہاں اہل سے مراد زوجۂ موسیٰ علیہ السلام ہے۔ قَالَتۡ مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَھۡلِکَ سُوۡٓءًا ....[2] یہاں اہل سے مراد عزیز مصر کی زوجہ ہے۔

ii۔ خاندان: جس میں اولاد و ازواج دونوں شامل ہیں۔ چنانچہ فرمایا: اِلَّا مُنَجُّوۡکَ وَ اَھۡلَکَ اِلَّا امۡرَاَتَکَ کَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ۔[3]

iii۔ قریبی رشتہ دار اور قبیلہ کے افراد: اس معنی میں فرمایا: وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِھِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَھۡلِہٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَھۡلِھَا ....[4] وَ شَھِدَ شَاھِدٌ مِّنۡ اَھۡلِھَا[5] پہلی آیت میں اہل سے مراد زن و شوہر کے رشتہ دار ہیں۔ دوسری آیت میں عزیز مصر کے رشتہ دار ہیں۔ کہتے ہیں جس نے یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی تھی وہ عزیز مصر کا بھانجا یا چچازاد بھائی تھا۔

iv۔ اولاد: جیسا کہ ارشاد ہے: فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ فَکَشَفۡنَا مَا بِہٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّ اٰتَیۡنٰہُ اَھۡلَہٗ وَ مِثۡلَھُمۡ مَّعَھُمۡ ....[6] یہاں اہل سے مراد اولاد ہے۔ چنانچہ ایوب علیہ السلام کو دوگنی اولاد دی گئی۔

v۔ صاحب عمل: کسی عمل کے انجام دینے والے کو بھی اہل کہتے ہیں۔ جیسے اھل الکتاب، اہل علم: وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھۡلِہٖ ....[7]

بیت: عربی محاورے میں انسان جس چیز کی پناہ میں ہوتا ہے اسے بیت کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حسب و نسب کو بیوت کہتے ہیں اور بیوتات العرب کہہ کر انساب مراد لیتے ہیں۔[8]

لسان العرب میں آیا ہے:

بیت العرب شرفھا۔　　بیت العرب سے شرف العرب مراد لیتے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

البیت من بیوتات العرب الذی یضم شرف القبیلۃ کآل حصن الفزاریین۔　　عرب بیوتات کا محاورہ قبائلی شرافت کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔

ان استعمالات سے یہ بات سامنے آگئی کہ لفظ اَھۡلَ کے مطلق استعمال سے معنی و مطلب کا تعین نہیں ہوتا۔ جب یہ لفظ بیت کی طرف اضافہ ہوگا اھل البیت تو گھر کے اندر رہنے والے سب افراد شامل

---

[1] ۲۸ قصص: ۲۹　[2] ۱۲ یوسف: ۲۵　[3] ۲۹ العنکبوت: ۳۳　[4] ۳۵ النساء: ۳۵　[5] ۱۲ یوسف: ۲۶
[6] ۲۱ انبیاء: ۸۴　[7] ۳۵ فاطر: ۴۳　[8] مجمع البیان ذیل آیہ

ہوں گے خواہ وہ اس گھر کے نوکر ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا لفظ اھل کے دائرہ استعمال کی وسعت کے پیش نظر ہر استعمال کے ساتھ ایک قرینہ ہوتا ہے جس سے اس کے اطلاق کی تقیید ہو جاتی ہے۔

یہ طریقہ درست نہیں ہے کہ معنی کے تعین کے لیے ان استعمالات میں سے ایک استعمال کو پیش کیا جائے۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ قرآن میں ایک دو جگہ اھل سے مراد زوجہ لی گئی ہے لہٰذا یہاں بھی زوجات ہی مراد ہیں، جیسا کہ بعض اہل قلم ایسا کرتے ہیں۔ اس طرز استدلال کا لازمہ یہ ہوگا کہ اگر ایک دو جگہ اہل کا لفظ زوجہ کے لیے استعمال ہوا ہے، ہر جگہ اس لفظ سے زوجہ ہی مراد ہو، اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔

اَھْلَ الْبَیْتِ کون ہیں؟: قرآن میں ایک تعبیر مختلف معانی میں استعمال ہوتی ہے تو ان معانی میں سے ایک معنی کے تعیّن کے لیے ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں گے جن کے قلب پر قرآن نازل ہوا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسی آیت کی کوئی تشریح نہ آئی ہو تو ہم سیاق و سباق و دیگر علامات کی طرف رجوع کریں گے۔

واضح رہے قرآن کی تفسیر و تشریح کے لیے سیاق و سباق پر سنت رسول ﷺ مقدم ہے چونکہ سیاق و سباق سے مطلب ظاہراً اور سنت رسولؐ سے صراحتاً سمجھا جاتا ہے۔ فتقدم السنة علی السیاق تقدم النص علی الظھور۔

نیز اگر قرآن، سنت نبوی کے بغیر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بقول بعضے قرآن اس کشتی کی مانند ہو کر رہ جائے گا جس کا ناخدا نہ ہو۔

ہم نے بہت سے مقتدر مفسرین کو دیکھا ہے کہ وہ ایک ضعیف ترین روایت کی وجہ سے قرآن کی صریح نص کے خلاف جاتے ہیں۔ ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں: سورۂ انعام کی ان آیات کو پڑھیے:

وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَھُمْ یَنْھَوْنَ عَنْهُ وَیَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ یُّھْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝[1]

اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں پھر بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ یہ (کافر) آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں، کفار کہتے ہیں: یہ تو بس قصہ ہائے پارینہ ہیں۔ اور یہ (لوگوں کو) اس سے روکتے ہیں اور (خود بھی) ان سے دور رہتے ہیں اور وہ صرف اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں مگر اس کا شعور نہیں رکھتے۔

ان آیات میں وَھُمْ یَنْھَوْنَ عَنْهُ میں وَھُمْ کی ضمیر صریحاً ان مشرکین کی طرف ہے جو رسول اللہ ﷺ سے جھگڑتے ہیں لیکن بعض مفسرین اس ضمیر کو اس شخصیت کی طرف لوٹاتے ہیں جس نے رسول ﷺ

---

[1] ۶ انعام: ۲۵۔ ۲۶

کی حمایت کی ہے۔ یعنی قرآن کی اس صراحت کے خلاف بعض مفسر حضرات یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ وَهُمْ سے مراد حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں جب کہ وَهُمْ کی ضمیر اس چیز کی طرف جاتی ہے جو اس سے پہلے لفظاً یا حکماً مذکور ہو۔ اس سے پہلے مشرکین کا لفظ مذکور ہے۔ ان کی طرف ضمیر کا جانا نص صریح ہے۔ اس کے باوجود ایک مجہول راوی حبیب بن ابی ثابت اور دیگر صحیح روایات کے ساتھ متصادم روایت کی بنا پر قرآن کی اس صراحت کے خلاف جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ قرآن کی نص صریح کے خلاف کسی روایت کو قرآن کے ساتھ متصادم تصور کیا جائے گا اور اس روایت کو رد کیا جائے گا۔

اگر کوئی روایت نص کے نہیں، ظاہر قرآن کے خلاف ہے تو اس صورت میں اگر اس ظہور کے خلاف سنت ثابتہ موجود ہے تو ہم قرآن کے سیاق و سباق اور دیگر ظہور سے ہاتھ اٹھائیں گے لیکن روایت ضعیف ہونے کی صورت میں ہم قرآنی ظہور کے خلاف نہیں جائیں گے۔

آیۂ تطہیر میں تین باتیں ہمارے پیش نظر ہیں: ایک یہ کہ اَهْلَ کے معانی میں سے ایک معنی کے تعین کے لیے سنت ثابتہ پر مشتمل دلیل کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ دوسری یہ کہ آیت میں سیاق و سباق اگر ہے تو اس بارے میں سنت ثابتہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا کہ کیا سنت ثابتہ سیاق کے مطابق ہے یا نہیں۔ تیسری بات خود سیاق کے بارے میں بحث ہوگی۔

ہم اَهْلَ الْبَيْتِ میں معنی مقصود کے تعین کے لیے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حدیث چونکہ مفسر قرآن ہے تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ملے گی کہ اہل البیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی علیہ السلام، فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حسن و حسین علیہما السلام ہیں۔ اس حدیث کو اہل سنت نے چالیس طرق سے اور شیعہ نے کم سے کم تیس طرق سے روایت کیا ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا تو اس پر اجماع ہے۔ یہاں ہم چند ایک طرق کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

i۔ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں: یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی، فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام کو بلایا اور ان پر کساء ڈال دی پھر فرمایا:

اللھم ھؤلاء اھل بیتی۔　　اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت۔

حضرت ام سلمہؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں بھی اہل البیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا:

انك علی خیر انك من ازواج النبی۔　　تم خیر پر ہو تم ازواج نبی میں ہو۔

اس مضمون کی حدیث مختلف لفظوں میں درج ذیل نو شخصیات نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے:

الف۔ عطا بن یسار۔ ملاحظہ ہو المستدرك۔

ب۔ شہرب بن حوشب۔ ملاحظہ ہو المعجم الکبیر، تفسیر طبری ذیل آیہ۔

ج۔ ابوسعید خدری۔ دیکھیے تفسیر طبری، مشکل الآثار۔

د۔ ابوھریرۃ۔ رجوع ہو: تفسیر طبری۔

ھ۔ ابو لیلیٰ ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبل حدیث ۲۶۵۵۱۔

و۔ حکیم بن سعد۔ ملاحظہ ہو المعجم الکبیر ۲۳: ۳۲۷

ز۔ عبد اللّٰہ بن وھب ابن زمعہ ملاحظہ ہو تفسیر طبری ذیل آیہ۔

ک۔ عمرۃ الھمدانیۃ۔ ملاحظہ ہو مشکل الآثار۔

ل۔ والد عطیہ طفاوی۔ ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبل ۶: ۳۰۴۔

ii۔سعد بن ابی وقاص ۔ ان کی روایت ملاحظہ ہو سنن نسائی ۵: ۱۰۷۔ مستدرك ۲: ۱۱۷ حدیث نمبر ۴۵۷۵

iii۔حضرت ام المومنین عائشہؓ۔ ان کی روایت ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ذیل آیہ۔

iv۔ عمر بن ابی سلمہ۔ ملاحظہ ہو سنن ترمذی۔

v۔ ابو سعید خدری۔ ان کی روایت میں نہایت صراحت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ھذہ الایۃ فی خمسۃ فیّ و وفی علی و حسن و حسین و فاطمہ۔ یہ آیت پنجتن کی شان میں ہے۔ یعنی میرے اور علی اور حسن و حسین وفاطمہ کی شان میں ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ذیل آیہ۔ تفسیر ابن ابی حاتم ذیل آیت۔

vi۔عبد اللہ بن عباس۔ ان کی روایت ملاحظہ ہو سنن نسائی ۵: ۱۱۲ حدیث ۸۴۰۹

vii۔الامام حسن علیہ السلام۔آپؑ نے فرمایا:

ہم وہ اہل بیت ہیں جن کی شان میں اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ ....۔ نازل ہوئی۔

ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ذیل آیہ۔ المعجم الکبیر طبرانی ۳: ۹۳۔

viii۔امام حسینؑ۔آپؑ نے ایک شامی سے فرمایا:

کیا تو نے سورۂ احزاب میں اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ پڑھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ کیا وہ آپ لوگ ہیں؟ فرمایا: ہاں۔

ix۔واثلہ بن اسقع۔ ملاحظہ ہو مصنف ابی شیبہ حدیث ۳۲۱۰۳۔ مسند احمد بن حنبل ۴: ۱۰۷

x۔ عبداللّٰہ بن جعفر۔ ملاحظہ ہو المستدرك ۳: ۱۴۸

xi۔ حضرت براء بن عازب۔ المعجم الکبیر طبرانی ۲۳: ۳۹۶۔ حدیث نمبر ۹۴۷۔ اس روایت میں آیا ہے: ھؤلاء عترتی و اھلی۔

xii۔ ابوالحمرا بلال بن حارث مولی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مسند ابی شیبہ صفحہ ۲۳۲ حدیث ۷۲۰۔۷۲۲

xiii۔ انس بن مالك۔ مسند احمد بن حنبل ۳: ۱۰۹

xiv۔ زینب بنت ام سلمہ۔ المعجم الکبیر طبرانی ۲۴: ۲۸۱۔ حدیث ۷۱۳

xv۔ معقل بن یسار۔ سنن ترمذی باب مناقب اہل بیت۔

مخالف روایتیں: صحیح السند متعدد طرق سے ثابت ہے کہ آیۂ تطہیر پنجتن علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چند ایک متروك السند روایات کا بھی ذکر آتا ہے جو ان صحیح السند روایتوں کے خلاف ہیں۔ ان کا بھی ذکر ضروری ہے:

۱۔ عِکْرمہ: حضرت ابن عباس کا غلام۔ اس بات کا قائل تھا کہ یہ آیت صرف ازواج کی شان میں ہے۔ یہاں تک وہ بازاروں میں اعلان کرتا تھا:

لیس بالذی تذھبون الیه انما ھو نساء النبی۔　　تمہارا نظریہ درست نہیں ہے بلکہ یہ نبی کی ازواج کی شان میں ہے۔

چنانچہ عکرمہ کا اعلان بتاتا ہے کہ اس زمانے میں سب لوگوں کا نظریہ تھا کہ یہ پنجتن علیہم السلام کی شان میں ہے۔

عکرمہ کون ہے؟ یہ حضرت عبد اللہ بن عباس کا غلام اور خارجی تھا اور مغربی عرب میں خارجیت کو اسی نے رواج دیا ہے۔[1] قابل توجہ بات یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، امام مالك اور مصعب الزبیری نے کہا ہے: وہ صفریہ خوارج میں سے تھا۔ اسی نے مغربی عرب میں خوارج کے عقائد پھیلائے[2]۔ خوارج کا فرقہ صفریہ تمام غیر خوارج کو کافر سمجھتا ہے لہٰذا عکرمہ، خارجی المذھب ہونے کے اعتبار سے اہل بیت علیہم السلام کا بدترین دشمن تھا۔

اس نے عبد اللہ بن عباس کا غلام ہونے سے فائدہ اُٹھا کر جھوٹی روایات ان کی طرف منسوب کیں یہاں تک کہ ضرب المثل بن گیا۔ چنانچہ عبد اللّٰہ بن عمر اپنے غلام نافع اور سعید المسیب اپنے غلام برد سے کہتے تھے:

لا تکذب علیَّ کما کذب عکرمة علی بن عباس۔[3]　　میری طرف جھوٹی نسبت نہ دو جس طرح عکرمہ نے ابن عباس کی طرف نسبت دی ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ۷: ۲۶۷　[2] سیر اعلام النبلاء ۳: ۳۶۲۰　[3] تہذیب التہذیب ۷: ۲۶۷

حتیٰ کہ حضرت ابن عباس کے صاحبزادے علی بن عبد اللہ نے عکرمہ کو اصطبل کے دروازے پر باندھ کر رکھا تھا۔ عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں: میں نے کہا: کیا تم اپنے غلام کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو۔ جواب میں کہا: ان ھذا یکذب علی ابی۔ یہ میرے والد کی طرف جھوٹی نسبت دیتا ہے۔[1]

اسی لیے اصحاب رجال نے اسے کذاب، خبیث، قلیل العقل کہا ہے۔ ملاحظہ ہو تھذیب التھذیب ۷: ۲۶۷۔ جب عکرمہ مر گیا تو اس کا جنازہ اٹھانے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ چار کرایے کے لوگوں سے اُٹھوایا گیا۔ ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء صفحہ ۳۴۔

دوسرا راوی مقاتل بن سیلمان ہے۔ اس کے بارے میں اصحاب رجال کے یہ الفاظ ہیں: فاسق فاجر ہے۔ خارجۃ اسے جائز القتل سمجھتے تھے۔ وکیع اسے کذاب کہتے تھے۔[2] نسائی نے اسے مشہور کذابوں میں شمار کیا ہے۔[3]

۲۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ آیۂ تطہیر ازواج کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اس روایت کے راویان میں بعض مجہول ہیں اور بعض کا کتب رجال اور جرح و تعدیل میں کوئی ذکر تک نہیں ہے اور بعض راوی کذاب ہیں۔ اس روایت کے راویان ابا یحییٰ الحمانی اور خصیف کے بارے میں تھذیب التھذیب ۶: ۱۲۰، الکاشف ۱: ۲۸۰ ملاحظہ ہو۔

جب کہ عبد اللہ بن عباس کی صحیح السند روایت میں کہا ہے کہ آیۂ تطہیر پنجتن علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا صحیح السند روایت کے مقابلے میں ان ضعیف اور مجہول الحال و کذاب راویوں کی روایت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۳۔ واثلہ بن اسقع کی روایت: واثلہ کی ایک روایت کے آخر میں یہ جملہ بھی آیا ہے: واثلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: کیا میں بھی اہل بیت میں شامل ہوں؟ تو فرمایا: وانت من اھلی۔ ہاں تو بھی میرے اہل بیت میں سے ہے۔[4]

اولاً تو واثلہ کی وہ روایت ہمارے سامنے ہے جس میں یہ آخری جملہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو المستدرک ۳: ۱۴۷۔ السنن الکبریٰ ۲: ۱۵۲۔ مسند احمد ۴: ۱۰۷ ثانیاً خود واثلہ بن اسقع کی شخصیت ان کی چند ایک دیگر روایات سے سامنے آتی ہے۔

واثلہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الامناء عند اللّٰہ ثلاثۃ: انا و جبرئیل و معاویۃ۔[5]

اللہ کے نزدیک امین تین ہیں: میں، جبرئیل اور معاویہ۔

---

[1] تھذیب التھذیب ۷: ۲۶۸
[2] تھذیب التھذیب ۱۰: ۲۸۰۔۲۸۱
[3] وفیات الاعیان ۷: ۲۶۸
[4] تفسیر طبری ذیل آیہ
[5] اللئالی المصنوعۃ ۱: ۴۱۷

۴۔ ام المومنین ام سلمہؓ کی ایک روایت کے آخر میں آیا ہے: ام سلمہ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ مجھے بھی ان کے ساتھ شامل کیجیے تو رسول اللہؐ نے فرمایا: انك من اهلی تو بھی میرے اہل بیت میں شامل ہے۔[1]

یہ روایت اس کے راویان موسیٰ بن عقوب اور خالد بن مخلد کی وجہ سے قابل اعتنا نہیں ہیں۔ یہ روایت ان صحیح السند روایات کے خلاف ہے جس میں حضرت ام سلمہؓ کو اہل کساء میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ملی تھی لہٰذا قابل توجہ نہیں ہے۔

۵۔ اسید الساعدی کی روایت: اس روایت میں کہا ہے کہ رسول اللہؐ نے ابن عباس اور اپنے اوپر ایک چادر ڈال دی پھر فرمایا:

یارب هذاعمی و صنوابی وهؤلاءاهل بیتی فاسترهم من النار کسترتی ایاهم بملاء تی هذه فامنت اسکفة الباب و حوائط البیت فقال آمین وهی ثلاثا۔[2]	اے مالک! یہ میرے چچا، میرے والد کے بھائی ہیں یہ میرے اہل بیت ہیں ان کو آتش سے ایسے چھپالے جیسا کہ میں نے اپنی چادر سے چھپایا ہے۔ دروازے کی چوکھٹ اور دیواروں نے تین مرتبہ آمین کہا۔

اس روایت کی سند میں واقع رجال میں محمد بن یونس الکدیمی جعلی حدیث بنانے میں ماہر کذاب ہے۔[3]

ایک اور سند سے بھی یہ روایت آئی ہے جس کی سند میں عبد اللہ بن عثمان ہے جس کے بارے میں ماہرین رجال کہتے ہیں: یروی احادیث مشتبهة یہ مشتبہ احادیث بیان کرتا ہے۔[4] دیگر بعض نے اسے منکر الحدیث، بعض نے مجہول کہا ہے۔[5]

سب سے اہم یہ کہ اس قسم کی ضعیف روایتیں ان معنوی تواتر سے ثابت احادیث کے خلاف ہیں جن سے اہل البیت کا تعین ہوتا ہے۔

احاطہ خانہ کے اندر، احاطۂ چادر یا گھر کے اندر گھر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کساء (چادر) کو ایک احاطہ اور چار دیواری کی شکل دینے کے بعد اس میں موجود افراد کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا:

اللّٰهم هؤلاء اهل بیتی۔　　اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت۔

اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قولاً و عملاً اہل بیت کا تعین فرمایا۔

چادر کے احاطے میں لیے بغیر اگر اشارہ فرماتے تو بہت سے لوگ اپنے آپ کو بھی مشار الیہ سمجھنے لگ جاتے کہ ہم بھی تو گھر میں موجود تھے۔ لہٰذا گھر کے اندر ایک گھر بنایا، پھر فرمایا: هولاء اهل بیتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملے سے ہم بھی وہی سمجھیں گے جو ازواج نے سمجھا ہے۔ اگر کساء (چادر) کی احاطہ

---

[1] تفسیر طبری ذیل آیہ　[2] الصواعق المحرقہ: ۱۴۴
[3] دلائل النبوۃ بیہقی ۶: ۷۱　[4] لسان المیزان ۳: ۳۶۸　[5] تہذیب ۵: ۳۷۲

حد بندی نہ ہوتی اور چادر کے باہر موجود افراد بھی اہل بیت میں شامل ہوتے تو یہ افراد چادر کے اندر داخل ہونے کی خواہش نہ کرتے۔ اس خواہش کے جواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا اس سے اہل بیت کا تعین واضح ہو جاتا ہے۔

۱۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا:

انك من ازواج النبی۔[1] تمہارا شمار ازواج نبی میں ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری روایت کے مطابق ام سلمہؓ سے فرمایا:

انت علی مکانك انت علی خیر۔ تم اپنی جگہ رہو۔ تو خیر پر ہے۔

۳۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں عائشہؓ نے کہا:

فدنوت منهم فقلت: یا رسول اللّٰه و انا من اهل بیتك؟ فقال صلی اللّٰه علیه وسلم تنحی فانك علی خیر۔[2]

جب رسول اللہ نے هؤلاء اهل بیتی فرمایا تو میں نزدیک چلی گئی اور عرض کیا: کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہوں؟ حضور نے فرمایا: ایک طرف ہو جا۔ تو خیر پر ہے۔

ازواج کے اہل بیت میں شامل نہ ہونے کے بارے میں جو بات آج کل کے اہل قلم کے لیے مسلم ہے وہ حضرت عائشہؓ کے لیے مسلم نہیں ہے اور سوال کرنے پر حضور نے تنحی ایک طرف ہو جاؤ فرما کر بات واضح فرمائی۔

حضرت زید بن ارقمؓ سے سوال ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کون لوگ ہیں؟ کیا ان سے مراد ان کی ازواج ہیں؟ انہوں نے کہا:

لا، وایم اللّٰه ان المراة تکون مع الرجل العصر من الدهر ثم یطلقها فترجع الی ابیها و قومها، اهل بیته اهله و عصبته الذین حرموا الصدقة بعده۔[3]

نہیں اللہ کی قسم! بیوی تو ایک مدت تک مرد کے ساتھ رہتی ہے، پھر اسے طلاق دی جاتی ہے تو اپنے باپ اور قوم کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔ ان کے اہل بیت ان کے اہل اور قبیلہ کے رشتہ دار ہیں جن پر ان کے بعد صدقہ حرام ہے۔

مسند احمد ۵: ۲۹۲ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: میں نے بھی داخل ہونے کے لیے چادر اٹھائی تو حضور نے چادر میرے ہاتھ سے چھین لی اور فرمایا: انك علی خیر۔

۴۔ اس سے زیادہ صراحت حضرت ام سلمہؓ کی اس خواہش میں ہے۔ فرماتی ہیں:

---

[1] مشکل الآثار ۱: ۳۳۳۔ تفسیر ابن کثیر جامع الاصول ۱۰: ۱۰۰۔ الدرالمنثور ۵: ۱۹۸

[2] تفسیر ابن کثیر ذیل آیت [3] ص حیح مسلم باب فضائل علی

فقلت یا رسول اللّٰہ انا من اھل البیت فقال: ان لك عند اللّٰہ خیراً فوددت انہ قال نعم فکان احب الی مما تطلع الشمس و تغرب۔[1]

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی اہل بیت میں شامل ہوں؟ فرمایا: تیرے لیے اللہ کے ہاں خیر ہے۔ ام سلمہ فرماتی ہیں: میری خواہش تھی کہ آپ ہاں فرما دیں۔ تب یہ بات میرے لیے ہر اس چیز سے بہتر تھی جس پر سورج طلوع اور غروب کرتا ہے۔

حضرت ام سلمہؓ کے اس جملے میں ان لوگوں کا جواب ہے جو انت علی خیر کا یہ مفہوم لیتے ہیں: تم تو ہو ہی خیر پر۔

یہ لوگ کہتے ہیں:

ان میں سے بعض روایات میں جو یہ بات آئی ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو نبی نے اس چادر کے نیچے نہیں لیا جس میں حضورؐ نے ان چاروں اصحاب کو لیا تھا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضورؐ نے ان کو اپنے گھر والوں سے خارج قرار دیا تھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیویاں تو اہل بیت میں شامل تھیں ہی، کیونکہ قرآن نے انہی کو مخاطب کیا تھا لیکن حضورؐ کو اندیشہ ہوا کہ ان دوسرے اصحاب کے متعلق ظاہر قرآن کے لحاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ یہ اہل بیت سے خارج ہیں۔ اس لیے آپؐ نے تصریح کی ضرورت ان کے حق میں محسوس فرمائی، نہ کہ ازواج مطہرات کے حق میں....[2]

۵۔ ان سب سے زیادہ صراحت براء بن عازب کی روایت میں ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا:

ھؤلاء عترتی و اھلی فاذھب عنھم الرجس۔[3]

یہ ہیں میری عترت اور اہل ان سے پلیدی کو دور فرما۔

اس حدیث نے کسی قسم کی تاویل و توجیہ کے لیے گنجائش ختم کر دی چونکہ اہل بیت کو عترت کے ساتھ مربوط کرنے کی صورت میں غیر عترت ان میں شامل نہیں ہیں۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں وہ صراحت موجود ہے جس کے بعد منکر کے علاوہ کسی اور کے لیے توجیہ و تاویل کا کوئی جواز نہیں ہے۔ فرمایا:

نزلت ھذہ الایۃ فی خمسۃ فیَّ و فی علی و حسن و حسین و فاطمہ انما یرید اللّٰہ...[4]

یہ آیت پانچ ہستیوں کی شان میں ہے۔ میری، علی، حسن اور حسین اور فاطمہ کی شان میں ہے۔

۷۔ عبد اللہ بن جعفر کی روایت میں آیا ہے:

---

[1] مشکل الآثار ۱:۲۳۶　[2] تفہیم القرآن

[3] ملاحظہ ہو المعجم الکبیر طبرانی ۲۳: ۳۹۶ حدیث نمبر ۹۴۷۔ کامل ابن عدی ۷: ۳۳۴ راوی نمبر ۱۱۱۶۶۳ھ

[4] تفسیر ابن کثیر ذیل آیت ۔ تفسیر طبری ذیل آیہ۔ الدرالمنثور ۵: ۱۹۸۔ تفسیر ابن ابی حاتم ذیل آیت۔

اللّٰھم ھؤلاء آلی فصل علی محمد وآل محمد۔[1] اے اللہ! یہ میری آل ہیں۔ محمد اور آل محمد پر درود بھیج۔

دو اہم دلائل: آیت تطہیر کے تحت اہل بیت رسول ﷺ میں ازواج کے شامل نہ ہونے پر گزشتہ احادیث کی روشنی میں دو اہم دلائل اور موجود ہیں:

پہلی دلیل: پہلی دلیل احادیث میں موجود وہ جملے ہیں جن میں ازواج کو دور، اپنی جگہ رہنے کا حکم دیا گیا اور صریح لفظوں میں اہل بیت علیہم السلام کا تعین فرمایا۔

پہلا جملہ: تنحیّ ایک طرف ہو جاؤ ہے۔ حافظ ابن کثیر نے امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے:

جب حضورؐ علی اور حضرت فاطمہ، ام سلمہ کے ہاں گھر میں داخل ہونا چاہتے تھے اس موقع پر حضورؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا: قومی فتنحی عن اھل بیتی۔ اٹھو میرے اہل بیت سے ایک طرف ہو جاؤ۔[2]

حضرت عائشہؓ خود روایت کرتی ہیں:

میں قریب گئی اور کہا: اے رسول اللہ! کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہوں؟ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: تنحی فانك علی خیر۔ تم ایک طرف ہو جاؤ۔ تم خیر پر ہو۔[3]

دوسرا جملہ: انتِ من ازواج النبی۔ تیرا شمار ازواج نبی میں ہوتا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ نے حضورؐ سے سوال کیا: کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں؟ جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو ازواج نبی سے ہے۔ یعنی اہل بیت سے نہیں ہے۔[4]

تیسرا جملہ: اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی و خاصتی: اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت اور میرے خاص افراد۔

متعدد مصادر میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے حضرات علی، فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کو کساء کے نیچے بٹھا کر فرمایا: اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت اور میرے خاص افراد۔[5]

چوتھا جملہ: مکانك۔ جہاں ہو، وہیں رہو۔ حضرت ام سلمہؓ کی چند ایک روایات میں یہ جملہ آیا ہے کہ جب ام سلمہؓ نے کساء میں داخل ہونے کی خواہش ظاہر کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مکانك۔ جہاں ہو، وہیں رہو۔ یعنی اہل بیت میں شامل ہونے کی توقع نہ رکھو۔[6]

---

[1] ملاحظہ ہو المستدرك ۲:۱۴۷۔ قال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد۔ [2] تفسیر ابن کثیر ذیل آیت [3] حوالہ سابق
[4] تفسیر ابن کثیر و تفسیر طبری
[5] تفسیر طبری ذیل آیت۔ تفسیر ابن ابی حاتم ذیل آیت [6] تفسیر طبری۔ تفسیر قرطبی

پانچواں جملہ: فوددت انه قال نعم فكان احب الى مما تطلع الشمس وتغرب۔ حضرت ام سلمہؓ کی ایک روایت میں آیا ہے:

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں بھی اہل بیت سے ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان لك عند اللّٰه خيراً۔ تیرے لیے اللہ کے ہاں خیر ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: میری خواہش تھی آپ ہاں فرمائیں۔ تب یہ بات میرے لیے ہر اس چیز سے بہتر تھی جس پر سورج طلوع اور غروب کرتا ہے۔

چھٹا جملہ: هؤلاء عترتی واهلی۔ حضرت براء بن عازب کی روایت میں ہے کہ اصحاب کساء کو کساء میں جمع کرنے کے بعد فرمایا: هؤلاء عترتی واهلی۔ یہ میری عترت اور میرے اہل ہیں۔ ظاہر ہے عترت کی تعبیر کے بعد ازواج کی اہل بیت میں شمولیت کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ حضرت براء بن عازب کی روایت ملاحظہ ہو: المعجم الكبير طبرانی ۲۳: ۳۹۶ حدیث نمبر ۹۴۷ وغیرہ۔

ساتواں جملہ: اللهم هولاء آلی۔ اے اللہ یہ میری آل ہیں۔ یہ روایت حضرت عبد اللّٰہ بن جعفر کی ہے۔ ملاحظہ ہو المستدرك۲: ۱۴۷۔ مؤلف نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ آل محمد کون ہیں اسے سمجھنے کے لیے آل ابراہیم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ چونکہ درود میں آل محمد کو آل ابراہیم کے ساتھ مقرون کیا گیا ہے۔ اللّٰهم صلی علی محمد و آل محمد كما صليت على ابراهيم و على آل ابراهيم۔

آٹھواں جملہ: فجذبه من يدی: رسولؐ نے چادر میرے ہاتھ سے کھینچ لی۔ حضرت ام سلمہؓ کی ایک روایت میں یہ جملہ مذکور ہے۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں:

فرفعت الكساء لا دخل معهم فجذبه من يدی وقال: انك على خير۔[1]	میں نے چادر اٹھائی تاکہ میں بھی ان میں داخل ہو جاؤں لیکن آنحضرت ﷺ نے چادر میرے ہاتھ سے کھینچ لی اور فرمایا تم خیر پر ہو۔

دوسری دلیل: انتہائی قابل توجہ ہے۔ اپنے اہل بیت کے تعین کے لیے ممکنہ تمام اہتمامات کے ساتھ نص صریح قائم فرمانے کے بعد مستقبل بعید پر نگاہ رکھنے والے رسول برحق ﷺ نے اس بات کو مزید راسخ کرنے کے لیے ایک حکمت عملی اختیار فرمائی جو رسول کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھنے والے ہر مسلمان کے لیے لمحہ فکریہ ہے:

ششماہہ دورانیہ: وہ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک مدت تک روزانہ ہر نماز کے وقت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دروازے پر تشریف لے جاتے اور فرماتے:

السلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته اهل البيت! اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔

[1] مسند احمد ۳: ۲۹۲ اور ۳۲۳

۱۔حضرت ابن عباس کہتے ہیں: میں نو ماہ تک رسول اللہؐ کے ساتھ یہ دیکھتا رہا کہ آپؐ ہر نماز کے وقت دروازہ فاطمہ سلام اللہ علیہا پر جا کر اسی آیت کی تلاوت کرتے رہے۔[1]

۲۔ ابوبرزہ راوی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سترہ ماہ تک نماز پڑھتا رہا ہوں۔ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر دروازہ فاطمہ سلام اللہ علیہا پر جا کر السلام علیکم فرماتے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے۔[2]

۳۔ انس بن مالك راوی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھ ماہ تک صبح کی نماز کے وقت باب فاطمہ سلام اللہ علیہا پر جا کر فرماتے رہے: الصلوۃ یا اھل البیت! اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ ....۔[3]

۴۔ ابوالحمراء سے روایت ہے:

حفظت من رسول اللّٰہ ثمانیة اشهر بالمدینة لیس من مرة یخرج الی صلوة الغداة الا اتی علی باب علی فوضع یده علی جبتی الباب ثم قال: الصلوة الصلوة اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا.	مجھے یاد ہے کہ آٹھ ماہ تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہؐ صبح کی نماز کے لیے گھر سے نکلے ہوں اور دروازۂ علی پر نہ آئے ہوں اور دروازے کے چوکھٹوں پر ہاتھ رکھ کر یہ نہ فرمایا ہو: الصلوۃ الصلوۃ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔

بعض دیگر روایات میں یہ مدت سترہ ماہ اور انیس ماہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفاسیر ابن کثیر، طبری ذیل آیہ۔ اسد الغابہ ، مشکل الآثار وغیرہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قائم ان نصوص اور صراحتوں کے بعد اہل بیت علیہم السلام کے تعین میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔

اہل بیت رسولؐ کے مصداق کا تعین

اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعین میں کوئی دشواری درپیش نہیں ہے۔ حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بہت سے مواقع ایسے آئے ہیں جن میں بلا نزاع اہل بیت علیہم السلام کا تعین ہوگیا ہے۔ بعنوان مثال درجہ ذیل مواقع قابل مطالعہ ہیں:

۱۔مباہلہ: تقریباً تمام مفسرین، مورخین اور محدثین نے لکھا ہے کہ مباہلہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہمراہ حضرت علی، حضرت فاطمہ وحسنین علیہم السلام کو لیا اور یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ قرآن مجید میں

---

[1] الدر المنثور ۵:۳۷۸ [2] مجمع الزوائد باب فضل اھل البیت

[3] صحیح الترمذی ۵: ۳۲۸۔ مسند احمد بن حنبل ۲: ۲۰۹۔ المستدرک ۳: ۱۵۸

جہاں بھی ابنآء کے ساتھ نسآء کا ذکر آیا ہے وہاں نسآء سے مراد بیٹیاں ہیں۔ جیسے: وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ....[1]

۲۔ آیت مودت: قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى....[2] اس آیت کے شان نزول میں ابن تیمیۃ تک کو اعتراف ہے کہ الْقُرْبٰى سے مراد علی، فاطمہ اور حسنین علیہم السلام ہیں۔

۳۔ حالت جنابت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے بھی اہل بیت کا تعیّن ہوتا ہے۔ ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الاان مسجدی حرام علی کل احائض من النسآء و کل جنب من الرجال الا علی محمد و اهل بيته علی و فاطمة والحسن والحسين۔[3]	آگاہ رہو! بے شک میری مسجد میں عورتوں میں سے حائض اور مردوں میں سے ہر مجنب شخص کا آنا حرام ہے سوائے محمد اور ان کے اہل بیت علی ، فاطمہ اور حسن و حسین کے۔

۴۔ عترتی اهل بیتی: اهل بیت کے تعین کے لیے ایک اہم دلیل وہ احادیث ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مقامات میں جملۂ اهل البیت کے ساتھ عترتی کا توضیحی لفظ شامل فرمایا۔

سیاق و سباق: گزشتہ صحیح الاسناد احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ آیت صرف اہل بیت علیہم السلام یعنی رسول کریمؐ، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن و حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آیت دوسری آیات سے جدا نازل ہوئی ہے۔

ثانیاً سیاق آیات لفظاً و معناً ایک نہیں ہے۔ چنانچہ ازواج کے لیے جمع مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور آیۃ تطہیر میں جمع مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

معنی میں ایک جیسا لہجہ کلام نہیں ہے بلکہ آیت میں ازواج کے لیے تنبیہ کا لہجہ ہے۔ ازواج سے فرمایا:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى	اپنے گھروں میں ٹک کر کے بیٹھی رہو اور جاہلیت اولیٰ کی طرح اپنے آپ کو نمایاں نہ کرو۔

اہل بیت اطہار علیہم السلام کے لیے تطہیر کا مژدہ، انداز تخاطب میں واضح فرق اہل خرد کے لیے دعوت فکر ہے۔

نیز سیاق سے استدلال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ بات ثابت ہو کہ یہ آیات ایک ساتھ اور ایک مناسبت سے نازل ہوئی ہیں جب کہ گزشتہ صحیح الاسناد روایات سے تو یہ ثابت ہے کہ آیہ تطہیر جدا نازل ہوئی ہے۔

۱۔ چنانچہ ابو المحاسن حنفی اپنی کتاب معتصر المختصر ۲: ۲۶۷ میں آیت تطہیر کے استقلال کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[1] ۱۴ ابراهیم: ۶　[2] ۴۲ شوری: ۲۳　[3] السنن الکبریٰ ۷: ۶۵۔ الغدیر ۳: ۲۱۲

والکلام لخطاب ازواج النبی ثم عند قوله: وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ و قوله تعالی: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ استئناف تشریفاًلاهل البیت و ترفیعاًلمقدارهم الاتری انه جاء علی خطاب المذکر فقال: عَنْكُمُ و لم یقل عنکن فلا حجة لاحد فی ادخال الازواج فی هذه الایة یدل علیه ماروی ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم کان اذا اصبح اتی باب فاطمة فقال: السلام علیکم اهل البیت! اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔

ازواج سے خطاب کا کلام وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ پر ختم ہوگیا اور اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ نیا کلام ہے۔ اس میں اهل البیت کے لیے شرافت اور ان کی قدر و منزلت کی بلندی کی بات ہے۔ چنانچہ یہ بات آپ کے سامنے ہے کہ اس میں مذکر سے خطاب کا طرز آیا اور فرمایا عَنْكُمُ اور عنکنّ نہیں فرمایا۔ لہٰذا ازواج کو اہل بیت میں داخل کرنے کے لیے کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت فاطمہ کے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے: السلام علیکم اهل البیت! اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔

سوال: پھر یہ آیت ازواج کے ذکر کے درمیان کیوں ہے؟

جواب: ہم نے مقدمہ میں ترتیب آیات اور ترتیب نزول کے بارے میں لکھا ہے اس کا یہاں دوبارہ ذکر دیتے ہیں:

یہ بات ایک واضح حقیقت ہے کہ موجودہ قرآن میں آیات جس ترتیب سے درج ہیں وہ ترتیب نزولی کے مطابق نہیں کیونکہ:

ترتیب نزولی، وقت نزول کے تقاضوں کے مطابق ہے اور ترتیب قرآن، نظام قرآن کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

اس کی وضاحت کے سلسلے میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ شروع میں شوہر کی وفات کی صورت میں عورت کے لیے ایک سال کی عدت واجب تھی اور پورا سال شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہ تھا نیز عورت کو شوہر سے میراث میں صرف ایک سال کا خرچہ ہی ملتا تھا۔ اس کا حکم اس طرح نازل ہوا:

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ

اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ...۔[1]

جائیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کے بارے میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انہیں (نان ونفقہ سے) بہرہ مند رکھا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔

مذکورہ بالا آیت کا حکم اسی سورہ کی اس سے پیشتر آنے والی ایک آیت کے ذریعے منسوخ ہو گیا جس میں ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ...۔[2]

اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔

یہاں ترتیب نزولی کے مطابق پہلی آیت بعد میں نازل ہوئی کیونکہ یہ ناسخ ہے مگر قرآنی ترتیب میں ناسخ کا ذکر پہلے اور منسوخ کا ذکر بعد میں ہے۔

۲۔ ابن عباس، سدی، جبائی اور بلخی کے مطابق آیہ: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ...۔[3] کے بعد کوئی فرض حکم نازل نہیں ہوا اور حضرت محمد باقر اور حضرت جعفر صادق علیہما السلام سے بھی یہی منقول ہے۔ چنانچہ سدی کے الفاظ یہ ہیں:

لم ینزل بعدھا حلال و لا حرام۔[4]　اس آیت کے بعد حلال وحرام کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

حالانکہ اب یہ آیت سورہ مائدہ میں درج ہے اور اس کے بعد بے شمار آیات احکام موجود ہیں۔

۳۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ...۔[5] صلح حدیبیہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کے لیے حج کرنا ممکن ہوا۔ جب کہ یہ آیت سورۂ بقرہ میں درج ہے جو کہ مدینے میں نازل ہونے والا سب سے پہلا سورہ ہے۔

۴۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ۔ بقولے سب سے آخر میں اتری ہے اور اگر سب سے آخر میں نہیں تو اواخر میں یقیناً ہے۔ جب کہ اب یہ آیت سورہ بقرہ کی ۲۸۱ ویں آیت ہے۔

لہٰذا موجودہ نظام قرآن کے بارے میں سنت ثابتہ کی طرف سے آنے والی وضاحت ہی حجت ہے۔ اس کی موجودگی میں سیاق کا انعقاد نہیں ہوتا۔

سیاق و سنت ثابتہ: ہم اگر یہ فرض بھی کرلیں کہ یہ آیات ایک ساتھ ایک ہی مناسبت میں اور ایک ہی جگہ نازل ہوئی ہیں تو اگر سنت ثابتہ قرآن کے سیاق کے مطابق نہ ہو تو اس صورت میں سنت ثابتہ سیاق پر مقدم ہے چونکہ سیاق سے تو بظاہر معنی سمجھا جاتا ہے جب کہ سنت ثابتہ سے صراحت کے ساتھ سمجھا جاتا

---

[1] ۲ بقرہ: ۲۴۰　[2] ۲ بقرہ: ۲۳۴　[3] ۵ مائدہ: ۳　[4] سیوطی الدرالمنثور ۲: ۲۵۹　[5] ۲ بقرہ: ۱۵۸

ہے اور ظاہر پر صراحت مقدم ہے۔ چنانچہ ہم نے پہلے بھی اس کا ذکر کیا ہے: فتقدم السنه علی السیاق تقدم النص علی الظهور۔ چونکہ سنت مفسر کتاب اور مبین رموز قرآن ہے لہٰذا سنت بعنوان مفسر و مبین، ظہور پر مقدم ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ قرآن کے ظہور سے ہم نے جو کچھ سمجھا ہے ہماری سمجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم مقدم ہے۔ ورنہ اگر سنت سے ہٹ کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس صورت قرآن اس کشتی کے مانند ہو کر رہ جائے گا جس کا ناخدا نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر قرآن کو سنت ثابتہ کی روشنی میں سمجھنے کو گوارا نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنی سمجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سمجھ پر مقدم کیا ہے۔ فافهم ذلك۔

ہمارا فہم مقدم ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا؟: سیاق سے جو ظاہری معنی سمجھ میں آتا ہے وہ ہماری سمجھ ہے اور آیت کی تشریح جو سنت ثابتہ میں موجود ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فہم ہے۔ کوئی مسلمان اس بات کی جرأت نہیں کرے گا کہ رسولؐ کے فہم پر اپنے فہم کو مقدم قرار دے۔ نہ ہی کوئی مسلمان احادیث رسولؐ کو نظر انداز کر سکے گا۔ لہٰذا اهل البیت کی تشریح جو رسول اللہؐ نے فرمائی ہے اسے تسلیم کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ البتہ ناصبی ان احادیث کو تسلیم نہیں کرے گا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اٹل فیصلہ ہے: مؤمن علی سے بغض نہیں رکھے گا اور منافق علی سے محبت نہیں کرے گا۔

واضح رہے جنہیں عصر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منافق کہتے تھے، انہیں عصر علی علیہ السلام میں خوارج اور ہمارے زمانے میں ناصبی کہتے ہیں۔

ذوق سلیم۔ فہم سلیم: ایسے علماء کی بھی کمی نہیں جن کا فہم و ذوق کسی قسم کے تعصب کی وجہ سے مجروح نہ ہوا۔ چنانچہ اہل سنت کے قدیم اور متاخرین جلیل القدر علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اہل بیت سے مراد کون ہیں۔ ہم ذیل صرف چند ایک علمائے سلف کی تصریحات پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔ ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ ھ کہتے ہیں:

ان المرادین بمافیهاهم رسول صلی اللّٰه علیه وسلم و علی و فاطمه و حسن و حسین دون من سواهم۔[1]

اس آیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن اور حسین ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی مراد نہیں ہے۔

۲۔ ابوبکر نقاش متوفی ۳۵۱ ھ آیت تطہیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

اجمع اکثر اهل التفسیر انها نزلت فی علی و فاطمة و الحسن و الحسین صلوات اللّٰه علیهم۔[2]

اکثر اہل تفسیر کا اجماع ہے کہ یہ آیت علی، فاطمہ، حسن اور حسین صلوات اللہ علیہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

---

[1] مشکل الآثار ۲: ۲۶۹ حدیث نمبر ۶۵۵ کے ذیل میں۔ [2] مقریزی فضل آل البیت صفحہ ۷۵

۳۔ ابوبکر شافعی متوفی ۳۵۴ھ اپنی کتاب الفوائد میں لکھتے ہیں:

و اهل البيت رسول الله صلى الله عليه وسلم و علي و فاطمه و الحسن و الحسين۔[1]

اور اهل بیت، رسول صلی اللہ علیہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن اور حسین ہیں۔

۴۔ اجری بغدادی متوفی ۳۶۰ھ کتاب الشریعۃ ۴: ۷۴ میں تصریح کرتے ہیں:

وهم علي و فاطمة والحسن و الحسين رضى الله عنهم۔

اور وہ علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔

۵۔ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ آیت تطہیر کے شان نزول کے بارے میں بعض احادیث جو مسلم اور بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہیں، نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

انّما خرجته ليعلم المستفيد ان اهل البيت والآل جميعاً هم۔[2]

میں نے ان احادیث کو اس کے لیے بیان کیا تا کہ ان سے استفادہ کرنے والا یہ جان لے کہ اہل بیت اور آل صرف یہی لوگ ہیں۔

۶۔ ابن عساکر دمشقی شافعی متوفی ۵۷۱ھ اپنی کتاب الاربعین فی مناقب امهات المؤمنین میں پنجتن علیہم السلام کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

و الاية نزلت خاصة فی هؤلاء المذكورين والله اعلم۔

یہ آیت صرف مذکورہ ہستیوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۔ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تاریخ الاسلام ۱: ۳۷۲ میں لکھتے ہیں:

وفی فاطمة و زوجها و بنيها نزلت انما اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا فجلّلهم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: اللهم هؤلاء اهل بيتی۔

آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا صرف فاطمہ، ان کے شوہر نامدار، اور ان کے دو بیٹوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم نے ان ہستیوں چادر ڈالی اور فرمایا ہے: بارالٰہا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

۸۔ نظام الدین نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ اپنی کتاب غرائب القرآن میں تصریح کرتے ہیں: آیت مباہلہ و آیت تطہیر علی، فاطمہ اور حسنین کی شان میں نازل ہوئی۔

۱۔ علامہ الشیخ حسن بن علی السقاف، البانی کی اس بات کے جواب میں کہ شیعہ کا اس

---

[1] الفوائد الغیلانیات ۳: ۲۶۴ حدیث ۲۵۹　　[2] المستدرک ۳: ۱۴۸

آیت کو علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کے ساتھ تخصیص کرنا اور ازدواج کو خارج سمجھنا ان کی طرف سے ان آیات کی تحریف ہے۔ لکھتے ہیں:

> البانی کی یہ بات سنت رسولؐ کو رد کرنے کے لیے اٹھائے جانے والے شبہات اور کج روی میں سے ہے۔ اھل البیت کی تشریح میں موجود سنت رسولؐ کی رد کے لیے وہ قاری کو یہ دھوکہ دینا چاہتا ہے جو اھل کساء کو ہی اھل البیت مانتا ہے وہ شیعہ ہے۔ جب کہ حق یہ ہے کہ تمام اہل سنت اسی بات کے قائل ہیں۔ ان سے پہلے خود رسولؐ جو لاینطق عن الھوی ہیں اسی بات کے قائل ہیں لیکن ناصبیت نے البانی کے لیے رد حدیث کو سجایا ہے۔[1]

معجم الفاظ القرآن الکریم۔ مجمع اللغة العربیه کی طرف سے ترتیب دی گئی اس کتاب کے جلد اول صفحہ ۱۳۸ میں البیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اھل بیت الرجل اسرته و اطلق فی القران اھل البیت علی اسرة ابراھیم و تعورف فی الاستعمال اھل البیت لآل المصطفیٰ صلی اللّٰه علیه و سلم۔	انسان کے اہل بیت کے معنی انسان، اس کا خاندان ہے اور قرآن میں اہل بیت کا لفظ حضرت ابراہیم کے خاندان کے لیے استعمال ہوا ہے اور آل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اہل بیت کا استعمال متعارف ہے۔

علامہ ابوبکر حضرمی رشفة الصادی الباب الاول میں لکھتے ہیں:

والذی قال به الجماھیر وقطع به اکابر الائمة وقامت به البراھین و تظافرت به الادلة ان اھل البیت المرادین فی الایة ھم سیدنا علی و فاطمة و ابناھما و ما تخصیصھم بذلك منه صلی اللّٰه علیه و سلم الا عن امر۔	جس بات کا جمہور قائل ہے اور اکابر ائمہ نے جس پر یقین کیا ہے اور جس بات پر براہین قائم ہیں اور دلائل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے اھل البیت سے مراد سیدنا علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم خاص سے ہی ان کو مخصوص کیا ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

> مؤلف روح البیان نے جو کہا ہے کہ اہل بیت سے صرف پنجتن مراد لینا شیعہ نظریہ ہے، صرف زور گوئی ہے چونکہ کتب احادیث اور کتب اہل سنت میں جو کچھ ہے وہ چشم بینا رکھنے والوں کے لیے کافی ہے۔

---

[1] صحیح شرح العقیدة الطحاوی: ۶۵۵

علامہ شوکانی ان لوگوں کی رد میں لکھتے ہیں جو کہتے ہیں یہ آیت ازواج کے بارے میں ہے:

ویجاب عن هذا بانه و رد بالدلیل الصحیح انها نزلت فی علی و فاطمه و الحسنین۔[1]

اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ صحیح دلیل وارد ہے کہ یہ آیت علی، فاطمہ اور حسنین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

علامہ سمہودی جواہر العقدین باب اول میں لکھتے ہیں:

وهولاءهم اهل الکساء فهم المرادین من الایتین الباهلة والتطهیر۔

ان سے مراد اہل کساء ہیں اور آیہ مباہلہ و آیہ تطہیر سے یہی حضرات مراد ہیں۔

علامہ ابو منصور ابن عساکر اپنی کتاب الاربعین فی مناقب امهات المؤمنین میں ام سلمہؓ کی روایت کے بعد لکھتے ہیں

اهل البیت سے مراد رسول اللہ علی فاطمہ حسن اور حسین ہیں۔

علامہ سید محمد حبسوس شرح الشمائل میں حدیث کے ذکر کے بعد اہل کساء کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفی ذلك اشارة الی انهم المراد باهل البیت فی الآیة۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہی ہستیاں ہی اہل البیت سے مراد ہیں۔

جناب توفیق ابو علم نے اپنی کتاب اہل البیت میں عبدالعزیز بخاری کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد اوضحنا بما لا مزید علیه ان المقصود من اهل البیت هم العترة الطاهرة لا الازواج۔

ہم نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ مزید کی ضرورت نہیں ہے کہ اَهْلَ الْبَيْتِ سے مراد عترت طاہرین ہیں، نہ کہ ازواج۔

علامہ ابن الجوزی اس بات کا جواب دیتے ہیں کہ اس آیت میں مذکر کا صیغہ کیسے استعمال ہوا؟:

اول یہ کہ اہل البیت علیہم السلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامل ہیں لہٰذا تغلیباً مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت علی، حسن و حسین علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔[2]

طحاوی حضرت ام سلمہؓ سے حدیث کساء کی متعدد روایات ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

ان روایات میں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ حضرت ام سلمہ سے فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام سلمہ اس آیت میں شامل نہیں ہیں اور اس سے مراد رسول اللہؐ، علی، فاطمہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں، نہ کہ دوسرے۔[3]

---

[1] ارشاد الفحول البحث الثامن من المقصد الثالث　[2] زاد المسیر ۶: ۳۸۱
[3] تحفة الاخیار بترتیب شرح مشکل آلاثار ۸: ۴۷۶

ابوالمحاسن علامہ یوسف بن موسی الحنفی صحیح شرح العقیدہ الطحاویۃ صفحہ ۶۵۵ میں فرماتے ہیں:

ازواج کے لیے خطاب وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ پر ختم ہو گیا اور اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ سے نئے سرے سے خطاب، اھل البیت کے لیے دستور بیان کرنے، ان کی شان کی بلندی کا ذکر کرنے کے لیے ہے۔ اسی لیے جمع مذکر کا صیغہ استعمال ہوا اور عنکم فرمایا عنکن نہیں فرمایا۔ لہٰذا ازواج کو داخل کرنے کے لیے کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ازواج کے داخل نہ ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت فاطمہ علیہا السلام کے دروازے پر جا کر السلام علیکم اھل البیت فرمایا کرتے تھے۔

جناب مولانا ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب مفتی رشید احمد کی رد میں لکھتے ہیں:

بہر حال اصل موضوع سے متعلق عرض ہے کہ حضرت مولانا (مفتی رشید احمد) نے علیؓ، حسنؓ، حسینؓ اور فاطمہؓ کو اہل بیت میں شامل کرنے والوں کو ملحد قرار دیا ہے اور یہ جو انہوں نے فرمایا ہے کہ شیعہ، خانوادۂ نبویؐ کے ان اولین افراد کو اہل بیت کہتے ہیں، یہ بڑی افسوس ناک غلط بیانی ہے۔ ہم نے اس مقالے کے ابتدا ہی میں امام طبری و حافظ ابن کثیر کی تفاسیر سے متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں سورۂ احزاب کی آیت تطہیر کی تفسیر میں اہل بیت کا اطلاق صرف حضرات فاطمہ، علی، حسن، حسین اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہے تو کیا اہل سنت کے یہ دونوں امام و محدث و مفسر بھی شیعہ تھے؟ حیف صد حیف کہ سنت کا دعویٰ کرنے والے احادیث نبوی کو اس طرح جھٹلا رہے ہیں۔[1]

مولانا ڈاکٹر سید رضوان ندوی صاحب اسی رسالہ کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں:

اور پھر جہاں تک احادیث کا تعلق ہے اور جن سے ہم ناصبی فکر کے خلاف کافی ثبوت پیش کر چکے ہیں ان میں ایک بدیہی ثبوت یہ ہے کہ حدیث کے انتہائی مشہور متداول اور مستند مجموعے مشکوۃ میں کتاب المناقب کا ایک باب ہے: باب مناقب اھل بیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور اس کے فوراً بعد ایک دوسرا باب: باب مناقب ازواج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ اگر ازواج النبی ہی اھل البیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہوتیں تو ازواج النبی علیہ الصلوۃ والسلام کے نام سے ایک علیحدہ باب کی کیا ضرورت تھی؟ ذرا غور کریں۔ مزید یہ کہ مناقب اھل النبی علیہ

---

[1] ناصبیت تقدس کے بھیس میں ص ۲۲

الصلوۃ والسلام کے تحت جتنی احادیث مشکوۃ میں درج ہیں خواہ علیحدہ علیحدہ امام بخاری و مسلم کی ہوں، خواہ متفق علیہ ہوں، خواہ ترمذی و دیگر کتب حدیث سے منقول ہوں، ان سب میں حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ و حضرات حسنینؓ کے مناقب مذکور ہیں، ازواج مطہرات کے نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم کی حدیث میں ہے کہ حقیقی اہل بیت خاندان نبوی کے افراد ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ۔[1]

وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور اللہ کی ان آیات اور حکمت کو یاد رکھو جن کی تمہارے گھروں میں تلاوت ہوتی ہے، اللہ یقیناً بڑا باریک بین، خوب باخبر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ: وَاذْكُرْنَ تذکر سے ہے۔ یعنی ان آیات کو یاد رکھو اور غفلت اور عدم توجہ کی شکار نہ ہوں۔ چونکہ ان آیات کی خود تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہے، تم مقام وحی کے قریب ہو، دوسرے لوگوں تک یہ آیات بعد میں پہنچتی ہیں۔ اسی لیے ان کی ذمے داری سنگین اور ان کے لیے گناہ و ثواب بھی دوسروں سے مختلف ہے۔

۲۔ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ: یہاں آیات اور حکمت میں کیا فرق ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ میرے نزدیک قرآن، آیات ہیں اور سنت نبوی حکمت ہے۔ اگرچہ آیت بھی حکمت ہے تاہم جب ان دونوں کا ذکر یکجا ہو جائے تو معانی مختلف ہونے چاہئیں۔ قرآن کو بھی حکمت کہا گیا ہے:

ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ...۔[2]

یہ حکمت کی وہ باتیں ہیں جو آپ کے پروردگار نے آپ کی طرف وحی کی ہیں۔

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا: اللہ نہایت باریک بین، ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر برائی کا جاننے والا ہے۔

---

[1] ۵۰ ق: ۳۷　　[2] ۱۷ بنی اسرائیل: ۳۹

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

۳۵۔ یقیناً مسلم مرد اور مسلم عورتیں، مومن مرد اور مومنہ عورتیں، اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں، راستگو مرد اور راستگو عورتیں، صابر مرد اور صابرہ عورتیں، فروتنی کرنے والے مرد اور فروتن عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی عفت کے محافظ مرد اور عفت کی محافظ عورتیں نیز اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں وہ ہیں جن کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

شان نزول: مجمع البیان میں آیا ہے:

اسماء بنت عمیس جب اپنے شوہر جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ سے واپس آئیں تو ازواج رسول سے پوچھا: کیا ہمارے بارے میں کوئی قرآنی آیت نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتیں نامراد، گھاٹے میں ہیں۔ فرمایا: کس چیز میں؟ عرض کیا: چونکہ عورتوں کا کوئی ذکر خیر نہیں ہوتا جیسا کہ مردوں کا ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ: ایمان اور عمل صالح پر اجر و ثواب ملنے میں مرد و زن میں کوئی امتیاز نہیں ہے:

اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ...[1]

میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

مسلم اور مومن میں کیا فرق ہے؟ جواب یہ ہے کہ جب ایمان و اسلام ایک دوسرے کے مقابلے میں استعمال ہوں تو اس صورت میں اسلام، ظاہراً تسلیم ہونے کا نام ہے اور ایمان، قلبی اعتبار سے یقین حاصل

---

[1] ۳ آل عمران: ۱۹۵

ہونے کا نام ہے لیکن جب یہ دونوں جدا استعمال ہوں گے تو اس صورت میں بھی اسلام سے مراد وہ تسلیم و رضا ہوگا جس میں ایمان ہو یعنی قلبی یقین ہو۔

اس آیت کے آخر میں چونکہ فرمایا ہے: اَعَدَّاللّٰہُ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا۔ ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔ لہٰذا مسلمات کے لیے بھی مغفرت اور اجر عظیم ہوگا۔ اس سے ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہاں قرآن کے دیگر متعدد مقامات کی طرح اس اسلام کا ذکر ہے۔ جس میں ایمان بھی موجود ہے۔

بعض مفسرین کے مطابق یہاں اسلام و ایمان کے درمیان مفہوماً فرق ہے، مصداقاً نہیں۔

۲۔ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ: قنوت اس اطاعت کو کہتے ہیں جس میں خضوع و خشوع ہے۔

۳۔ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ: حقیقت میں صادق وہ ہے جس کا عمل اس کے ایمان کے منافی نہ ہو۔ وہ اپنے عمل سے دعوائے ایمان سچا ثابت کرتے ہیں۔

۴۔ وَالصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰبِرٰتِ: دین پر عمل کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان میں صبر کا مظاہرہ کریں۔ صَبۡرٌ عَلَی الطَّاعَۃِ وَ صَبۡرٌ عَلَی الۡمَعۡصِیَّۃِ.... [1] اطاعت رب کی تلخی اختیار اور معصیت کی شیرینی سے پرہیز کر کے صبر سے کام لینے والوں کے لیے مغفرت و اجر عظیم مہیا ہوگا۔

۵۔ وَالۡخٰشِعِیۡنَ وَالۡخٰشِعٰتِ: خشوع، قلبی اور باطنی فروتنی کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ خضوع اعضا و جوارح کی ظاہری فروتنی کو کہتے ہیں۔ تکبر، غرور اور نخوت و خود بینی سے دور پوری فروتنی اور جھکنے کی صورت میں اجر عظیم کا مژدہ سنا جا رہا ہے۔

۶۔ وَالۡمُتَصَدِّقِیۡنَ وَالۡمُتَصَدِّقٰتِ: صدقہ دینے سے مراد ہر قسم کا مالی انفاق ہے جس میں واجب زکوۃ، مستحب انفاق دونوں شامل ہیں۔ غریب پروری اسلامی تعلیمات کے متن میں شامل ہے۔

۷۔ وَالصَّآئِمِیۡنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ: اس میں واجب اور مستحب روزے دونوں شامل ہیں۔

۸۔ وَالۡحٰفِظِیۡنَ فُرُوۡجَہُمۡ: عفت اور پاکدامنی کو اپنا شعار بنانے والے ہوں۔

۹۔ وَالذّٰکِرِیۡنَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا: ذکر خدا کے ساتھ کثیرا کا وصف اس لیے ذکر ہوتا ہے کہ ذکر خدا انسان کے کسی عمل کے ساتھ متصادم نہیں ہے۔ ہر عمل میں ذکر خدا ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ اَعَدَّاللّٰہُ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا: مذکورہ اوصاف کے مالک مرد اور عورت کے لیے بلا امتیاز اللہ کے ہاں مغفرت اور اجر عظیم تیار ہے۔ وہ اجر کتنا عظیم ہوگا جسے اللہ عظیم کہے۔

وَمَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَۃٍ اِذَا　　۳۶۔ اور کسی مؤمن اور مومنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا

---

[1] الکافی ۲: ۹۱

قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶

کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کریں تو انہیں اپنے معاملے کا اختیار حاصل رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ: ایمان باللّٰہ و بالرسول کا مطلب یہی ہے کہ امر و نہی کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے اور مومن اسے صدق دل سے تسلیم کرے۔ یہ بات معقول نہیں ہے کہ اللہ کے فیصلے کے مقابلے میں کسی کو اپنا فیصلہ صادر کرنے کا اختیار ہو خواہ وہ مومن یا مومنہ ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف فتویٰ دینے کو اجتہادی اختلاف قرار دینا اور یہ کہنا: رسول بھی ایک مجتہد ہیں نیز نص صریح کے مقابلے میں اجتہاد کرنا اس آیت کی رو سے ضلال مبین ہے۔

۲۔ اِذَا قَضَى اللّٰهُ: جب اللہ کوئی فیصلہ کرے۔ اللہ کا تشریعی فیصلہ مراد ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلے میں اللہ کا کوئی فیصلہ اپنے رسول کے ذریعے بندوں تک پہنچ جاتا ہے۔

۳۔ وَرَسُوْلُهٗ: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ اللہ کے فیصلے کے تابع ہے۔ اللہ نے اپنے رسول کو حاکمیت کا حق دیا ہے۔ اس حق کی بنیاد پر رسول کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو کسی مومن یا مومنہ کو اس فیصلے کے خلاف اپنا اختیار استعمال کرنے کا حق حاصل نہیں ہے چونکہ اللہ نے کسی مومن کو ایسا اختیار نہیں سونپا۔

۴۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے خلاف اپنا اختیار استعمال کرنا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معصیت اور ضلال مبین ہے۔

مولانا مودودی اس جگہ لکھتے ہیں:

> ... جسے مسلمان رہنا ہو اس کو لازماً حکم خدا و رسول کے آگے جھک جانا ہو گا اور جسے نہ جھکنا ہو اس کو سیدھی طرح ماننا پڑے گا وہ مسلمان نہیں ہے۔ نہ مانے گا تو چاہے اپنے مسلمان ہونے کا وہ کتنا ہی ڈھول پیٹے، خدا اور خلق خدا دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔

اہم نکات

۱۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اسے مسترد کرنا ضلال مبین ہے۔

۲۔ اللہ کا فیصلہ قرآن وسنت اور رسول ﷺ کا فیصلہ سنت سے معلوم ہوتا ہے۔
۳۔ اللہ کے فیصلے کے مقابلے اپنا فیصلہ لانے والا مسلمان نہیں۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور (اے رسول یاد کریں وہ وقت) جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے اور آپ نے احسان کیا تھا، کہ رہے تھے: اپنی زوجہ کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو اور وہ بات آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا ہے اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں، پھر جب زید نے اس (خاتون) سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس خاتون کا نکاح آپ سے کر دیا تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے شادی کرنے) کے بارے میں کوئی حرج نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم نافذ ہو کر ہی رہے گا۔

تشریح کلمات

وَطَرًا: (و ط ر) کسی چیز کی انتہائی خواہش اور اہم ضرورت کے معنوں میں ہے۔

شان نزول: یہ آیات زید بن حارثہ کی حضرت زینب بن جَحش کے ساتھ نکاح کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔ زید بن حارثہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینب، رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ سماجی اعتبار سے یہ رشتہ نہایت نامناسب سمجھا جاتا تھا۔ جب زید کے ساتھ زینب کے نکاح کا پیغام دیا گیا تو خود حضرت زینب اور ان کے بھائی عبد اللّٰہ بن جَحش نے اسے ناپسند کیا۔ بعد میں جب معلوم ہوا یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ ہے تو سب خاندان والوں نے اس رشتے کو قبول کیا لیکن یہ رشتہ کامیاب نہ رہ سکا۔ حضرت زینب کے ذہن سے یہ احساس دور نہ ہو سکا کہ وہ قریش کے شریف ترین خاندان کی بیٹی ہے اور زید ایک آزاد کردہ غلام ہے۔ چنانچہ ایک سال اور کچھ مہینوں بعد طلاق کی نوبت آ گئی۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ: زید پر اللہ اور رسول ﷺ کے احسان کا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ زید، حارثہ بن شراحیل کا بیٹا تھا۔ ان کی ماں ایک بار انہیں اپنے میکے لے کر گئیں وہاں ان پر حملہ ہوتا ہے اور لوٹ مار میں چند آدمیوں کو وہ پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ ان میں حضرت زید بھی تھے۔ ان کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی۔ پھر زید کو ان لوگوں نے حباشہ کے بازار میں لے جا کر فروخت کر دیا اور حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اسے خریدا اور انہوں نے اسے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کی خدمت میں پیش کیا۔ جب حضرت خدیجہ کا رسول اللہ ﷺ سے عقد ہوا تو زید رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں آ گیا۔ اب زید پندرہ سال کا ہو گیا تھا۔ جب ان کے والد اور چچا کو پتہ چلا کہ زید مکہ میں ہے تو وہ ان کی تلاش میں رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے اور فدیہ کے عوض بچہ ان کے حوالہ کرنے کو کہا: حضور ﷺ نے فرمایا: خود زید کی مرضی پر چھوڑتا ہوں۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو فدیہ نہیں لوں گا۔ زید کو بلایا تو زید نے اپنے والد کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے زید کو آزاد کر دیا اور اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ ابھی آپؐ مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ جب آپؐ مبعوث برسالت ہوئے تو زید سابقین میں سے تھے۔ ہجرت کے چوتھے سال آپؐ نے ان کا عقد اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے کیا۔

۲۔ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ: جس پر اللہ اور خود آپ نے احسان کیا تھا۔ اس سے آپ کہہ رہے تھے اپنی بیوی کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب زید اور زینب کے تعلقات انتہائی خراب ہو گئے تھے اور زید طلاق دینے پر آمادہ ہو رہا تھا۔

۳۔ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ: آپؐ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے۔ مجمع البیان میں آیا ہے:

> جس چیز کو رسول اللہ ﷺ چھپانا چاہتے تھے وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتایا تھا کہ زینب کو طلاق ہونے والی ہے اور زینب آپؐ کی زوجیت میں آ جائے گی۔ اس کے باوجود جب زید آیا اور آپ سے کہا کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو آپؐ نے کہا: اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ نے یہ کیوں کہا اپنی بیوی کو نہ چھوڑ حالانکہ میں نے آپ کو بتلا دیا تھا کہ زینب آپ کی ازواج میں شامل ہونے والی ہے۔
>
> مجمع البیان میں کہا ہے کہ یہ بات حضرت زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے:

ظاہر ہے حضورؐ اس جگہ اپنے علم کا اظہار نہیں کر سکتے تھے بلکہ مصالحانہ نصیحت کے طور پر فرما رہے تھے: اپنی بیوی کو نہ چھوڑ۔ یہ کوئی حکم تشریعی نہ تھا کہ زید پر اس کی تعمیل واجب ہو جاتی۔

۴۔ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ: اور آپؐ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔

زینب کو اپنی ازواج میں شامل کرنے کی بات کے ظاہر ہونے کی صورت میں لوگوں کی چہ میگوئیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوفزدہ تھے۔ یہ خوف اگرچہ لوگوں سے تھا تاہم اس خوف کا تعلق صرف رسولؐ کی اپنی ذات سے نہ تھا بلکہ خوف موسیٰ علیہ السلام فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى۔[1] کی طرح تھا کہ منافقین اس بات کو اچھالیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بہو کے ساتھ شادی کی ہے جب کہ خود قرآن میں حرام عورتوں میں وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمْ ...[2] بہو بھی شامل ہے۔ اس سے کمزور ایمان والے شکوک میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ یہ تھا خوف فی الدین عن طریق الناس۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے: خود خدا سے خوف کریں۔ دین خدا کے بارے میں لوگوں سے خوف نہ کریں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ اعلان ولایت میں بھی لوگوں سے جو خوف لاحق تھا اس بارے میں فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ...۔[3]

لہٰذا وہ روایات درست نہیں ہیں اور مقام رسالت پر ایک نازیبا بہتان ہیں جو کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاقاً زینب کو دیکھا تو ان کے حسن پر فریفتہ ہو گئے اور آپؐ اس بات کو دل میں چھپائے ہوئے تھے۔

یہ روایت کذب و افترا ہے۔ اس لیے کہ حضرت زینب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی ایک فرد ہیں۔ زینب کا حسن و جمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوشیدہ نہ تھا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کے لیے رشتہ مانگا ہے۔ اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو زید سے شادی ہونے سے پہلے انہیں اپنی زوجیت میں لا سکتے تھے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ یہ اللہ کا حکم تھا کہ زینب کو طلاق ہونے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زینب کو اپنی زوجیت میں لے آئیں اور دور جاہلی کی رسم کا خاتمہ کر دیں۔ ایک تو منہ بولے بیٹا بیٹا نہیں ہوتا، زید رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ ایک آزاد کردہ غلام کی طرف سے طلاق یافتہ عورت سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کسی کی عظمت اور خاندانی شرافت پر اس کا کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ اسلام اپنی اسلامی قدروں کا لحاظ رکھتا ہے، جاہلی قدروں کا نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذاتی خواہش نہیں چھپا رہے تھے، حکم خدا کی تعمیل میں سماجی مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ زینب کے ساتھ نکاح کرنا اللہ کا حکم تھا۔ اس پر وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہے گا) دلیل ہے نیز اگلی آیت میں فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ''اللہ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے'' بھی دلیل ہے کہ اس

[1] ۲۰ طٰہٰ: ۶۷　[2] ۴ نساء: ۲۳　[3] ۵ مائدہ: ۶۷

نکاح کو انجام دینے کا اللہ کی طرف سے حکم تھا۔

۵۔ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا: جب زید نے اس خاتون سے اپنی حاجت پوری کر لی۔ زید اس عورت سے پوری طرح فارغ ہو گئے اور اس میں کسی قسم کی خواہش باقی نہ رہی۔ اگر کوئی خواہش باقی ہوتی تو عدت کے دوران اس کا اظہار ہو سکتا تھا اور رجوع کر سکتا تھا وہ بھی نہ ہوا تو زَوَّجْنٰكَهَا ہم نے اس خاتون کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اس تزویجی عمل کو اللہ نے براہ راست اپنی طرف نسبت دے کر یہ بات اور واضح فرما دی کہ یہ کام خالصتاً اللہ کی طرف سے انجام پایا۔ رسولؐ کی ذاتی خواہش کا کوئی دخل نہ تھا۔

۶۔ لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ: تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی مضائقہ نہ رہے۔

اسلامی قانون میں منہ بولا بیٹا، بیٹی نہیں ہوتا اور جس عورت کو ماں کہدے وہ ماں نہیں ہوتی۔ اس قانون پر بہت سے احکام مترتب ہوتے ہیں۔

۷۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا: اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہے گا۔ یہ ازدواج بھی اللہ کی طرف سے ایک حکم تھا وہ نافذ ہو کر رہا۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو اس پر عمل کرنے میں سماجی دشواریاں زیادہ تھیں لیکن اللہ کا حکم غالب آیا اور نافذ ہو گیا۔

اہم نکات

۱۔ زن و شوہر کی ناچاقی کی صورت میں طلاق کا مشورہ نہیں دینا چاہیے: اَمْسِكْ عَلَیْكَ....

۲۔ حکم الٰہی کے نفاذ کے لیے معاشرتی رکاوٹوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے: وَتَخْشَی النَّاسَ ....

مَا كَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾

۳۸۔ نبی کے لیے اس (عمل کے انجام دینے) میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو اللہ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے، جو (انبیاء) پہلے گزر چکے ہیں ان کے لیے بھی اللہ کی سنت یہی رہی ہے اور اللہ کا حکم حقیقی انداز سے طے شدہ ہوتا ہے۔

تفسیر آیات

الفرض: التعیین و الاسهام۔ فرض، تعیین اور حصہ مقرر کرنے کے معنوں میں ہے۔ اس کا مطلب مباح کرنا ہے۔ یعنی جو چیز اللہ نے اپنے نبی کے لیے مباح کی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ گزشتہ انبیاءؑ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ان کی بھی متعدد ازواج موجود تھیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم اپنے رسول ﷺ پر فرض فرماتا ہے تو اس فرض کو انجام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ نفی حرج، تکوینی ہوسکتا ہے۔ یعنی اللہ اس میں کوئی حرج نہیں آنے دے گا اور رسول ﷺ کے سامنے جو دشواریاں آئی ہیں انہیں دور کر دے گا۔

۲۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا: گزشتہ انبیاء علیہم السلام میں بھی اللہ تعالیٰ کا طریقہ عمل یہی رہا ہے۔ یہ سنت الٰہی کیا تھی؟ ممکن ہے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اللہ کی اس روش کی طرف اشارہ ہو کہ جب بھی احکام الٰہی کی تعمیل میں کوئی دشواری پیش آئی تو اللہ نے اسے دور فرمایا یا یہ مراد ہو کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام بھی اس قسم کے مراسم توڑنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں یا یہ مراد ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ روش ہے کہ تبلیغ کے سلسلے میں غیر اللہ کا خوف نہیں کرتے جس کی طرف اگلی آیت اشارہ کر رہی ہے۔

۳۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا: امور خدا غیر منظم نہیں ہوتے بلکہ امر خدا ایک طے شدہ ضابطے کے تحت ہوتا ہے۔ قدر یعنی طے شدہ۔ مقدورا اس کی تاکید ہے۔ جیسے ظلا ظلیلا کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اپنے انبیاء علیہم السلام کو کوئی ایسا حکم دے جو قابل عمل نہ ہو یا اس پر عمل کرنے سے مفاسد لازم آتے ہوں۔ جیسا کہ ایک ظاہر بین انسان سمجھتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے جاہلی مراسم کا مقابلہ کیا ہے: سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ ....

۲۔ احکام الٰہی ایک ضابطے کے مطابق ہوتے ہیں: وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾

۳۹۔ (وہ انبیاء) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور محاسبے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ: جو اللہ کے پیغامات کی تبلیغ کرتے ہیں ان کے دلوں میں صرف خوف خدا ہوتا ہے۔ غیر اللہ کا خوف ان کے دلوں میں نہیں ہوتا۔ تبلیغ رسالت کے سلسلے میں ایک خوف تبلیغ نہ کرنے کی صورت میں پیش آتا ہے اور دوسرا خوف تبلیغ کرنے کی صورت میں پیش آتا ہے۔ تبلیغ نہ کرنے کی صورت میں اللہ کا خوف ہے اور تبلیغ کرنے کی صورت میں لوگوں کا خوف ہے۔ انبیاء علیہم السلام ان دونوں خوفوں میں خوف خدا کو مقدم رکھتے ہیں اور لوگوں سے جو خوف لاحق ہوتا ہے اسے اعتنا میں نہیں لاتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ رسالت کے سلسلے میں صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ غیر اللہ سے کسی صورت میں نہیں ڈرتے۔ بعض حالات میں خوف لاحق ہونا قدرتی بات ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اژدھے سے خوف لاحق ہو گیا تھا۔ یہ خوف، اللہ کے خوف کے مقابلے میں نہیں تھا بلکہ ایک قدرتی خوف تھا۔

۲۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا: اللہ کا محاسبہ یقیناً بڑا دقیق محاسبہ ہوگا جس میں کسی قسم کے سہو اور نسیان کا امکان نہیں ہے۔ لہٰذا اسی ہی کا خوف دل میں ہونا چاہیے۔

اہم نکات

۱۔ تبلیغ کے لیے شجاعت اور صبر درکار ہوتا ہے: وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا ....

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۴۰

۴۰۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ہاں وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیّین ہیں اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مخالفین کا اعتراض یہ تھا کہ آپؐ نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا ہے جب کہ ان کی شریعت میں بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے۔

جواب میں فرمایا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اور زید جو رجال میں سے ہے، وہ محمد کا بیٹا نہیں ہے۔ یعنی زمان نزول قرآن میں آپ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد قاسم، طیب اور طاہر بچپنے میں فوت ہو گئے اور حسنین علیہما السلام اس آیت کے نزول کے وقت ابھی رجال میں سے نہ تھے۔ وہ بھی بچے تھے۔[1]

لہٰذا جب منہ بولے بیٹے کو اسلام بیٹا تسلیم نہیں کرتا، چونکہ منہ بولے بیٹے کی پیدائش میں ان کا کردار نہیں ہے، تو وہ حقیقتاً بیٹا نہیں ہے۔ جب واقع میں بیٹا نہیں ہے تو کسی قرارداد سے واقع نہیں بدلتا۔

۲۔ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ: اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

---

[1] المیزان

خاتم کی دو قرائتیں ہیں: خاتِمُ اور خاتَمُ۔

خاتم: لفظ، اگر خاتِمُ پڑھے تو اس کے معنی ہوں گے نبیوں کا سلسلہ ختم کرنے والا اور اگر خاتَمُ پڑھے تو اس کے معنی ہوں گے مہر لگانے والا۔ بند کرنے والا۔ دونوں صورتوں میں معنی ایک ہیں۔ جب آپؐ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہیں تو لازماً خاتم المرسلین ہیں چونکہ رسالت کا درجہ نبوت کے بعد آتا ہے۔ چونکہ نبی وہ ہیں جن پر خواب میں وحی ہوتی ہے اور رسول وہ ہیں جن پر فرشتہ وحی نازل ہوتا ہے اور دعوت کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا ہر رسول نبی ہے۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم شریف کے ساتھ رسالت اور نبوت دونوں کا ذکر ہے۔

قرآن کی متعدد آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت کا اشارہ ملتا ہے۔ جیسے:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ...[1]

اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے تا کہ میں تمہیں اور جس تک یہ پیغام پہنچے سب کو تنبیہ کروں۔

پیغام پہنچنے کا ذمہ اللہ نے لیا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝[2]

اس ذکر کو یقیناً ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝[3]

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تا کہ وہ سارے جہاں والوں کے لیے انتباہ کرنے والا ہو۔

حدیث نبوی سے تواتر سے ثابت ہے کہ رسول خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی لیے ختم نبوت پر امت کا اجماع قائم ہے۔ اس اجماع میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور تمام علمائے اسلام شامل ہیں۔ اگر کسی نبی نے آنا ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھا کہ اس کی آمد کی خبر دیتے، اس کی علامات بیان فرماتے، اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے۔ چنانچہ حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام کی آمد کی خبر دی، علامات بیان فرمائیں، ان پر ایمان لانے کا حکم دیا اور ان کے اوصاف بیان کیے ہیں۔ اس جگہ چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

i۔ اسلام کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت کیوں باقی نہیں رہی؟

جواب یہ ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں کی طرح اسلام کی کتاب قرآن میں کسی قسم کی تحریف و تغییر نہیں ہوئی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ انسان عہد طفولیت سے نکل کر ارتقاء کی اس منزل پر پہنچ چکا ہے کہ ایک جامع نظام حیات اس کے سپرد کیا جائے۔ اس سلسلے میں اگر ہم عہد موسیٰ علیہ السلام

---

[1] ۶ انعام: ۱۹　[2] ۱۵ حجر: ۹　[3] ۲۵ فرقان: ۱

کا مطالعہ کریں تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نو اہم معجزے دکھانے، دریا شق ہونے، فرعون کے غرق آب ہونے کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام کی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کر رہی تھی: اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ....۔ اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ جب کہ شاگردان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذوق توحید نہایت قابل توجہ ہے۔

ii۔ کیا ایک ثابت، غیر متغیر دین، ایک متغیر انسان کی قانونی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے؟

کچھ کم علم لوگوں کا یہ خیال ہے، دین صرف اپنے خاص زمانے کے لیے قابل نفاذ ہے، ہر زمانے کے لیے نہیں۔ چونکہ دینی احکام ثابت ہیں اور قابل تغیر نہیں ہیں جب کہ انسان تحول وتغیر کی زد میں ہے۔ زمان و مکان کے اعتبار سے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا یا دونوں کو ثابت ہونا چاہیے یا دونوں کو متغیر۔ ایک ثابت کا متغیر کے ساتھ کیا جوڑ ہے؟

فقیہ بزرگ حضرت آیة اللّٰہ محسنی دام ظلہ اپنی کتاب مباحث علمی دینی میں اس کا جواب دیتے ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ یہاں ذکر کرتے ہیں۔ اس کے جواب کے دو حصے ہیں:

۱۔ انسان کی طبیعت اور نفسیات کے اہم ترین حالات ثابت اور غیر متغیر ہیں۔

۲۔ اسلامی احکام وقوانین کا ایک اہم حصہ متغیر اور متحرک ہے۔

لہٰذا اسلام کے ثابت احکام انسان کی ثابت شقوں کے لیے اور متغیر احکام انسان کے متغیر حالات کے لیے ہیں۔

ا۔ ثابت انسان: انسان کی بہت خصلتیں اور اس کے فطری تقاضے ثابت اور لا یتغیر ہیں۔ درج ذیل مثالوں پر توجہ دیجیے:

i۔ انسان اپنی اولاد اپنے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

ii۔ بھوک اور پیاس کی صورت میں کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت کا احساس کرتا ہے۔

iii۔ دوست کے ساتھ محبت اور دشمن کے ساتھ عداوت رکھتا ہے۔

iv۔ احسان کی وجہ سے محبت اور برائی کی وجہ سے عداوت ہوتی ہے۔

v۔ سالم انسان ازدواج کی خواہش رکھتا ہے۔

vi۔ زن وشوہر اولاد کی خواہش رکھتے ہیں۔

vii۔ انسان جمال پرست ہوتا ہے۔

viii۔ حب ذات، جذب منفعت اور دفع ضرر انسان کی جبلت میں ہے۔

ix۔ انسان کسی ضرورت کے تحت ہی قتل اور ظلم کا اقدام کرتا ہے۔

x۔ جب تک کوئی مانع نہ ہو، اپنی خواہشات کو نہیں چھوڑتا۔

xi - انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ تمام مادی وسائل فراہم ہوں۔
xii۔ خواہش ہوتی ہے کہ سب اس کا احترام کریں اور اس کی تذلیل نہ کریں۔
xiii۔ خواہش ہوتی ہے محتاج، مریض، مظلوم بدنام نہ ہوں۔ خواہش ہوتی ہے لوگ اس کے فرمانبردار ہوں، سرداری ملے۔
xiv۔ غالبًا اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے دوسروں کے مال وعزت پر تجاوز کرتا ہے۔
xv۔ مناسب موقع پر ریاکاری بری نہیں لگتی۔
xvi۔ علم وکمال کو پسند کرتا ہے۔
xvii۔ یہ بات اسے پسند نہیں کہ اسے جاہل اور عیب دار کہا جائے۔
xviii۔ انسان خود پسند اور خودخواہی کا شکار ہوتا ہے مگر یہ کہ اس کی عقلی قوت بہت زیادہ ہو۔
xix۔ غالبًا لالچی، بخیل ہوتا ہے اور کبھی سخی اور قناعت پسند ہوتا ہے۔
xx۔ دوسروں پر برتری کا خواہشمند ہوتا ہے۔
xxi۔ موت اور نابودی کو ناپسند کرتا ہے مگر بعض نادر حالات میں موت کو قبول کرتا ہے۔
xxii۔ اپنی صحت اور نفسیاتی سکون کا خواہاں ہوتا ہے۔
xxiii۔ گندگی اور غلاظت سے نفرت ہوتی ہے۔
xxiv۔ بغیر زحمت کے منافع کو پسند کرتا ہے۔
xxv۔ سردی اور گرمی سے متاثر ہوتا ہے۔
xxvi۔ نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔
xxvii۔ انسان کا طریقہ تولید تبدیل نہیں ہوتا۔
xxviii۔ سنگین بوجھ اٹھانے سے تھک جاتا ہے۔
xxix۔ کوئی بچہ دانت اور داڑھی کے ساتھ پیدا نہیں ہوتا۔
xxx۔ کوئی بچہ کئی سال ماں کے شکم میں نہیں رہتا نہ ہی چند روز میں پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح بیسیوں دیگر باتیں ہیں جو ابتدائی انسان سے لے کر آج تک کے انسان میں ثابت اور لایتغیر ہیں۔ البتہ مذکورہ چیزوں میں تغیر وتبدل وجود میں آتا ہے۔ کھانے پینے اور لباس کی کیفیت اور سفری وسائل میں تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ تاہم ان تبدیلیوں کا تعلق اس کے عارضی ماحول سے مربوط ہے، خود انسانی طبیعت سے نہیں۔ مثلاً اپنا دفاع انسان کا ایک طبیعی امر ہے۔ خواہ اپنے ہاتھ سے ہو یا ایٹمی ہتھیار سے۔

۲۔ متحرک قوانین: احکام وقوانین اسلامی کی دو قسمیں ہیں: اوّلی اور ثانوی:

۱۔ اَوّلی قوانین وہ ہیں جو بذات خود موضوع سے متعلق ہیں۔ اس موضوع پر آنے والے عارضی

حالات سے قطع نظر، جیسے شراب بذات خود حرام ہے۔

۲۔ ثانوی قوانین وہ ہیں جو اس موضوع پر آنے والے عارضی حالات سے متعلق ہیں۔ جیسے شراب پینے پر زندگی کا بچنا اگر موقوف ہے تو حلال ہے۔

اس طرح متحرک قوانین کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم۔ ثانوی قوانین: جن کی تعریف کا ذکر ہو گیا کہ عارضی حالات کے مطابق مترتب ہونے والے قوانین کو ثانوی قوانین کہیں گے۔ وہ عارضی حالات جن کی وجہ سے قانون اور حکم بدل جاتا ہے حسب ذیل ہیں:

i۔ اضطراری حالت: اضطراری حالت میں بہت سی حرام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔ فرمایا:

وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ....[1]

حالانکہ اللہ نے جن چیزوں کو اضطراری حالت کے سوا تم پر حرام قرار دیا ہے ان کی تفصیل اس نے تمہیں بتا دی ہے۔

ii۔ عسر و حرج: ایک واجب عمل انجام دینے میں معمول سے زیادہ مشقت اٹھانا پڑتی ہے تو وہ حکم اٹھ جاتا ہے۔ غسل کرنے میں عسر و حرج اور مشقت ہے تو غسل کا حکم اُٹھ جاتا ہے اس کی جگہ تیمّم کا حکم آتا ہے۔ فرمایا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ....[2]

اور دین کے معاملے میں تمہیں کسی مشکل سے دوچار نہیں کیا۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ....[3]

اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

iii۔ تقیہ: جان و مال کو خطرہ ہونے کی صورت میں بھی قانون میں لچک آ جاتی ہے۔ فرمایا:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ....[4]

مومنوں کو چاہیے کہ وہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو سرپرست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے، اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، ہاں اگر تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لیے کوئی طرز عمل اختیار کرو۔

iv۔ ضرر: کسی کو کسی چیز سے ضرر پہنچتا ہے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے۔ مثلاً اسلامی قوانین کے تحت انسان اپنے مال کا مالک ہے لیکن اس مال سے کسی کو ضرر پہنچتا ہے تو ملکیت کا حق سلب ہو جاتا ہے۔ حدیث نبوی ہے:

---

[1] ۶ انعام: ۱۱۹ [2] ۲۲ الحج: ۷۸ [3] ۲ البقرۃ: ۱۸۵ [4] ۳ آل عمران: ۲۸

لَا ضَرَرَ وَ لَا ضِرَارَ فِی الْاِسْلَامِ۔[1]　　اسلام میں نہ ضرر اٹھانا ہے نہ ضرر پہنچانا۔

یعنی ایسا قانون نہیں ہے جس کی وجہ سے ضرر اُٹھانا یا ضرر پہنچانا پڑے۔

v۔ جبر و اکراہ: کسی کی طرف سے مجبور کیے جانے کی صورت میں بھی حکم بدل جاتا ہے۔

vi۔ بیماری اور سفر کی حالت میں روزہ کا حکم بدلتا ہے۔

vii۔ خوف کی حالت میں حکم بدلتا ہے۔

viii۔ عاجز: عمل انجام دینے سے عاجز رہ جائے تو حکم بدل جاتا ہے۔

ix۔ جہالت: نہ جاننے کی وجہ سے حکم اٹھ جاتا ہے، اگر یہ نہ جاننا کوتاہی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ ممکن نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔ جسے جاہل قاصر کہتے ہیں۔

xx۔ نذر، قسم، عہد کے ذریعے ایک جدید حکم کو وجود دیا جا سکتا ہے۔

xi۔ دو حکموں میں تزاحم (ٹکراؤ) کی وجہ سے بہت سے احکام بدل جاتے ہیں۔ کسی کے مال پر بلا اجازت تصرف کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی مومن کی جان بچانا اس تصرف پر موقف ہو تو جائز ہے۔

xii۔ جامع الشرائط مکلّف موجود نہ ہونے کی وجہ سے واجب کفائی، عینی میں بدل جاتا ہے۔

دیگر اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے احکام بدل جاتے ہیں۔ البتہ جب عارضی حالت ختم ہو جاتی ہے تو حکم اَوّلی واپس آ جاتا ہے۔

دوسری قسم: متحرک قوانین کی دوسری قسم یہ ہے کہ کسی موضوع کے بارے میں شریعت خاموش ہے۔ اسے فقہاء منطقة الفراغ کا نام دیتے ہیں۔ جہاں انسان خود اجتماعی طور پر شوریٰ کے ذریعے یا انفرادی طور پر قانون بنانے میں آزاد ہے۔ جیسے ٹریفک کے قوانین۔ اس میں دیگر اسلامی قوانین سے متصادم نہ ہونے کی صورت میں انسان خود قانون بنا سکتے ہیں۔

تیسری قسم: متحرک قوانین میں سے تیسری قسم یہ ہے کہ حکومت اسلامی میں حاکم ملکی مصلحت کے تحت فقہ اسلامی کے دائرے میں رہ کر ہنگامی قانون نافذ کرتا ہے اور کبھی بعض دیگر اسلامی قوانین کو وقتی طور پر متوقف کر دیا جاتا ہے۔

امید ہے محترم قارئین کے لیے بات واضح ہو گئی ہو گی کہ اسلامی شریعت کس طرح ہر زمانے کے تقاضوں کو پورا کر دیتی ہے۔

اہم نکات

۱۔　رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسب کے اعتبار سے کسی مرد کے باپ نہیں، ولایت کے اعتبار سے روحانی باپ ہیں۔

۲۔　منہ بولا بیٹا، بیٹا نہیں ہے۔

---

[1] وسائل الشیعة ۲۶: ۱۴

۳۔ رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شریعت لے کر آئے ہیں جو تمام عصر کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اے ایمان والو! اللہ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو۔

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔

تفسیر آیات

۱۔ اذْکُرُوا اللّٰہَ: یاد کرنا، نسیان کے مقابلے میں ہے۔ اللہ کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر حالت اور ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کا غضب پیش نظر ہو۔ نیک عمل کے وقت یاد خدا کا مطلب یہ ہے کہ یہ نیک عمل برائے رضایت خدا انجام دیا جائے اور گناہ کا سامنا کے وقت یاد خدا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ناراضگی کو سامنے رکھ کر اسے ترک کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

مَنْ اَعْطِیَ لِسَاناً ذَاکِراً فَقَدْ اُعْطِیَ خَیْرَ الدُّنْیَا وَ الآخِرَۃِ ....[1]

جسے یاد خدا کرنے والی زبان عنایت ہوئی ہو اسے دنیا و آخرت کی بھلائی عنایت ہوئی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

مِنْ اَشَدِّ مَا فَرَضَ اللّٰہ عَلَی خَلْقِہِ ذِکْرُ اللّٰہِ کثیراً. ثُمَّ قَالَ: لَا اَعْنِی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَکْبَرُ وَ اِنْ کَانَ مِنْہُ وَ لَکِنْ ذِکْرَ اللّٰہِ عِنْدَ مَا اَحَلَّ وَ حَرَّمَ فَاِنْ کَانَ طَاعَۃً عَمِلَ بِھَا وَ اِنْ کَانَ مَعْصِیَۃً تَرَکَھَا۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر جو فرض کیا ہے ان میں اہم ترین فرض کثرت سے اللہ کو یاد کرنے کا حکم ہے۔ میری مراد ذکر خدا سے سبحان اللّٰہ اور الحمد اللّٰہ اور لا الٰہ الا اللّٰہ نہیں ہے اگرچہ یہ بھی ذکر اللہ میں شامل ہے مگر اللہ کو یاد کرنا ہے، جو حلال و حرام کیا گیا ہے اس وقت خدا کو یاد کرنا ہے۔ اگر طاعت ہے تو بجا لائے اگر گناہ ہے چھوڑ دیا جائے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے دوسری روایت میں آیا ہے:

تَسْبِیْحُ فَاطِمَۃَ الزَّھْرَاءِ ع مِنَ الذِّکْرِ الْکَثِیْرِ الَّذِی قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔[3]

تسبیح فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ذکر کثیر میں شامل ہے جسے اللہ عزوجل نے فرمایا: اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔

---

[1] الکافی۔ ۲: ۴۹۸ [2] الکافی: ۲: ۸۰ [3] الکافی ۲: ۵۰۰

واضح رہے تسبیح حضرت زہرا سلام اللہ علیہا یہ ہے: ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ مرتبہ الحمد اللہ، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ پڑھے۔

۲۔ وَّسَبِّحُوْهُ: اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔ تسبیح، ہر نقص سے اللہ تعالیٰ کو پاک و منزہ قرار دینے کو کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تصور توحید کو درست کرنے کو تسبیح کہتے ہیں۔ مشرکین اور انحرافی مذاہب نے اللہ کی ذات و صفات اور افعال میں اس قسم کے عقائد کو شامل کر دیے جو ذات اقدس الٰہی کی شان میں نہایت گستاخی ہیں۔

صحیح تصور توحید کے لیے امام الموحدین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے خطبۂ توحید کا مطالعہ ضرور فرمائیں: اَوَّلُ الدِّینِ مَعْرِفَتُهُ....[1]

۳۔ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا: صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔ دن کی ابتدا اللہ کی تسبیح سے کرو اور دن کا اختتام بھی اللہ کی تسبیح سے کرو۔ ممکن ہے اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے سارا دن عبادت شمار فرمائے۔

اہم نکات

۱۔ صرف ذکر خدا کے لیے لفظ كَثِيْرًا کی تاکید آئی ہے۔

۲۔ تسبیح حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو ہر نماز کے بعد فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ وہی تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (دعا کرتے ہیں) تاکہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائے اور وہ مومنوں کے بارے میں بڑا مہربان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ: جس ذات کا ذکر کثیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ تمہارا خالق، رازق اور محافظ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ تم پر رحمت بھیجتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہے:

رَبِّ لَا تَكِلْنِی اِلٰی نَفْسِی طَرْفَةَ عَيْنٍ اَبَداً۔[2]

میرے مالک مجھے چشم زدن کے لیے بھی میرے حال پر نہ چھوڑ۔

---

[1] نہج البلاغۃ خ ۱　[2] الکافی ۲:۵۸۱

۲۔ وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ: اپنی رحمتوں کے علاوہ اس کے فرشتے بھی تمہارے لیے رحمتوں کے نزول اور مغفرت کے لیے دعا کر رہے ہیں:

وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ ....[1]

اور فرشتے اپنے پروردگار کی ثناء کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اہل زمین کے لیے استغفار کرتے ہیں

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ....[2]

جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو (فرشتے) اس کے اردگرد ہیں سب اپنے رب کی ثناء کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور اس پر ایمان لائے ہیں اور ایمان والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

۳۔ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ: ان رحمتوں کا نزول اس غرض کے لیے ہوتا ہے کہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال لائے۔ اس سے معلوم ہوا تمام رحمتوں کا سرچشمہ، ہدایت ہے۔ ظلمت سے نور کی طرف ہدایت، کفر سے ایمان کی طرف ہدایت، غفلت و ناآگاہی سے ذکر و عبادت کی طرف ہدایت۔

۴۔ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا: اہل ایمان پر اللہ کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے کہ وہ رحمتوں کا نزول فرماتا ہے۔ فرشتوں کو دعائے مغفرت کا حکم دیتا ہے۔ ظلمت سے نور کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کی طرف سے ہر آن رحمتوں کا نزول ہوتا ہے: یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ ....

۲۔ اللہ کے فرشتے بھی مومنوں کے لیے دعا کرتے ہیں۔ وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ....

۳۔ ظلمت سے نور کی طرف ہدایت، سب رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔

تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ ۚ وَ اَعَدَّ لَھُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا ﴿۴۴﴾

۴۴۔ جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کی تحیت سلام ہوگی اور اللہ نے ان کے لیے باعزت اجر مہیا کر رکھا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ: یوم لقاء کی تحیت سلام ہوگی۔ اللہ سے ملاقات کے دن کا آغاز سلام سے ہوگا۔ یوم لقاء ممکن ہے موت کا وقت ہو۔ موت کے وقت سلام سے استقبال ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:

---

[1] ۴۲ شوری: ۵ [2] ۴۰ غافر: ۷

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ [1]

جن کی روحیں فرشتے پاکیزہ حالت میں قبض کرتے ہیں (اور انہیں) کہتے ہیں: تم پر سلام ہو! اپنے (نیک) اعمال کی جزا میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔

یوم لقا اگر روز حشر برائے حساب ہے تو بھی وہاں اعراف کی بلندیوں سے سلام کی آواز آئے گی:

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۚ [2]

اور اہل جنت سے پکار کر کہیں گے: تم پر سلامتی ہو۔

یوم لقاء سے مراد لوگوں کے داخل جنت ہونے کا وقت ہے تو بھی سلام ہے:

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ○ ... [3]

اور جنت کے منتظمین ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو تم بہت خوب رہے، اب ہمیشہ کے لیے اس میں داخل ہو جاؤ۔

یوم لقاء اگر جنت ہے تو یہاں بھی سلام سلام ہو گا:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ○ [4]

وہاں وہ نہ بیہودہ کلام سنیں گے اور نہ ہی گناہ کی بات۔ ہاں! سلام سلام کہنا ہو گا۔

غرض اللہ سے تعالیٰ ملاقات کے تمام مراحل میں سلام و سلام ہو گا۔ سلامتی کے علاوہ کوئی دکھ عذاب نہ ہو گا۔

۲۔ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا: مومنوں کے لیے اجر و ثواب مہیا ہو گا۔ وہ کریم ہو گا۔ باعزت، بااحترام اجر ملے گا۔ عزت و احترام کی وجہ سے اجر و ثواب زیادہ پرکشش بن جاتا ہے۔ واضح رہے کریم یہاں عزیز کے معنوں میں ہے۔ جیسے فرمایا:

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ... [5]

جسے اللہ خوار کرے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں۔

اہم نکات

۱۔ مومن اللہ کی بارگاہ میں سلام کی تحیت کے ساتھ جائے گا۔

۲۔ مومن کو اجر و ثواب عزت و احترام کے ساتھ ملے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے،

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور اس (اللہ) کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر۔

---

[1] ۱۶ نحل: ۳۲　[2] ۷ اعراف: ۴۶　[3] ۳۹ زمر: ۷۳　[4] ۵۶ واقعہ۔ ۲۵۔۲۶　[5] ۲۲ حج۔ ۱۸

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا: ہر رسول اپنی امت کے اعمال کا شاہد اور گواہ ہے اور رسول خاتم ﷺ ان تمام گواہوں پر گواہ ہیں:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○ [1]

پس (اس دن) کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول ﷺ) آپ کو ان لوگوں پر بطور گواہ پیش کریں گے۔

پس ہمارے رسول ﷺ تمام امتوں کے گواہوں کے گواہ ہوں گے اور اپنی امت کے اعمال پر گواہ ہیں۔ اپنی حیات مبارکہ میں لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا سلوک کیا، آپ شاہد ہیں:

کن لوگوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہی۔

کن لوگوں نے آپؐ کی دعوت کو رد کیا۔

کن لوگوں نے آپؐ کے بعد آپؐ کی شریعت میں تبدیلیاں کیں۔

حدیث حوض میں آیا ہے:

لیردن علیّ اناس من اصحابی الحوض حتی اذا رأیتهم و عرفتهم اختلجوا دونی فاقول یا رب اصیحابی اصیحابی فیقال لی: انك لا تدری ما اهدثوا بعدك فاقول: تبا و سحقا لمن احدث بعدی۔

میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ حوض پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔ جب میں انہیں دیکھ لوں گا اور پہچان لوں گا۔ وہ میرے سامنے جھگڑنے لگیں گے تو میں کہوں گا اے رب میرے اصحاب، میرے اصحاب۔ جواب میں کہا جائے گا: آپ کو کیا معلوم ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا تبدیلیاں کی ہیں۔ اس پر میں کہوں گا: ہلاکت و تباہی ہو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد تبدیلیاں کی ہیں۔

۲۔ وَّمُبَشِّرًا: آپؐ ان لوگوں کو بشارت دیں گے جن لوگوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہی۔ ایمان لائے۔ آپؐ کے ساتھ جہاد کیا۔ قربانیاں دیں آپؐ کے بعد آپؐ کی شریعت کا تحفظ کیا اور تبدیلیاں لانے والوں کا مقابلہ کیا:

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ○ [2]

اور ان مومنین کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لیے بہتر اجر ہے۔

۳۔ وَّنَذِيْرًا: انسان خطرات میں گھرا رہتا ہے۔ اس کے داخلی اور بیرونی دشمن بے تحاشا ہیں۔ اس

---

[1] ۴/۴۱ نساء: ۴۱ [2] ۱۸/۲ کہف: ۲

لیے انسانی سعادت و کامیابی میں تنبیہ کا بنیادی کردار ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ حَذَّرَكَ كَمَنْ بَشَّرَكَ۔[1]　　جو (برائیوں سے) خوف دلائے وہ تمہارے لیے مژدہ سنانے والے کے مانند ہے۔

قرآن مجید میں اسی لیے لوگوں کے مقام نذارت کو زیادہ اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ○ [2]　　آپ تو صرف تنبیہ کرنے والے ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ○ [3]　　اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔

جب جہنمیوں کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو وہاں بھی ان سے پوچھا جائے گا: اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۔[4] کیا تمہارے پاس کوئی تنبیہ کرنے والا نہ آیا تھا؟ کیونکہ کسی تنبیہ پر توجہ دی جاتی تو آج جہنم جانے کی نوبت نہ آتی۔

۴۔ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ: غیر اللہ کی بندگی کو چھوڑ کر اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دینے والے کی اس دعوت میں اپنی ذات، اپنے مفاد کا شائبہ تک نہیں ہے۔ صرف اور صرف اللہ کی طرف دعوت دینے والا ہے۔

۵۔ بِاِذْنِهٖ: یہ دعوت باذن خدا ہوگی۔ اذن خدا سے ممکن ہے اشارہ ہو اس بات کی طرف کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس جس بات کی دعوت دیں گے وہ اپنی طرف سے نہیں باذن خدا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے: اذن خدا سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دعوت الی اللہ نہایت مشکل کام ہے۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے اذن خدا یعنی مدد خدا لازم ہے۔ بعض دیگر مفسرین اس کی اس طرح تشریح کرتے ہیں کہ بشارت و نذارت کے لیے اذن خدا لازم نہیں ہے جب کہ اللہ کی بارگاہ میں بلانا ہے تو اذن خدا لازم ہے۔ یہ تفسیر قابل تائید نہیں ہے چونکہ بِاِذْنِهٖ کا تعلق مذکورہ تمام فرائض کے ساتھ ہے، صرف دَاعِيًا کے ساتھ نہیں۔ چنانچہ سِرَاجًا مُّنِيْرًا کا تعلق صرف دَاعِيًا کے ساتھ نہیں ہے۔

۶۔ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا: روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ ظلمت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرے ہوئی جاہل قوم کو سعادت دارین کا راستہ دکھانے کے لیے جس روشنی کی ضرورت ہے وہ روشنی اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے۔ روشن چراغ کی گمراہ اور ہدایت یافتہ دونوں کے لیے ضرورت ہے۔ گمراہ کو راستہ دکھانے اور ہدایت یافتہ کو راستے کے خطرات سے بچانے کے لیے۔ ممکن ہے ایک شخص صحیح منزل کی سمت رواں دواں ہو مگر روشنی نہ ہونے کی وجہ سے کسی کھائی میں گر جائے۔ چنانچہ ہمیں بہت سے نظریاتی مسلمان کھائی میں گرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ اس سراج منیر سے کماحقہ استفادہ نہ کرنا ہے۔

---

[1] نہج البلاغۃ۔ حکمت: ۵۹　[2] ۳۵ فاطر: ۲۳　[3] ۳۵ فاطر: ۲۴　[4] ۶۷ ملک: ۸

اہم نکات

۱۔ رسول ﷺ ہمارے اعمال پر گواہ ہیں۔
۲۔ بشارت اور نذارت دونوں کا تعلق انسانی اعمال سے ہے۔
۳۔ روشن چراغ سے چشم بینا فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور مومنین کو یہ بشارت دیجیے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہوگا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ: جو لوگ ایمان پر ثابت قدم ہیں یہ بشارت ان لوگوں سے مربوط ہے۔

۲۔ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا: ان مومنین کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہوگا چونکہ مومن جو عمل صالح بجا لاتا ہے اس سے ان نعمتوں کا بھی حق ادا نہیں ہوتا جو دنیا میں انہیں اللہ کی طرف سے مل جایا کرتی ہیں:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ...[1]

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو انہیں شمار نہیں کر سکو گے۔

خود اعمال صالحہ بھی اللہ کی طرف سے توفیق ملنے پر انجام پاتے ہیں۔

لہٰذا اعمال صالحہ پر جو بھی اجر و ثواب عطا ہوگا وہ از باب استحقاق نہیں بلکہ تفضلاً ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے جس فضل کبیر کی بشارت دینے کا حکم فرمایا ہے اس کی طرف دیگر آیات میں اشارے ملتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝[2]

اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجا لائے ہیں وہ جنت کے گلستانوں میں ہوں گے، ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس جو وہ چاہیں گے موجود ہوگا، یہی بڑا فضل ہے۔

ان رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ میں کیا ہے؟ ان کی طرف اشارہ فرمایا:

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ.[3]

اور اس میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جس کی نفس خواہش کرے اور جس سے نگاہیں لذت حاصل کریں۔

دوسری جگہ فرمایا:

---

[1] ۱۶ نحل: ۱۸ [2] ۴۲ شوری: ۲۲ [3] ۴۳ زخرف: ۷۱

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ [1]

اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے صلے میں ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک کا کیا کیا سامان پردۂ غیب میں موجود ہے۔

نیز قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کے لیے جو اجر و ثواب معین فرمایا ہے، اس سے بھی بیشتر اللہ عنایت فرماتا ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ....[2]　　جنہوں نے نیکی کی ہے ان کے لیے نیکی ہے اور مزید بھی۔

نیکی کرنے والوں کے لیے جو نیکی الْحُسْنٰى ہے وہ معین ثواب ہے وَزِيَادَةٌ اس پر مزید بھی ہے۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ○ [3]　　وہاں ان کے لیے جو وہ چاہیں گے حاضر ہے اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔

جن چیزوں تک انسان کی خواہشوں کی رسائی نہیں ہوتی وہ بھی ان کو ملیں گی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ دنیا میں ہم اپنی خواہشوں کو وسائل اور علل و اسباب کے ذریعے پورا کرتے ہیں۔ جنت میں صرف ارادے يَشَآءُوْنَ کے ذریعے خواہشات پوری ہوں گی۔

اہم نکات

۱۔ جس فضل و کرم کو اللہ نے کبیر فرمایا ہے وہ قابل وصف و بیان سے بڑھ کر ہے۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۴۸

۴۸۔ اور آپ کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آئیں اور ان کی اذیت رسانی پر توجہ نہ دیا کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں اور ضمانت کے لیے اللہ کافی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ: اس جملے کی تشریح ابتدائے سورہ آیت نمبر ۱ میں ہو چکی ہے۔

۲۔ وَدَعْ اَذٰىهُمْ: کافر اور منافقین کی طرف سے جو اذیتیں ہو رہی ہیں انہیں اتنا میں نہ لائیں اور ان میں مشغول نہ ہوں۔ ان اذیتوں کو ہم پر چھوڑ دیں۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا بھروسہ کے لیے اللہ کافی ہے۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بشارت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کامیابی حاصل ہو گی اور یہ اذیت دینے والے ناکام ہوں گے۔

---

[1] ۳۲ سجدہ: ۱۷　[2] ۱۰ یونس: ۲۶　[3] ۵۰ ق: ۳۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اے مومنو! جب تم مومنات سے نکاح کرو اور پھر ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ انہیں عدت میں بٹھاؤ، لہٰذا انہیں کچھ مال دو اور شائستہ انداز میں انہیں رخصت کرو۔

تفسیر آیات

۱۔ اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ: نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جو مرد و زن کے درمیان باندھا جاتا ہے تاکہ دونوں زوجین (میاں بیوی) ہو جائیں۔ لغت میں اگرچہ نکاح، تزویج اور ہمبستری دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر قرآن میں یہ لفظ صرف تزویج کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تَمَسُّوْهُنَّ میں مس کرنا، چھونا، اشارہ ہے ہمبستری کی طرف۔ عدت، اس مدت کو کہتے ہیں جو عورت کو اپنے شوہر سے طلاق یا وفات کی وجہ سے فارغ ہونے کے بعد گزارنا پڑتی ہے جس کے بعد اس کے لیے دوسری شادی کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

۲۔ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ: نکاح کے بعد ہمبستری سے پہلے اگر طلاق ہو جائے تو عدت ٹھہرنا واجب نہیں ہے۔ چونکہ ہمبستری نہ ہونے کی وجہ سے عورت کا رحم فارغ ہے لہٰذا وہ طلاق ملتے ہی دوسرا عقد کر سکتی ہے۔

۳۔ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ: تمتع مال کو کہتے ہیں۔ طلاق دینے کے بعد انہیں کچھ مال دے کر اچھے طریقے سے فارغ کرو۔ یہ اس صورت کی بات ہے کہ اگر مہر کا تعیّن نہ ہوا ہو۔ اگر مہر کا تعین ہوا ہے تو سورہ بقرہ آیت ۲۳۷ میں فرمایا نصف مہر ادا کرنا ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ....

اور اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے قبل اور ان کے لیے مہر متعین کر چکنے کے بعد طلاق دو تو اس صورت میں تمہیں اپنے مقرر کردہ مہر کا نصف ادا کرنا ہوگا۔

اور اگر ہاتھ لگانے اور مہر معین کرنے سے پہلے طلاق دی جائے تو اس صورت میں کچھ مال دیا جائے۔ مالدار اپنی وسعت کے مطابق اور غریب اپنی وسعت کے مطابق دے۔ یہ حکم سورہ بقرہ آیت ۲۳۶ میں آ گیا ہے۔

اہم نکات

۱۔ نکاح کے بعد ہمبستری سے پہلے طلاق ہو جائے تو:

الف: حق مہر کا تعین ہو گیا ہے تو اس کا نصف دیا جائے۔

ب: اگر حق مہر کا تعین نہیں ہوا تو کچھ مال دیا جائے۔ امیر اور غریب اپنی اپنی وسعت کے

مطابق دیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

۵۰۔ اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کی ہیں جن کے مہر آپ نے دے دیے ہیں اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ نے (بغیر جنگ کے) آپ کو عطا کی ہیں نیز آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے (سب حلال ہیں) اور وہ مومنہ عورت جو اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کرے اور اگر نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں، (یہ اجازت) صرف آپ کے لیے ہے مومنوں کے لیے نہیں، ہمیں معلوم ہے کہ ہم نے مومنوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں کیا (حق مہر) معین کیا ہے (آپ کو یہ رعایت اس لیے حاصل ہے) تاکہ آپ پر کسی قسم کا مضائقہ نہ ہو اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، مہربان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ: یہ اعتراض بیمار ذہنوں میں پیدا ہو رہا تھا کہ مومنین کے لیے صرف چار بیویوں کی اجازت ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود چار سے زیادہ بیویاں رکھ رہے ہیں۔

جواب یہ ہے: جس اللہ نے عام مومنین کے لیے چار کی حد بندی کی ہے، اسی اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ حد بندی نہیں رکھی۔

ثانیاً: چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام عصمت پر فائز ہیں اس لیے دوسرے بشری تقاضوں کی حد بندی اپنے رسول کے لیے نہیں ہے۔

ثالثاً: ان ازواج کے ذریعے مختلف قبائلی عداوتیں ختم ہو گئیں۔

رابعاً: ان ازواج کے ذریعے بہت سی نسوانی تربیت آسان ہوگئی جو دوسری صورت میں نہیں ہوسکتی تھی۔ چنانچہ ازواج کے ذریعے تعلیمات اسلامی کا ایک قابل توجہ حصہ نسوانی معاشرے میں آسانی سے پہنچ گیا۔ اگر یہ ذاتی خواہشات کی بنیاد پر ہوتیں تو ازواج میں اکثر سن رسیدہ معمر نہ ہوتیں۔

اَلّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ: آپؐ کے لیے وہ ازواج حلال ہیں جن کے مہر آپؐ نے ادا کر دیے ہیں۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضورؐ مہر نقداً ادا فرماتے تھے۔

اس آیت سے ایک اہم اعتراض ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رسول ﷺ کا کوئی وارث نہیں بن سکتا تو پھر ازواج کو رسول اللہ ﷺ کے گھر کس طرح مل گئے؟ کچھ لوگ جواب دیتے ہیں کہ مہر میں۔ جب کہ اس آیت میں صراحت ہے کہ کسی زوجہ کا حق مہر رسولؐ کے ذمے نہیں تھا۔ سب کا مہر ادا ہوگیا تھا۔ اس کے بعد ان ازواج کا ذکر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر کیا ہے۔

۲۔ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ: دوسری قسم کی ازواج وہ ہوں گی جو مال فئی میں، بغیر جنگ کے غنیمت میں ہاتھ آ گئی ہوں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہوتی ہیں۔ چنانچہ ماریہ قبطیہ مادر ابراہیم، غنائم سے تھیں اور صفیہ اور جویریہ انفال سے۔ ان دونوں کو آپؐ نے آزاد کر کے اپنی زوجات میں شامل فرمایا۔ حضرت صفیہ، خیبر کی جنگ میں اور حضرت جویریہ، بنی المطلق کی لڑائی میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔

۳۔ وَبَنٰتِ عَمِّكَ: چچازاد، ماموں زادے، پھوپھی زاد اور خالہ زاد خواتین میں سے جن خواتین نے ہجرت کی ہے وہ بھی آپ کے لیے حلال ہیں۔ ابتدائے اسلام میں ہجرت کو ایمان کے مترادف قرار دیا جاتا تھا اور ہجرت کے بغیر کوئی فرد مسلمانوں کے ساتھ رشتہ ولایت میں شامل نہیں ہوسکتا تھا۔

۴۔ وہ خاتون جو اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دے اور بلا مہر رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آنا پسند کرے۔ خَالِصَةً لَّكَ: یہ حکم صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص ہے، باقی مومنین کے لیے نہیں ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ نے کسی خاتون کو اس اجازت کے تحت اپنی زوجیت میں لیا ہے۔ کہتے ہیں حضرت میمونہ کو اس اجازت کے تحت اپنی زوجیت میں لیا تھا لیکن چونکہ آپؐ نے حضرت میمونہ کو بھی مہر دے دیا تھا اس لیے کچھ مفسرین انہیں اس اجازت میں شمار نہیں کرتے۔ بعض کے نزدیک زینب بنت خزیمہ نے اپنے آپ کو ہبہ کیا تھا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ایک روایت کے مطابق یہ خاتون ام شریك بنت جابر تھیں۔ (مجمع البیان)

۵۔ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ: ہمیں معلوم ہے کہ عام مومنین پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں ہم نے کیا حد بندیاں متعین کی ہیں۔ ان کے لیے مہر کا تعین اور عدد کی چار تک حد بندی ہے۔ کنیز ہے تو خرید، ارث، ہبہ اور اسیری کے ذریعے ہی مالک بن سکتے ہیں۔

۶۔ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ: تاکہ اے رسول ﷺ! آپؐ پر کوئی تنگی اور مضائقہ نہ ہو۔ اس جملے کا تعلق اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ سے ہے کہ ہم نے ازواج آپؐ کے لیے حلال کر دی ہیں تاکہ آپؐ کسی مضائقے میں نہ ہوں یا اس جملے کا تعلق اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا سے ہے؟ اگر اس کا تعلق اِنَّآ اَحْلَلْنَا سے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت اس لیے دی کہ آپؐ کو چار کی حد بندی کی وجہ سے کوئی مضائقہ نہ ہو اور اگر اس کا تعلق اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا سے ہے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ عام مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عورت اپنے آپ کو ہبہ کر کے بلا مہر کسی کی زوجیت میں جائے۔ یہ سہولت صرف آپؐ کے لیے ہے تاکہ آپؐ پر کوئی مضائقہ نہ ہو۔

میرے نزدیک اس جملے کا تعلق اِنَّآ اَحْلَلْنَا سے ہے۔ ہم نے چار سے زیادہ ازواج آپؐ کے لیے حلال کر کے بہت سے تبلیغی مسائل میں آسانیاں پیدا کی ہیں۔ چنانچہ ہم نے پہلے اس بات کو بیان کیا ہے کہ ازواج کے ذریعے قبائلی عداوتیں ختم ہو گئیں، بہت سی نسوانی تربیت آساں ہو گئی اور خواتین سے متعلق اسلامی تعلیمات کا حصہ نسوانی معاشرے میں منتقل ہو گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے تبلیغ و ارشاد میں سہولت فراہم فرمائی۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝۵۱

۵۱۔ آپ ان بیویوں میں سے جسے چاہیں علیحدہ رکھیں اور جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جسے آپ نے علیحدہ کر دیا ہو اسے آپ پھر اپنے پاس بلانا چاہتے ہوں تو اس میں آپ پر کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہ اس لیے ہے کہ اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ بھی آپ انہیں دیں وہ سب اسی پر راضی ہوں اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا، بردبار ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ: اس جملے کا تعلق ازواج سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو تبلیغی مصلحتوں کی بنا پر متعدد قبائل کی خواتین کو اپنی زوجیت میں لیا تھا، دوسری طرف ان خواتین کی آپس کی رقابتوں اور دیگر رنجشوں کی وجہ سے جھگڑوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان الجھنوں کو دور کرنے کے لیے

یہ آیت نازل ہوئی اور حضور ﷺ کو مکمل اختیار دیا کہ ازواج کے ساتھ جو برتاؤ مناسب سمجھیں کریں۔ اللہ کی طرف سے یہ اختیارات ملنے کے بعد ازواج کی توقعات ختم ہوگئیں۔ حضورؐ کے ہر برتاؤ کے لیے وہ آمادہ ہوگئیں اور کسی قسم کی پریشانی کا امکان بھی ختم ہوگیا۔ روایات کے مطابق حضورؐ نے ان اختیارات کے بعد بھی سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا۔

۲۔ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ: یہ اختیار بھی آپ ﷺ کو دیا گیا کہ جس زوجہ کو آپؐ نے دور رکھا تھا اسے دوبارہ پاس بلا لیں۔ اس اختیار سے رسول اللہ ﷺ کو اپنا اختیار بدلنے کا بھی حق مل گیا۔ اس سے ازواج کی توقعات اور کم ہوگئیں اور ازواج کے درمیان تقسیم میں رد و بدل بھی ممکن ہوگیا۔

۳۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ: اللہ کی طرف سے اس فیصلے کے آنے اور ازواج کی تمام توقعات ختم ہونے کے بعد ازواج، رسول اللہ ﷺ کے ہر فیصلے پر خوش ہوں گی۔ خصوصاً جب رسول اللہؐ نے اس اختیار کے باوجود ازواج کے درمیان تقسیم اوقات میں یکساں برتاؤ فرمایا۔

۴۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ: اللہ تمہاری قلبی حالت سے واقف ہے کہ تم کس حکم کو پسند اور کس حکم کو ناپسند کرتے ہو۔

۵۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا: اللہ اپنے علم کی بنیاد پر قانون بناتا ہے اور اپنے حلم کی بنا پر حکم کو ناپسند کرنے والوں کو سزا دینے میں عجلت سے کام نہیں لیتا۔

اہم نکات

۱۔ زوجہ کو دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے: رضایت قلبی اور بے غمی: تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ....

۲۔ توقعات زیادہ ہونے سے رنجشیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اس کے بعد آپ کے لیے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ اس بات کی اجازت ہے کہ ان بیویوں کو بدل لیں خواہ ان (دوسری) عورتوں کا حسن آپ کو کتنا ہی پسند ہو سوائے ان (کنیز) عورتوں کے جو آپ کی ملکیت میں ہوں اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ: بظاہر آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ مذکورہ چھ اصناف اور نو ازواج کے بعد

آپ کے لیے دیگر عورتیں حلال نہیں ہیں۔ جس طرح عام مومنین کے لیے چار سے زیادہ جائز نہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نو ازواج سے زیادہ جائز نہیں۔ اگر مِنۡۢ بَعۡدُ کے بعد مضاف الیہ من ذکرن ہے تو مذکورہ اصناف اور اعداد دونوں ہو سکتے ہیں اور اگر مِنۡۢ بَعۡدُ کے بعد ''وقت'' کو مضاف الیہ مان لیا جائے یعنی من بعد الیوم تو اس صورت میں آیت اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا.... کے لیے ناسخ ہو گی۔

مجمع البیان کی ایک روایت کے مطابق لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ میں النِّسَآءُ سے مراد سورہ نسآء میں مذکور خواتین ہیں۔ دیگر اور اقوال بھی ہیں لیکن ہم ظہور کی وجہ سے پہلی صورت اختیار کرتے ہیں۔

۲۔ وَّلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ: اسی طرح تبدیل کرنا بھی جائز نہ ہو گا کہ ان موجودہ ازواج میں سے کسی ایک کو طلاق دی جائے اور اس کی جگہ کسی اور عورت سے ازدواج کیا جائے۔

۳۔ اِلَّا مَا مَلَکَتۡ یَمِیۡنُکَ: کنیز عورتوں کے بارے میں یہ پابندی نہیں ہے۔ کنیز عورتوں کو تو آپ اپنی زوجیت میں لا سکتے ہیں۔

بعض روایات کے مطابق ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رشتہ دینے کا شرف حاصل رہے۔ اس پر حکم نازل ہوا چونکہ قبائل کی اس خواہش پر عمل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ممکن نہ تھا۔ البتہ یہ مسئلہ لونڈیوں کے بارے میں پیش نہیں آتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس استثنا سے فائدہ نہیں اُٹھایا اور اس حکم کے بعد کسی لونڈی کو اپنے نکاح میں نہیں لائے۔

اہم نکات

۱۔ تعدد ازواج کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے لیے حد بندی ہے: لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ....

۲۔ ظاہری حسن کو معیار نہیں بنانا چاہیے: وَّلَوۡ اَعۡجَبَکَ حُسۡنُهُنَّ....

۳۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اللہ کی طرف سے حلال و حرام کے پابند ہیں: لَا یَحِلُّ لَکَ....

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَکُمۡ اِلٰی طَعَامٍ غَیۡرَ نٰظِرِیۡنَ اِنٰىهُ وَ لٰکِنۡ اِذَا دُعِیۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَ لَا مُسۡتَاۡنِسِیۡنَ لِحَدِیۡثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ یُؤۡذِی النَّبِیَّ فَیَسۡتَحۡیٖ مِنۡکُمۡ ۫

۵۳۔ اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہونا مگر یہ کہ تمہیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے اور نہ ہی پکنے کا انتظار کرو، لیکن جب دعوت دے دی جائے تو داخل ہو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے بیٹھے نہ رہو، یہ بات نبی کو تکلیف پہنچاتی ہے مگر وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں لیکن اللہ حق بات کرنے

وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

سے نہیں شرماتا اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ بہتر طریقہ ہے تمہیں یہ حق نہیں کہ اللہ کے رسول کو اذیت دو اور ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی بھی نکاح نہ کرو، بتحقیق یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

تشریح کلمات

نٰظِرِیْنَ : (ن ظ ر) النظر یعنی انتظار۔

اِنٰىهُ : (ن ی) آنیٰ کسی چیز کی انتہا اور پختگی کے وقت کو پہنچ جانا۔

تفسیر آیات

۱۔ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ: اسلامی آداب وتہذیب رائج ہونے سے پہلے عربوں میں گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کا رواج عام تھا۔ اس جاہلانہ رواج کی وجہ سے بڑی خرابیاں وجود میں آتی تھیں۔ اس آیت کے شروع میں یہ حکم آیا کہ نبی ﷺ کے گھروں میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں۔ بعد میں سورہ نور میں تمام مسلمانوں کے گھروں میں جانے کے لیے اجازت لینا لازمی قرار دیا گیا۔ چار دیواری کے اندر انسان کو ایک آزاد ماحول کا حق دیا گیا اور اسلام نے چاردیواری کو حرمت دی، تقدس اور امن دیا۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ النور آیت ۲۶۔

۲۔ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ: مگر یہ کہ کھانے کی دعوت دی جائے تو ضرور داخل ہوں۔ یہ قید توضیحی ہے، احترازی نہیں ہے۔ یعنی اجازت ملنے کی صورت میں داخل ہونا جائز ہے خواہ کھانے کی دعوت ہو یا نہ ہو لیکن لفظ اِلٰى طَعَامٍ ہے، فی طعام نہیں ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ اگرچہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہو تو بھی طعام کے لیے بغیر دعوت کے داخل نہ ہوں۔ گھر میں اجازت سے داخل ہونے والوں کو خیال رکھنا ہوگا کہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت کا مطلب کھانے کی دعوت نہیں ہے۔

۳۔ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ: یعنی لا تدخلوها الا غیر ناظرین اناہ۔ نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوں مگر یہ کہ کھانا تیار ہونے تک بیٹھے نہ رہتے ہوں۔ یعنی نبی کے گھر میں داخل ہونا دو صورتوں میں

جائز ہے: ایک یہ کہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اجازت سے داخل ہونے کی صورت میں کھانا تیار ہونے تک کے انتظار میں نہ رہیں تو داخل ہو سکتے ہو۔

یہ پابندی اس بے قاعدگی کی وجہ سے لگی جو اس وقت کے غیر مہذب عربوں میں پائی جاتی تھی کہ گھر میں بیٹھے رہنے والوں کے لیے کھانا تیار کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا تھا اور انہیں اُٹھانا بھی مروت کے خلاف ہو جاتا۔

۴۔ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا: لیکن جب کھانے کی دعوت دی جائے تو کھانے کے وقت بھی گھر میں داخل ہو سکتے ہو۔ یہاں مطلق گھر میں داخل ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے لیے دعوت نہیں، اجازت درکار ہوتی ہے بلکہ کھانے کے وقت گھر میں داخل ہونے یا کھانے کے وقت سے پہلے داخل ہو کر کھانے کے وقت تک بیٹھے رہنے کے بارے میں ہے۔

واضح رہے ہمارے نام نہاد مہذب دور میں بھی کسی کے ہاں جانے میں ان آداب کا خیال نہیں رکھا جاتا۔

۵۔ فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا: کھانا کھانے کے بعد منتشر ہو جائیں۔ اٹھ جائیں اور اپنے اپنے گھروں کو جائیں۔ مزید بیٹھے رہنے سے میزبان کو اپنے گھر کے امور کی انجام دہی میں دقت پیش آ سکتی ہے۔

۶۔ وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ: نہ ہی بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتوں کا سلسلہ شروع کرو اور گھر والوں کو اس انتظار کے عذاب میں نہ ڈالو کہ کب نکلیں گے۔

۷۔ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ: اس قسم کی نامناسب حرکتوں کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت ہوتی ہے۔ ان کے معمولات زندگی متاثر ہوتے ہیں اور چونکہ اس مسئلے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی بات ہے اس لیے لوگوں کو ایسی ہدایات بھی جاری نہیں کر سکتے تھے جب کہ گھر بھی صرف ایک کمرے پر مشتمل ہے۔

۸۔ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ: وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں روایت ہے: کان شدید الحیاء آپ نہایت باحیا تھے۔

۹۔ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ: اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا دفاع فرمایا: اللہ حق بات کرنے سے نہیں شرماتا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن حالات سے دوچار تھے ان کا دفاع حق اور حقیقت تھا جسے اللہ ترک نہیں کر سکتا تھا۔

۱۰۔ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ: ابن سعد کے مطابق آیہ حجاب سنہ ۵ ہجری کو نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے حجروں میں پردے آویزاں ہوئے۔ دیگر مسلمانوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں پردے آویزاں کیے۔

۱۱۔ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ : اگر تم ازواج رسول سے کوئی چیز مانگو تو ان کے سامنے مت جایا کرو۔ پردے کے پیچھے رہ کر مانگا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں لوگوں کا ہمیشہ آنا جانا رہتا تھا اور حجاب کا حکم

آنے سے پہلے رو بہ رو ہو کر چیزیں مانگا کرتے تھے۔ اس آیت کے ذریعے یہ بات ممنوع ہو گئی کہ ازواج، اجنبی مردوں کے سامنے آئیں اور مردوں کے لیے بھی منع آ گیا کہ وہ ازواج کے سامنے نہ آئیں۔

۱۲۔ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ: حجاب، مرد اور عورت دونوں کے دلوں میں آنے والے ممکنہ شیطانی وسوسوں سے پاک رہنے کا ذریعہ ہے چونکہ نگاہ، فساد اخلاق کا پہلا زینہ ہے۔ آنکھوں کو وہ چیز بھلی لگتی ہے جو روح کو بری لگتی ہے۔

حدیث میں ہے:

النَّظَرُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيسَ ....[1] نظر، ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

جس کی روح میں پاکیزگی ہوتی ہے اس کی نظر اس کی روح کی پیروی کرتی ہے۔ اس کی نظر پر روح کی حاکمیت ہوتی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں دل پاک ہونا چاہیے۔ پردہ دل میں نہ ہو تو ظاہری پردے کا کیا فائدہ؟ ان لوگوں کی خدمت میں عرض ہے: جسم کا پردہ دل کے تابع ہے۔ اس دل کی کوئی وقعت نہیں جس کا کردار پر کوئی اثر نہ ہو۔ قرآن فرماتا ہے: پردہ کرنا دل کی پاکیزگی ہے۔ اس کا مفہوم یہی ہے کہ پردہ نہ کرنے سے دل کا پاکیزہ نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ آخر تمہارے دل ہی نے تو کہا ہے: پردہ نہ کرو۔ اپنے حسن و جمال کا مظاہرہ کرتی پھرو۔ اس ناپاک دل کا یہ تقاضا ہے کہ تم سب کے سامنے اپنی زیب و زینت کی نمائش کرو۔ اگر تمہارا دل پاک ہوتا تو اپنے جسم کے محاسن کو غیر مردوں پر ظاہر کرتے ہوئے شرم آتی۔ دل کو عمل اور کردار سے الگ کر دینا بدعملی کے لیے ایک طفلانہ بہانہ ہے۔

ایک روشن خیال کا ایک دیندار کے ساتھ مکالمہ قابل توجہ ہے۔

روشن خیال نے جو اپنی بے حجاب بیوی کے ساتھ ہے، ایک دیندار کو دیکھا جو اپنی باحجاب زوجہ کے ساتھ ہے۔

روشن خیال دیندار سے: یہ کیا دقیانوسیت ہے اس بیچاری کو پردے کے پیچھے بند کر رکھا ہے۔ کیا تمہاری عقلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے جو اپنی زوجہ کو پردے میں بند رکھتے ہو؟

دیندار: میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ یہ چونکہ میری پرائیویٹ بیوی ہے اس لیے میں اسے پردے میں رکھتا ہوں۔

روشن خیال کی بیوی اپنے شوہر سے: منہ بند نہیں رکھتے۔ تمہارے ساتھ میری بھی بے عزتی ہو گئی۔

۱۳۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے کے بارے میں مزید

---

[1] الکافی ۵: ۵۵۹

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ توبہ آیت ۶۱۔

۱۴۔ وَلَآ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا: روایت ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ نے کہا تھا: محمد ہمارے بعد ہماری عورتوں سے شادی کرتے ہیں ہم بھی ان کے بعد ان کی زوجات سے شادی کریں گے۔ اس کے قول سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت ہوئی۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد شادی کرنا ممنوع نہ ہوتا تو لوگ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ازواج رسول سے شادی کر کے اپنا مقام بناتے اور سیاسی مقاصد حاصل کرتے جس سے اختلاف بڑھ جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت ہوتی۔ چنانچہ قرآن میں صریح حکم موجود ہونے کے باوجود لوگوں نے زوجۂ رسول کو گھر سے نکالا اور ان سے اپنے سیاسی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کی۔

۱۵۔ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا: رسول صلی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کی ازواج سے شادی کرنا اللہ کے نزدیک نہایت سنگین جرم ہے چونکہ ازواج رسول مومنین کی مائیں ہیں اور ماں سے ازدواج کا تصور حرام ہے۔

اہم نکات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق گھروں کی چار دیواری کا تقدس ہر مسلم پر واجب ہے۔
۲۔ کسی کے گھر میں بلاوجہ دیر تک نہیں بیٹھنا چاہیے۔
۳۔ کھانے کے وقت ہر کسی کے ہاں نہیں جانا چاہیے۔
۴۔ میزبان کو اذیت نہیں دینی چاہیے۔
۵۔ حجاب دل کی طہارت کی علامت ہے۔
۶۔ ہر اس عمل سے پرہیز کرنا چاہیے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت ہو۔

اِنۡ تُبۡدُوۡا شَيۡـًٔا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۵۴﴾

۵۴۔ تم کسی بات کو خواہ چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تو یقیناً ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔

تفسیر آیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے والی باتوں اور حرکتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے خواہ تم اسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو۔ کسی جرم کو پوشیدہ رکھ کر یہ خیال کرنا کہ کسی کو اس کا علم نہیں ہوا، علم خدا پر کفر ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيۡهِنَّ فِىۡۤ اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ

۵۵۔ (رسول کی) ازواج پر کوئی مضائقہ نہیں اپنے باپوں، اپنے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھتیجوں

اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝۵۵

اپنے بھانجوں، اپنی مسلم خواتین اور کنیزوں سے (پردہ نہ کرنے میں) اور اللہ کا خوف کریں، اللہ یقیناً ہر چیز پر گواہ ہے۔

۱۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ: ازواج نبی پر درج آیت افراد کے لیے پردہ کرنا لازم نہیں۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نور آیت ۳۱

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶

۵۶۔ اللہ اور اس کے فرشتے یقیناً نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ سابقہ آیات میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے مربوط احکام بیان فرمائے۔ امت کو وہ آداب بھی بیان کیے جو آپؐ کے ساتھ بجا لانا چاہئیں اور ان باتوں کی بھی نشاندہی فرمائی جن سے آپ ﷺ کو اذیت ہوتی ہے۔

اس کے بعد امت اسلام کو اس بات کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ اپنے رسول ﷺ پر درود و سلام بھیجا کرو۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ امت کو درود کا حکم دینے سے پہلے فرمایا: اللہ اور فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا بیان ہے کہ اللہ کے ہاں ان کا کیا مقام ہے اور ساتھ اس میں درود کی اہمیت کا بھی بیان ہے کہ یہ وہ اہم کام ہے جسے خود اللہ تعالیٰ اور فرشتے انجام دیتے ہیں۔ یہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ [1] ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا، کا عملی مظاہرہ ہے۔

۲۔ صلوۃ: حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے صلوۃ کے بارے سوال ہوا تو فرمایا:

الصلوة من الله عز و جل رحمة و من الملائكة تزكية و من الناس الدعاء۔ [2]

صلوۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور فرشتوں کی طرف سے پاکیزگی کا اظہار اور لوگوں کی طرف سے دعا ہے۔

---

[1] ۹۴ الشرح: ۴ [2] تفسیر الصافی

مومن جب اللہ کی بارگاہ میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے حق میں کی گئی دعا کو زیادہ پسند فرماتا ہے۔ حدیث نبوی ہے:

مَنْ صَلَّی عَلَیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ مَلَائِکَتُہُ وَ مَنْ شَاءَ فَلْیُقِلَّ وَ مَنْ شَاءَ فَلْیُکْثِرْ ۔[1]

جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اس پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ پس جو چاہے کم درود بھیجے جو چاہے زیادہ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں اس حدیث نبوی کی تشریح موجود ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اِذَا ذُکِرَ النَّبِیُّ فَاَکْثِرُوا الصَّلَاۃَ عَلَیْہِ فَاِنَّہُ مَنْ صَلَّی عَلَی النَّبِیِّ ص صلاۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ اَلْفَ صَلَاۃٍ فِی اَلْفِ صَفٍّ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ وَ لَمْ یَبْقَ شَیْءٌ مِمَّا خَلَقَہُ اللّٰہُ اِلَّا صَلَّی عَلَی الْعَبْدِ لِصَلَاۃِ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَ صَلَاۃِ مَلَائِکَتِہِ ...۔[2]

جب نبی کا ذکر ہو تو کثرت سے ان پر درود بھیجو چونکہ جو شخص نبی پر ایک بار درود بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی ایک ہزار صفوں میں اس پر ایک ہزار درود بھیجتا ہے اور اللہ اور اس کے فرشتوں کے درود بھیجنے پر تمام مخلوقات بھی درود بھیجیں گی۔

۳۔ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا: اپنے نبی پر درود کے ساتھ سلام بھی بھیجو۔ سلام کے دو معنی بیان ہوئے ہیں: ایک یہ کہ سلام بمعنی تسلیم و اطاعت ہے۔ یعنی ان پر درود بھیجو اور ہر حکم کو تسلیم کرو۔ دوسرا یہ کہ سلام بمعنی سلامتی ہو۔ یعنی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجو اور ہر نقص سے سلامتی کا اظہار کرو۔ اس میں شان رسالت کی عظمت و بلندی کا اظہار ہے۔ ان دونوں معنوں میں کوئی تصادم نہیں ہے بلکہ قابل جمع ہیں۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں اپنی ایک تہائی صلوات، بلکہ آدھی بلکہ پوری آپ کے لیے مختص کرتا ہوں تو مجھے کیا اجر ملے گا؟ فرمایا:

اِذاً تُکْفَی مَئُونَۃَ الدُّنْیَا وَ الآخِرَۃِ. [3]

پھر تیری دنیا و آخرت کی تمام ضرورتوں کے لیے یہی کافی ہے۔

یہی حدیث کچھ فرق کے ساتھ مسند احمد ۵: ۱۳۶ میں بھی مذکور ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے۔

مَافِی الْمِیْزَانِ شَیْءٌ اَثْقَلَ مِنَ الصَّلَاۃِ عَلَی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ۔ [4]

(قیامت کے دن اعمال کے) ترازو میں محمد و آل محمد پر درود سے زیادہ کسی عمل کا وزن نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

---

[1] الکافی: ۲: ۴۹۲　[2] الکافی ۲: ۴۹۲　[3] الکافی ۲: ۴۹۱　[4] الکافی ۲: ۴۹۴

الصَّلَاۃُ عَلَیَّ وَ عَلَی اَھْلِ بَیْتِی تَذْھَبُ بِالنِّفَاقِ۔[1] مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نفاق کو دور کر دیتا ہے۔

۴۔ درود کے الفاظ: جب اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی حکم صادر ہوتا ہے تو اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان ہوتا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج کا حکم آیا تو ان کا طریقہ بھی بیان ہوا۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے:

صلّوا کما رأیتمونی أصلی۔[2] نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حبیب پر درود بھیجنے کا حکم آیا تو یہ سوال ذہنوں میں پیدا ہونا قدرتی امر تھا کہ درود بھیجنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ ہمیشہ کی طرح رسول اللہ ﷺ کے معاصر اصحاب نے سوال کیا۔ اس غرض سے سوال کیا جاتا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے سوالوں کا جو جواب ارشاد فرمائیں، اس پر مخاطبین اولین بھی عمل کریں اور قیامت تک آنے امت کے والے افراد بھی عمل کریں۔ آیندہ صفحات میں رسول اللہ ﷺ کا جواب اور امت کا عمل آپ کے سامنے آئے گا۔

i۔ کعب بن عجرۃ کی صحیح السند روایت: یہ حدیث تین طرق سے روایت ہے:

الف۔ حدثنا قیس بن حفص و موسیٰ بن اسماعیل قالا حدثنا عبد الواحد بن زیاد حدثنا ابو فروۃ مسلم بن سالم الھمدانی قال حدثنی عبداللّٰہ بن عیسی سمع عبد الرحمن بن ابی لیلی قال لقینی کعب بن عجرۃ...الخ۔[3]

کہتے ہیں: ہم نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ ہم آپ کے اھل البیت پر کیسے درود بھیجیں؟ اللہ نے ہمیں یہ تعلیم تو دی ہے کہ ہم آپ پر کیسے سلام کریں۔ تو آپؐ نے فرمایا: کہو:

اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید، اللّٰھم بارك علی محمد و آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و آل ابراھیم انک حمید مجید۔

ب: اس حدیث کو دوسرے طریق سے بخاری نے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے۔[4]

ج: تیسرے طریق میں انہی الفاظ کے ساتھ روایت ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری ۷: ۱۵۶۔

اس طریق سے مسلم نے اپنی صحیح ۲:۱۶ میں اور ابوداؤد نے اپنی سنن ۱: ۲۲۱ میں روایت کی ہے۔

اس حدیث کو نسائی نے اپنی سنن ۳: ۴۷۔ ۴۸ میں تین طرق سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] الکافی ۲: ۴۹۲ [2] بحار الانوار ۸۲: ۲۷۹ [3] صحیح بخاری ۴: ۱۱۸ حدیث ۳۳۷۰ [4] صحیح بخاری ۶: ۲۷

اللّٰھم صل علی محمد وآل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔ اللّٰھم بارك علی محمد و آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔[1]

ii۔ ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری کی صحیح روایت۔ یہ حدیث بھی تین طرق سے روایت کی گئی ہے:

ابو مسعود کہتے ہیں:

ہم سعد بن عبادہ کی مجلس میں بیٹھے تھے تو رسول اللہؐ تشریف لے آئے تو بشیر بن سعد نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! آپؐ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپؐ پر درود بھیجیں تو ہم آپؐ پر کیسے درود بھیجیں؟ رسول اللہؐ نے سکوت اختیار فرمایا یہاں تک کہ ہم نے سوچا کاش یہ سوال نہ کیا ہوتا۔ پھر رسول اللہؐ نے فرمایا: کہو:

اللّٰھم صل علیٰ محمد و علی آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و آل ابراھیم و بارك علیٰ محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و آل ابراھیم فی العالمین انك حمید مجید و السلام کما علمتم۔

اس کی سند صحیح ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے اپنی سنن نمبر۹۸۰ میں عبد اللّٰہ بن مسلمة القعنبی سے روایت کیا ہے یہ روایت مؤطا امام مالك روایة یحیی ا: ۱۶۵،۱۶۶ میں موجود ہے۔ اس کی سند یہ ہے:

قرأت علی عبد الرحمن مالك وحدثنا اسحاق اخبرنی مالك عن نعیم بن عبد اللّٰہ المجمر ان محمد بن عبداللّٰہ بن زید الانصاری فی حدیث عبد الرحمن و عبد اللّٰہ بن زید ھو الذی کان أوی الفداء بالصلاة اخبرہ عن ابی مسعود الانصاری انہ قال...۔ الخ

(مسند احمد۔ صحیح علی شرط مسلم۔)

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے تین طرق سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبل ۴: ۱۱۸۔ ۱۱۹، ۵: ۲۷۳۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم ۲: ۱۶، سنن دارمی ا: ۳۰۹، سنن الترمذی ۵: ۳۷، مستدرك حاکم ا: ۲۶۸، سنن دار قطنی ا: ۳۵۵۔

حاکم اپنے مستدرك ا: ۲۶۸ میں اس حدیث کو ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

ابو مسعود (عقبہ بن عمرو) کہتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور رسول اللہؐ کے سامنے

---

[1] سنن نسائی ۳: ۴۸

بیٹھ گیا۔ ہم بھی آپؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ اس نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! ہم کو معلوم ہو گیا کہ آپؐ پر سلام کس طرح کرنا چاہیے لیکن یہ فرمایئے کہ جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو آپ پر درود کس طرح بھیجیں؟ تو رسول اللہؐ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم نے یہ خواہش کی کہ سوال کرنے والے نے سوال ہی نہ کیا ہوتا۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

جب تم مجھ پر درود پڑھو تو کہو:

اللّٰھم صل علی محمد النبی الامی و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم و بارك علی محمد النبی الامی و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔

اس حدیث مبارکہ کو حاکم نیشاپوری نے ۱: ۲۶۸، ابوداؤد نے سنن حدیث ۹۸۱ میں محمد بن اسحاق بن یسار کی سند سے بیان کیا ہے۔ حاکم اور ذھبی نے اس حدیث کو صحیح علیٰ شرط مسلم قرار دیا ہے۔

iii۔ ابو سعید الخدریؓ کی صحیح روایت:

حدثنا عبداللّٰہ بن یوسف حدثنا اللیث قال حدثنی ابن الھاد عن عبد اللّٰہ بن خباب عن ابی سعید الخدری قال۔۔۔۔ الخ ۔

کہتے ہیں: ہم نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ آپؐ پر سلام کرنے کا طریقہ تو معلوم ہوا لیکن آپؐ پر ہم درود کیسے بھیجیں؟ آپؐ نے فرمایا: کہو:

اللّٰھم صل علیٰ محمد عبدك و رسولك کما صلیت علی ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم و بارك علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما بارکت علی علی ابراھیم و آل ابراھیم۔

اس حدیث کو صحیح بخاری ۴: ۱۱۸ حدیث ۴۷۹۸ میں، مسند احمد ۳: ۴۷، سنن نسائی ۳: ۴۹ میں ذکر کیا ہے۔

اس روایت کے پہلے جملے میں دیگر روایتوں کے برخلاف آل کا ذکر نہیں ہے۔ چونکہ دوسرے جملے میں آل کا ذکر ہے لہٰذا قرین واقع یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ آل راوی سے ساقط ہو گیا ہے۔ جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری ۱۱: ۱۳۲ میں یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔

iv۔ ابوھریرہ کی صحیح روایت:

کہتے ہیں کہ ہم نے کہا یا رسول اللہؐ! ہم آپؐ پر کیسے درود بھیجیں؟ تو فرمایا: تم اس طرح کہو:

اللّٰھم صل علی محمد و بارك علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت

و بارکت علیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔[1]

مجمع الزوائد میں ہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کو البزار نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد۲: ۱۴۴ باب الصلاۃ علیٰ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ابن القیم الجوزیۃ اس حدیث کو ابوھریرہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ہم آپؐ پر کیسے درود بھیجیں؟ تو فرمایا کہو:

اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک علی محمد و علی آل محمد کما صلیت و بارکت علی ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید و السلام کما قد علمتم۔

ابن القیم نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

یہ سند بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو جلاء الافھام:۱۳۔ طبع قاہرہ۔

۷۔ طلحۃ بن عبید اللّٰہ کی صحیح روایت:

حدثنا محمد بن بشر حدثنا مجمع بن یحی الانصاری حدثنا عثمان بن موھب عن موسی بن طلحۃ عن ابیہ۔۔۔ الخ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا کہ آپؐ پر درود بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہو:

اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم انک حمید مجید و بارک علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔[2]

اسنادہ قوی علیٰ شرط مسلم۔ اس حدیث کی سند میں مجمع بن یحی صرف مسلم کا راوی ہے جو صدوق ہے۔ باقی تمام بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔ البتہ حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر ۱: ۲۶۸ میں اسے حسن کہا ہے۔ یہی حدیث المصنف لابن ابی شیبہ۲: ۵۰۷، مسند ابی یعلی الموصلی حدیث۶۵۲۔۶۵۳ میں بھی موجود ہے۔

اس طریق سے روایت سنن نسائی ۳: ۴۸ میں ان الفاظ میں ہے:

اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و آل

---

[1] مجمع الزوائد ۱: ۱۴۴　　[2] مسند احمد بن حنبل ۱: ۱۶۳

ابراهيم انك حميد مجيد و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم و آل ابراهيم انك حميد مجيد۔

نیز کتاب عمل الیوم واللیلة للنسائی حدیث ۵۲ پر موجود ہے۔

vi۔زید بن خارجہ کی صحیح روایت:

حدثناعلی بن بحر حدثنا عیسی بن یونس حدثنا عثمان بن حکیم حدثنا خالد بن سلمة ان عبد الحمید بن عبدالرحمن...۔الخ

اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

حضرت زید بن خارجہ بن زید انصاری کہتے ہیں:

میں نے خود رسول اللہؐ سے پوچھا: آپؐ پر درود کیسے بھیجا جائے؟ تو فرمایا:

صلوا و اجتهدوا ثم قولوا: اللّٰهم بارك على محمد و علىٰ آل محمد كما باركت علىٰ آل ابراهيم انك حميد مجيد۔[1]

حدثنا على بن عبد اللّٰه قال حدثنا مروان بن معاوية قال حدثنا عثمان بن حكيم عن خالدبن سلمة عن موسىٰ بن طلحة قال اخبرنى زيد بن خارجة اخو بنى الحارث بن الخزرج قال قلت...۔ الخ

حضرت زید بن خارجہ کہتے ہیں:

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپؐ پر سلام کا طریقہ جان لیا ہے۔ لہٰذا درود کس طرح پڑھیں؟ آپؐ نے فرمایا: مجھ پر درود پڑھو اور کہو:

اللّٰهم بارك علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كما باركت علىٰ ابراهيم و آل ابراهيم انك حميد مجيد۔[2]

اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اسے نسائی نے اپنی سنن ۳: ۴۹ حدیث ۱۲۹۳، احمد نے مسند ۱: ۱۹۹ میں عثمان بن حکیم کی سند سے اور طبرانی نے المعجم الکبیر ۵: ۲۱۸ حدیث ۵۱۴۳ میں ابو خلیفہ حدثنا علی بن المدینی... کی سند سے روایت کیا ہے۔

سنن نسائی ۳: ۴۸ میں یہ حدیث ان لفظوں میں آئی ہے:

صلوا علی و اجتهدوا فی الدعاء و قولوا: اللّٰهم صل علی محمد و آل محمد۔

سنن النسائی الکبری ۶: ۱۹ میں یہ حدیث ان الفاظ میں ہے:

---

[1] مسند احمد ۱: ۱۹۹۔ التاریخ الکبیر للبخاری ۳: ۳۸۳۔ المعرفة والتاریخ للفسوی ۱: ۳۰۱

[2] فضل الصلوة علی النبیؐ للحافظ اسماعیل بن اسحاق القاضی حدیث ۴۹

صلوا و اجتهدوا فی الدعاء و قولوا: اللّٰهم صل علی محمد و آل محمد۔

vii۔ بریدۃ الخزاعی کی معتبر روایت

کہتے ہیں: ہم نے کہا: یا رسول اللہؐ! ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا آپؐ پر سلام کس طرح کرنا ہے۔ ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ تو فرمایا:

قولوا: اللّٰهم اجعل صلواتك و رحمتك و بركاتك علی محمد و آل محمد كما جعلتها علی ابراهيم و علی آل ابراهيم انك حميد مجيد۔[1]

اس کی سند یہ ہے: حدثنا يزيد بن هارون اخبرنا اسماعيل عن ابی داؤد الاعمی عن بريدة الخزاعی قال... الخ۔

viii۔ عبدالرحمن بن بشر انصاری کی صحیح روایت:

حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زيد عن ايوب عن محمد عن عبد الرحمن بن بشر بن مسعود قال...۔ الخ

عبد الرحمٰن بن بشر بن مسعود انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ پر سلام کہیں اور آپ پر درود پڑھیں۔ ہم نے آپؐ پر سلام کہنا تو جان لیا ہے۔ پس درود کس طرح پڑھیں؟ آپؐ نے فرمایا:

کہو اللّٰهم صلی علیٰ آل محمد كما صليت علیٰ آل ابراهيم اللّٰهم بارك علیٰ آل محمد كما باركت علیٰ ابراهيم۔[2]

اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

اسے حافظ ابن جریر طبری نے اپنی جامع البیان فی تفسیر القرآن ۲۲: ۳۲ میں صحیح سند کے ساتھ، ایوب السجستانی سے نسائی نے عمل الیوم و اللیلۃ صفحہ ۵۱ اور السنن الکبریٰ حدیث ۹۸۷۹ میں صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

ix۔ عبد اللہ بن جعفر کی صحیح روایت

حدثنی ابوالحسن اسماعيل بن محمد بن الفضل بن محمد الشعرانی حدثنا جدی حدثنا ابوبكر بن ابی شيبة الحزامی، حدثنا محمد بن اسماعيل بن ابی فديك حدثنی عبد الرحمن بن ابی بكر المليكی عن اسماعيل بن عبداللّٰه بن جعفر بن ابی طالب عن ابيه قال عن ابيه ...۔ الخ

عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کہتے ہیں:

---

[1] مسند احمد ۵: ۳۵۳　[2] فضل الصلاۃ علیٰ النبیؐ حدیث ۷۱

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت کا نزول ہوتے دیکھا تو فرمایا:

ادعوا لی ادعوا لی۔ میرے پاس بلاؤ میرے پاس بلاؤ۔

جناب صفیہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! کس کو بلائیں؟ فرمایا:

اھل بیتی علیا و فاطمة و الحسن و الحسین۔ فجیئی بھم فالقی علیھم النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کسائہ ثم رفع یدیہ ثم قال: اللّٰھم ھؤلاء آلی فصل علی محمد و علی آل محمد و انزل اللّٰہ عزوجل : اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔

میرے اہل بیت علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو بلائیں۔ جب ان کو بلا لایا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر ایک چادر ڈال دی۔ پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر فرمایا: بار الٰہا! یہ میری آل ہیں۔ پس محمد و آل محمد پر درود بھیج اور اللہ عزّوجلّ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔

حاکم نیشاپوری اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ھذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاہ۔[1]

یہ حدیث صحیح السند ہے اگرچہ بخاری اور مسلم نے ذکر نہیں کیا ہے۔

ذھبی نے بھی موافقت کی ہے۔ بعد ازاں حاکم نے لکھا ہے:

وقد صحت الروایة علیٰ شرط الشیخین انه علمھم الصلاة علیٰ اھل بیته کما علمھم الصلاة علیٰ آله۔

رہی ابو حمید الساعدی کی روایت جو صحیح بخاری ۶: ۲۷ میں منقول ہے:

کہتے ہیں: کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا ہم آپؐ پر کیسے درود بھیجیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہو:

اللّٰھم صل علی محمد و ازواجه و ذریته کما صلیت علی آل ابراھیم و بارك علی محمد و ازواجه و ذریته کما بارکت علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔

بعض لوگوں نے اس ایک حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آل سے مراد زوجات اور ذریت دونوں ہیں لیکن امام شوکانی نے اس کا جواب نیل الاوطار ۲: ۳۲۷ باب ما یستدل به علیٰ تفسیر آله المصلی علیھم میں دیا ہے:

[1] مستدرك حاکم ۳: ۱۴۷۔ ۱۴۸

ولكنه يشكل على هذا امتناعه من ادخال ام سلمه تحت الكساء بعد سؤالها ذلك و قوله صلى الله عليه وآله وسلم عند نزول هذه الآية مشيرا الى علي و فاطمة و الحسن و الحسين اللهم ان هو لاء اهل بيتي بعد ان جللهم بالكساء۔

اس حدیث پر اشکال یہ آتا ہے کہ آنحضرت نے ام سلمہؓ کے مطالبے پر بھی کساء کے نیچے داخل کرنے سے انکار فرمایا نیز آیہ تطہیر کے نزول کے موقع پر علی، فاطمہ، حسن اور حسینؑ پر کساء ڈالنے کے بعد ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اے اللہ یہ ہیں میرے اہل بیت۔

دیگر قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ روایت دیگر تمام روایات کے برخلاف ہے۔ اس کی ابتدا اور آخر میں ربط کلام نہیں بنتا۔ اے اللہ! محمد پر درود بھیج اور اس کی ازواج و اولاد پر جیسے تو نے ابراہیم کی آل پر درود بھیجا ہے۔ ربط کلام اس طرح ہونا چاہیے: جیسے تو نے ابراہیم کی ازواج پر درود بھیجا ہے۔ ظاہر ہے ابراہیمؑ کی ازواج کا انبیاء کی مائیں ہونے کے باوجود ذکر نہیں آیا۔ ہم آیندہ بتائیں گے کہ آل ابراہیم سے مراد قرآن کی صراحت کی روشنی میں کون ہیں؟

پھر اس روایت کے طریق میں امام مالك بن انس ہیں۔ جن کا حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کے بارے میں منفی موقف واضح ہے۔

ابو بکر بیھقی کہتے ہیں:

امام مالک سے عثمان اور علی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا: میں خون ریزی میں ملوث ہونے والے کو ملوث نہ ہونے والے کی طرح نہیں سمجھتا۔ ملاحظہ ہو: مناقب الشافعی ۱:۵۲۰۔

یعنی امام مالک کے نزدیک حضرت علیؑ (معاذ اللہ) ایک سفاک شخص ہیں جو حضرت عثمان کے برابر نہیں ہو سکتے۔

ناقص درود

آپ نے ملاحظہ فرمایا ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے کامل درود کی تعلیم فرمائی اور پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا نیز دیگر روایات سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

لا تصلوا علی الصلوۃ البتراء　　مجھ پر ناقص درود نہ بھیجو۔

تو لوگوں نے پوچھا: ناقص درود کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا

تقولون: اللّٰھم صل علی محمد و تمسکون. بل قولوا اللّٰھم صل علی

ناقص درود یہ ہے کہ اللّٰھم صل علی محمد کہہ کر رک جاؤ بلکہ یوں کہو: اللّٰھم صل علی محمد و علی

محمد و علی آل محمد۔[1] آل محمد۔

نواب صدیق حسن خان ھدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل صفحہ ۶۳ میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اخرجہ ابن سعد فی شرف المصطفی۔ بلاشبہ یہ حدیث کتاب شرف المصطفیٰ للحافظ ابی سعید عبد الملک بن ابی عثمان الخرکوشی المتوفیٰ ۴۰۶ھ جلد ۵: ۱۰۷ حدیث ۲۰۴۷ طبع مکۃ المکرمہ میں موجود ہے۔

۵۔آل محمد علیہم السلام کون ہیں؟:

صحرائے عرب کی تاریکی میں جب اسلام کی روشنی پھوٹی تو نہ صرف معاشرے کا حسن و قبیح بدلا، اقدار و پیمانے بدلے بلکہ اصطلاحیں بھی بدلیں، الفاظ کے معانی و مطالب بدلے۔ چنانچہ لغت میں الصلوۃ دعا کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اسلام نے اس لفظ کو استعمال کیا پھر اس کے شرعی معنی کا تعین کیا کہ اب کے بعد اس لفظ سے رکوع اور سجود پر مشتمل عبادت مراد لی جائے گی۔ الصوم ہر قسم کے امساك کو کہتے تھے۔ اسلام نے اس کے معنی کا تعین فرمایا۔ اب کے بعد اس لفظ سے مراد فجر سے لے کر مغرب تک چند چیزوں سے پرہیز کرنے کا عمل لیا جائے گا۔ حج قصد کو کہتے تھے۔ اسلام آنے کے بعد اس لفظ سے بیت اللہ کا قصد مراد لیا جانے لگا۔ ان معانی کے تعین کے لیے ہم عربی زبان کی ڈکشنری کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔

اب اسلامی انقلاب کے بعد ظاہر ہونے والی چند اہم اصطلاحات کا مطالعہ فرمائیں۔ مثلاً:

مہاجر کسے کہتے ہیں؟ اس اسلامی اصطلاح کے حدود اربعہ کے تعین کے لیے ہم لغت کے مادہ (ہ ج ر) کی طرف رجوع کر کے ڈکشنری سے اس کے معنی و مراد کا تعین نہیں کر سکیں گے۔

انصار کسے کہتے ہیں؟ اس سے مراد کون ہیں؟ اس کے تعین کے لیے ہم مادہ (ن ص ر) کی طرف رجوع نہیں کریں گے کہ لغت سے اس آیت سے مراد معلوم کر لیا جائے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ....[2] مہاجر و انصار سے مراد کون ہیں؟ ایک شخص فتح مکہ کے بعد کسی علاقے سے ہجرت کر کے آیا ہے اور دوسرے شخص نے مدینہ آ کر کچھ دن اسلام کی مدد کی ہو تو لغت کے اعتبار سے ان پر مہاجر و انصار صادق آئے گا لیکن آیت کے اطلاق میں کون لوگ شامل ہوں گے؟ اس کے لیے ہمیں جدید اسلامی اصطلاح کی طرف رجوع کرنا ہوگا، نہ لغت کی طرف۔

اسی طرح اسلامی اصطلاح میں آل اور اھل البیت سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کے تعین کے لیے لغت کی طرف رجوع کرنا درست نہ ہوگا بلکہ اسلامی مصادر کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ آل کے تعین کے لیے تین اہم اسلامی مصادر کی طرف رجوع کرنا کافی ہے:

---

[1] الصواعق المحرقۃ: ۲۳۴، کشف الغمۃ ۱:۲۱۹۔ [2] ۹ توبۃ: ۱۰۰

i۔ پہلا مصدر آیۂ تطہیر کی تفسیر میں وارد احادیث ہیں جن میں اھل البیت علیہم السلام کا تعین ہوا ہے۔ اس کی تفصیل اسی سورہ کی آیت ۳۳ آیۂ تطہیر کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

ii۔ دوسرا مصدر حدیث ثقلین ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انی تارك فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الآخر کتاب اللّٰہ حبل ممدود من السماء الی الارض و عترتی اھل بیتی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما۔

یہ حدیث تیس سے زائد اصحاب رسولؐ نے روایت کی ہے۔ اس متواتر حدیث میں اھل بیتی کے ساتھ عترتی کے لفظ سے آل کی مکمل وضاحت ہو جاتی ہے۔

iii۔ تیسرا مصدر: صلوۃ بھیجنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آل محمد کو آل ابراہیم کے ساتھ تشبیہ دے کر فرمایا: اے اللہ محمد و آل محمد پر صلوۃ بھیج جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراھیم پر صلوۃ بھیجی ہے۔

تحقیق اس بات پر ہونی چاہیے آل ابراھیم سے مراد کون ہیں۔ جو لوگ آل محمد سے مراد ہر مومن کو لیتے ہیں وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآن میں آل فرعون اس کے ماننے والوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نہیں معلوم ان کو آل فرعون کیوں یاد آتے ہیں کہ آل کو سمجھنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی طرف رجوع کرنے کی جگہ طاغوتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جب کہ ان احادیث میں آل محمد کو آل ابراہیم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ آیئے ہم قرآن سے پوچھتے ہیں کہ کیا آل ابراھیم میں ان کی اولاد کے علاوہ کوئی اور شامل ہے یا نہیں ہے۔ سورۃ النساء آیت ۵۴ میں فرمایا:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ○

کیا یہ (دوسرے) لوگوں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا کی اور انہیں عظیم سلطنت عنایت کی۔

چنانچہ یہ بات اپنی جگہ ہر ایک کے لیے مسلم ہے کہ کتاب، حکمت اور ملک عظیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو دی گئی ہے اور آل ابراھیم، اولاد ابراہیم سے خارج نہیں ہے اگرچہ بعض اولاد، آل سے خارج ہے۔ یعنی آل، سب اولاد ابراہیم سے ہے لیکن سب اولاد، آل ابراھیم نہیں ہے۔

درود کے الفاظ میں یہ کہا گیا ہے:

اے اللہ محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں اور ان پر رحمتیں بھی زیادہ نازل ہوتی ہیں تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء و اجداد میں شمار ہوتے ہیں۔ آل ابراھیم کے ساتھ تشبیہ کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ آل ابراھیم کا تعین متنازعہ نہیں ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ آل محمد کا تعین متنازعہ نہ رہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں یہ بات یقیناً تھی کہ لوگ آل محمد کی شان گھٹانے کے لیے آل کا تعین متنازعہ بنا دیں گے اور آل محمد کے حسد میں لوگ بہت آگے نکل جائیں گے:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ...[1] وہ حسد اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے نوازا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں۔ افضل ہونا اپنی جگہ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات پر فخر تھا کہ آپؐ اولاد ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ فرماتے تھے:

انا دعوۃ ابراھیم ....[2] میں دعائے ابراہیم ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ کی رحمت یہ رہی ہے کہ ان کے اولاد کے ذریعے رشد و ہدایت کا ایک سلسلہ جاری ہوا اور وہ ابوالانبیاء ٹھہرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو سلسلہ ہدایت جاری ہوا ہے وہ ان کی اولاد کے ذریعے قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ ہدایت چونکہ قیامت تک جاری رہنا ہے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ ہدایت ابدی ہے۔

درود کا دوسرا حصہ یہ ہے: آل محمد پر رحمت کا نزول فرما، جیسے تو نے آل ابراھیم پر رحمتوں کا نزول فرمایا ہے۔

ہمارا واضح اور کھلا موقف یہ ہے کہ جس طرح خود خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں اسی طرح آل محمد، آل ابراھیم سے افضل ہیں۔ چنانچہ جب آل ابراھیم، آل محمد دونوں ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو آل محمد کے مہدی آخر الزمان عج امامت کر رہے ہوں گے اور آل ابراھیم کے عیسیٰ علیہ السلام مقتدی ہوں گے۔

آل ابراھیم میں نہ ازواج ابراہیم ہیں، اگرچہ ازواج ابراہیم میں انبیاء علیہم السلام کی مائیں بھی ہیں، نہ ہر وہ آل ابراھیم ہیں جو ان پر ایمان لے آئے ہیں۔

آل محمد کی شان گھٹانے کی ایک کوشش روایات کا گھڑنا ہے۔ اس بارے ایک روایت مشہور ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: آل محمد کون ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا:

کل تقی۔ ہر پرہیزگار۔

---

[1] ۴/ نساء: ۵۴ [2] بحار الانوار ۳۸: ۶۲

اس روایت کی سند کو سندواہ، بے حقیقت سند کہا گیا ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ فرمایا:

آل کل مومن تقی۔　　میری آل ہر وہ شخص ہے جو مومن اور پرہیزگار ہو۔

اس روایت کی سند بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو ھدایۃ السائل صفحہ ۵۴۔ القول البدیع صفحہ ۶۳۔

آل ابراہیم میں آپ کی ذریت (اولاد) شامل ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ۝[1]

ارشاد ہوا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں، انہوں نے کہا: اور میری اولاد سے بھی؟ ارشاد ہوا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

اس آیت کے تحت امامت آل ابراہیم یعنی ذریت و اولاد ابراہیم میں رہی ہے۔

ظاہر ہے آل محمد پر بھی اس قسم کی رحمتیں نازل فرمانے کی دعا ہے اور چونکہ سلسلہ نبوت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گیا ہے لہٰذا یہ رحمتیں ان کی آل پر امامت و رہبری کی صورت میں نازل ہوں گی اور قرآن میں آل ابراھیم کے لیے کتاب، حکمت اور ملک عظیم کی صورت میں ان رحمتوں کا ذکر ہے۔ آل محمد کے لیے بھی یہ رحمت علم، کتاب، حکمت اور ملک عظیم کی صورت میں ہو گی۔ واضح رہے ملک عظیم سے مراد اطاعت و پیروی ہے۔ ایک معتدبہ مخلوق اگر ہر زمانے میں ان کی پیروی کرے تو یہ ملک عظیم ہو گا اور اس بات کے لیے کہ آل محمد کتاب و حکمت کے وارث ہیں۔ یہ امر کافی ہے کہ علم کے سلسلے میں سب لوگ آل محمد کی طرف رجوع کرتے تھے اور آل محمد نے بعد از رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی طرف رجوع نہیں کیا۔

اگر کسی کو اس بات پر اصرار ہے کہ ملک عظیم سے مراد داود و سلیمان علیہما السلام کی سلطنت ہے، وہ آل محمد میں دکھائی نہیں دیتی تو انہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے ظہور حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے بعد یہ ساری بات کھل کر سامنے آئے گی کہ سلسلہ ہدایت، علم، کتاب و حکمت اور ملک عظیم آل محمد کے ساتھ مختص ہو گا۔

اس لیے ابن حجر نے شرح ھمزیہ میں لکھا ہے:

> اھل البیت وہی ہستیاں ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور اھل البیت، آل اور ذوی القربی کی فضیلت میں جو کچھ بھی وارد ہوا ہے سب میں مراد یہی ہستیاں ہیں اور مشہور یہی ہے کہ اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد سے مراد بھی یہی ہستیاں ہیں۔
> ملاحظہ ہو علامہ نواب صدیق حسن خان ھدایۃ السائل صفحہ ۵۵۔

---

[1] ۲/ بقرہ: ۱۲۴

اسی کتاب کے صفحہ ۵۴ پر آل کے بارے میں لکھا ہے:

ایک قول یہ ہے کہ آل صرف اولاد فاطمہ اور ان کی نسل الی الابد ہے۔ اس قول کو نووی نے شرح مہذب میں ذکر کیا ہے۔ یہی شیعہ امامیہ کا موقف ہے۔

تفہیم القرآن کے مؤلف اس جگہ لکھتے ہیں:

ہر درود جو حضورؐ نے سکھایا ہے اس میں یہ بات ضرور شامل ہے کہ آپؐ پر ایسی ہی مہربانی فرمائی جائے جیسی ابراہیم اور آل ابراہیم پر فرمائی گئی ہے۔ اس مضمون کو سمجھنے میں لوگوں کو بڑی مشکل پیش آئی ہے۔ اس کی مختلف تاویلیں علماء نے کی ہیں مگر کوئی تاویل دل کو نہیں لگتی۔[1]

اس کے بعد خود ایک تاویل پیش کرتے ہیں کہ اس میں آل محمد کا ذکر ہی نہیں ہے۔ ما عشت اراك الدهر عجباً۔

آل پر درود۔ نظریاتی موقف: مسلمانوں میں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آل پر درود بھیجنا حکم رسول ﷺ ہے۔ لہٰذا اس حکم پر عمل کرنا اقلاً مسنون اور محبوب عمل ہے۔

ابن القیم کہتے ہیں:

آل النبی یصلی علیهم بلاخلاف بین الامة۔[2] — امت میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ آل نبیؑ پر درود بھیجا جاتا ہے۔

ابن القیم لکھتے ہیں:

جو لوگ نبی پر درود بھیجنا واجب سمجھتے ہیں، آل پر درود بھیجنے کے بارے میں دو مشہور قول ہیں۔

امام احمد کے اصحاب میں اس بات پر اختلاف ہے کہ آل پر درود بھیجنا واجب ہے یا نہیں۔ بہرحال آل پر درود بھیجنا سنت اور اللہ اور رسول ﷺ کے نزدیک محبوب عمل ہونے میں کسی مسلمان کو نظریاتی طور پر اختلاف نہیں ہے۔[3]

بیہقی و دارقطنی نے ابو مسعود انصاری سے رفعاً و وقفاً روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من صلی صلوة لم یصل فیها علی اهل بیتی لم تقبل منه۔[4] — جو کوئی درود بھیجے جس میں میرے اہل بیت پر درود نہ ہو اس کا درود قبول نہ ہوگا۔

مفتاح حصن حصین میں آیا ہے:

---

[1] تفہیم القرآن ۴: ۱۲۶ [2] و [3] جلاء الافہام [4] ہدایۃ السائل: ۶۳

الاقتصار علی الصلوۃ علیہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لا اعلم وردفی حدیث مرفوع الا فی سنن النسائی فی آخر دعاء القنوت قال فیہ: فصلی اللّٰہ علی النبی۔ ولم یقل فیہ: والہ، وفی سائر صفۃ الصلوۃ علیہ العطف بالآل۔[1]

میں ایسی مرفوع حدیث کو نہیں جانتا جس میں صرف حضورؐ پر درود کا ذکر ہو سوائے سنن نسائی کی ایک حدیث کے جو دعائے قنوت کے آخر میں ہے صلی اللّٰہ علی النبی صرف اس میں وآلہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام درود کی کیفیت میں آل کا لفظ موجود ہے۔

ابن حجر نے کہا ہے جس روایت میں آل کا ذکر نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ راوی سے یہ لفظ رہ گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ھدایۃ السائل صفحہ ۶۳۔

آل پر درود۔ عملی موقف

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب درود ابراہیمی پر مشتمل احادیث کا ذکر کرنے کا موقع آتا ہے جو رسول کریم ﷺ سے ثابت اور درود ابراہیم سے مشہور ہے، بادل ناخواستہ آل کا ذکر کرنا پڑتا ہے۔

لیکن خود جب درود بھیجتے ہیں تو آل کا ذکر ان کے لیے سنگین ہوتا ہے۔اور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کہتے اور لکھتے ہیں۔

اسی سنگینی کی بنا پر شربینی اپنی کتاب مغنی المحتاج صفحہ ۳۴۲ میں لکھتے ہیں:

والصحیح ان الصلوۃ علی الآل لا تجب فی الصلوۃ لبنائھا علی التخفیف۔

صحیح یہ ہے کہ آل پر درود بھیجنا نماز میں واجب نہیں ہے چونکہ نماز میں تخفیف ہوتی ہے۔

آل پر درود شعار رافضہ

وان تعجب فعجب قولھم کہ درود ابراہیمی میں آل پر درود صحاح میں ثابت اور مستحب ہونے پر امت کا اجماع ہونے کے باوجود آل پر مستقل طور پر درود بھیجنا مکروہ سمجھتے ہیں۔

چنانچہ فتح الباری نے ۱۱: ۱۴۶ میں اور زمخشری نے الکشاف ۳: ۵۵۸ میں لکھا ہے کہ آل پر مستقل طور درود بھیجنا یعنی علیہ الصلوۃ ، علیہ السلام کہنا درست نہیں چونکہ اس سے رافضہ کے ساتھ تشبیہ لازم آتی ہے۔

فخر الدین رازی اپنی تفسیر رازی ۱: ۲۰۶ میں لکھتے ہیں:

حضرت علی (علیہ السلام) بسم اللّٰہ بڑے اہتمام کے ساتھ بلند آواز میں پڑھتے تھے۔ جب بنی امیہ کی حکومت قائم ہوئی تو بڑے اہتمام کے ساتھ بسم اللّٰہ کو بلند آواز

---

[1] نواب صدیق حسن خان ھدایۃ السائل الی اداۃ المسائل صفحہ ۶۳ ط ھند

سے پڑھنا ممنوع کر دیا۔

اسی طرح بردسوی نے روح البیان ۴: ۱۴۲ میں لکھا ہے:

اصل تو یہ ہے انگوٹھی سیدھے ہاتھ میں پہنی جائے۔ جب یہ کام ظالموں کا شعار ہو گیا تو بائیں ہاتھ میں پہننی چاہیے۔

یہ ساری باتیں کور، کورانہ تعصب کی بنا پر ہیں۔ اس سلسلے میں اصل بات تو وہ تھی جو صاحب روح المعانی نے کہی ہے:

لا یخفی ان کراھة التشبه باھل البدع مقررة عندنا ایضا لا مطلقا بل فی المذموم و فیما قصد به التشبه بھم۔[1]

اہل بدعت کے ساتھ شباہت کا کام کرنا ہر صورت میں نہیں بلکہ اس صورت میں درست نہیں ہے کہ عمل خود قابل مذمت ہو اور قصد بھی شباہت قائم کرنے کا ہو۔

اس جگہ ایک عبادت اس بہانے ترک کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے اہل بدعت کے ساتھ شباہت ہوتی ہے۔ یہ نظریہ خود ایک کھلی بدعت ہے چونکہ اس میں ایک مسلمہ عبادت کو اہل بدعت کا عمل قرار دیا جا رہا ہے۔

جب کہ سنت متواترہ کے ساتھ قرآنی آیت کی بھی صراحت موجود ہے کہ بطور استقلال غیر نبی پر صلوات بھیجنا سنت الٰہیہ ہے۔ ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝[2]

اور آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔ جو مصیبت میں مبتلا ہونے کی صورت میں کہتے ہیں: ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درود ہیں اور رحمت بھی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

ایک ہمہ گیر آزمائش کے بعد جو لوگ مقام صبر و رضا پر فائز ہوتے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے درود ہے۔ یہ لوگ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ کے مصداق ہیں، ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو کئی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اس بارے میں امام شافعی کی تعبیر نہایت جامع ہے۔ وہ کہتے ہیں:

تزلزلت الدنیا لآل محمد و کادت لھم صم الجبال تذوب۔

آل محمد کے مصائب سے دنیا ہل کر رہ گئی ہے۔ جنہیں دیکھ کر سخت چٹانیں بھی پگھل جائیں۔

اس لیے یہ ہستیاں عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ کی اولین مصداق ہیں۔ اسی لیے ہم ان کے نام کے ساتھ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ کہتے ہیں۔ رغما لانف المعاندین۔

---

[1] روح المعانی ۱۱: ۱۶۱ [2] ۲ بقرہ: ۱۵۵ تا ۱۵۷

سخاوی، القول البدیع صفحہ ۴۳ طبع ہند میں لکھتے ہیں:

علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ غیر نبی کے لیے علیہ السلام کہنا درست ہے یا نہیں۔ بعض نے کہا ہے یہ عمل مکروہ ہے اور بعض علیہ السلام اور علیہ الصلوۃ میں فرق کے قائل ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: السلام کہنا ہر مومن زندہ اور مردہ، حاضر اور غائب کے لیے شرعاً درست ہے اور یہ اسلامی تحیت ہے۔ چنانچہ نمازی بھی کہتا ہے: السلام علینا و علی عباد اللّٰہ الصالحین اور الصلوۃ نہیں کہتے۔ اس سے فرق واضح ہو گیا۔

جب آیہ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَ تُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا وَ صَلِّ عَلَیۡہِمۡ ....[1] اور ہُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ ....[2] و دیگر آیات سے استقلالاً غیر نبی پر صلواۃ بھیجنا مستحسن عمل ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں:

ایسا کرنا اللہ اور رسولؐ کے لیے تو درست تھا مگر ہمارے لیے درست نہیں ہے۔

جب سوال پیدا ہوتا ہے جو کام خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا ہے وہ ہمارے لیے کس دلیل کی بنیاد پر درست نہیں ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل سنت نہیں ہے اور اللہ کا عمل حجت نہیں ہے؟ تو کہتے ہیں:

اب اہل اسلام کا شعار بن چکا ہے کہ وہ صلوۃ و سلام کو انبیاء علیہم السلام کے لیے خاص کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً سنت رسول کے ترک کو اہل اسلام شعار نہیں بنا سکتے۔

ثانیاً یہ اہل اسلام کا شعار نہیں ہے بلکہ یہ بنی امیہ اور بنی عباس کا اپنایا ہوا شعار ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں اہل اسلام کے صف اول کے اہل عمل کا عمل دکھائیں گے جو غیر انبیاء کے لیے کثرت سے علیہ السلام کا لفظ استعمال کرتے تھے اور کرتے ہیں۔

ہم یہاں صحیح بخاری کے ان مقامات کا ذکر کرتے ہیں جن میں امام بخاری نے ائمہ اہل بیت کے لیے علیہ السلام، علیہما السلام، علیہا السلام کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ کتاب الجمعۃ باب یقصر اذا خرج من موضعہ۔

۲۔ فاطمہ و علی علیہما السلام۔ کتاب الجمعۃ بابتحریض النبی۔

۳۔ ان علیا علیہ السلام: کتاب البیوع باب ما قیل فی الصواغ۔

---

[1] ۹ توبہ: ۱۰۳　　[2] ۳۳ احزاب: ۴۳

۴۔ و وهب الحسن بن علی علیهما السلام۔ کتاب الهبة باب اذا وهب دینا۔
۵۔ لفاطمة علیها السلام۔ کتاب الصلح باب کیف یکتب هذا۔
۶۔ ابنتی بفاطمة سلام اللّٰه علیها۔ کتاب البیوع۔
۷۔ و کانت فاطمة علیها السلام۔ تغسل الدم کتاب الجهاد باب لبس البیضة۔
۸۔ ان فاطمة علیها السلام اشتکت من الرحی۔ باب الدلیل علی ان الخمس۔

اسی طرح صحیح بخاری حدیث نمبر ۴۰۱۴، ۳۵۰۲، ۳۶۴۱، ۳۷۸۱، ۳۸۱۰، ۳۸۴۷، ۳۹۹۸، ۴۰۰۵، ۴۱۷۰، ۴۱۹۳، ۴۹۵۰، ۵۰۴۶، ۵۳۹۰، ۵۹۲۴ ملاحظہ ہوں۔

اس طرح ملاحظہ ہو: صحیح بخاری کتاب فرض الخمس میں یہ عبارت:

ان حسین بن علی علیهما السلام۔

کتاب المناقب باب صفة النبی میں یہ حدیث:

الحسن بن علی علیهما السلام۔

کتاب المناقب باب مناقب الحسن و الحسین میں یہ عبارت:

اُتَی عبید اللّٰه بن زیاد براس الحسین علیه السلام۔

اور دیگر بہت سے مقامات پر یہ لفظ ملاحظہ کر سکتے ہیں:

مسند احمد بن حنبل میں ملاحظہ فرمائیں:

جاء العباس و علی علیهما السلام ۱۵: ۲۳۹۔

دعا علیا علیه السلام۔ حدیث خیبر۔

و علی علیه السلام یمشی بجانبه۔ مسند احمد بن حنبل ۲: ۱۱۵۔

سنن ابی داؤد میں یہ عبارت ملاحظہ ہو:

و فاطمة علیها السلام حینئذ تطلب صدقة رسول اللّٰه۔ باب صفا یا رسول اللّٰه۔

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں سورۃ الانسان آیت ۸ وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ...۔ کے ذیل میں متعدد مقامات میں لکھتے ہیں:

ان هذه الایة نزلت فی حق علی علیه السلام۔

نیز اسی آیت کے ذیل میں ہے:

ان الحسن و الحسین علیهما السلام مرضا

نیز یہ عبارت ملاحظہ ہو:

اخذ علی علیه السلام بید الحسن و الحسین۔

آگے لکھتے ہیں:

ولا ینکر دخول علی علیه السلام فیه۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اشعة اللمعات شرح مشکوۃ ۱: ۴۰۵ میں لکھتے ہیں:

در متقدمین تسلیم بود بر اهل بیت رسول از ذریت و ازواج مطهرات و در کتب قدیمه از مشائخ اهل سنت و جماعت کتابت آن یافته میشود۔ و در متاخرین ترك آن متعارف شده۔

اهل البیت کے لیے علیه السلام لکھنا ہی شعار اہل اسلام تھا۔ چنانچہ علماء خود اپنی تصانیف میں آل محمد کے ساتھ بالاستقلال علیه السلام لکھتے ہیں۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت سید سعید کاظمی اپنے ایک رسالہ میں حوالہ دیتے ہیں۔ جذب القلوب صفحہ ۷۸:

در سنه سابعه غزوة خیبر بود که امیر المومنین علی علیه السلام چون سپر از دست مبارك او افتاد۔

اسی جذب القلوب کے صفحہ ۹۴ پر ہے:

درِ فاطمه زهرا سلام الله علیها۔

نیز اسی صفحہ پر ہے:

بعلی و فاطمه و حسن و حسین سلام الله علیهم خطاب میکرد۔

درود بر اصحاب : قابل توجہ یہ ہے کہ سید محمد بن اسماعیل امیر اپنی کتاب جمع التشتیت میں لکھتے ہیں:

فان قلت: الصلوة علی الاصحاب هل وردت فی احادیث التعلیم فی الروایة کما ثبتت فی الآل؟ قلت لا اعلم ذلك۔[1]	اگر یہ سوال ہو: کیا آل کی طرح اصحاب پر درود بھیجنے کی کوئی روایت احادیث تعلیم میں وارد ہوئی ہے؟ تو جواب یہ ہو گا مجھے کسی ایسی روایت کا علم نہیں ہے۔

آل پر درود کیوں ترک کیا گیا؟

صدر اسلام میں سب کے لیے اس بات میں کوئی ابہام موجود نہ تھا کہ آل سے مراد کون ہیں۔ سب کے ذہنوں میں یہ بات تھی کہ آل رسول کن کو کہتے ہیں۔ بعد میں بنی امیہ کے دور میں آل کا ذکر متروک کرنے کی وجہ وہ عناد اور دشمنی ہے جو لفظ آل کے ساتھ روا رکھی گئی۔ یعنی جنہیں اولاد فاطمہ وعلی علیہم السلام سے

---

[1] ان حکومتوں کی کوشش تھی کہ خود کو بھی آل ثابت کریں۔ ناکامی کی وجہ سے آل کے ذکر پر پابندی لگا دی۔

دشمنی تھی، انہیں لفظ آل سے بھی دشمنی تھی۔

اس جگہ ہم سید محمد بن اسماعیل امیر کی پوری عبارت لکھ دیتے ہیں جو انہوں نے جمع التشتیت میں لکھی ہے۔ جسے علامہ نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب ھدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل صفحہ ۶۳ طبع ہند میں نقل کیا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو تشہد میں حضورؐ پر درود کو واجب سمجھتے ہیں اور آل پر درود کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:

ائمہ حدیث قدیم زمانے سے لے کر آج تک اپنی کتابوں میں جب خاتم الانبیاءؐ پر درود لکھتے ہیں تو آل کا ذکر حذف کرنا اپنا شیوہ بنا رکھا ہے جب کہ انہیں علماء نے اپنی ان صحاح کتب میں ان احادیث کو بیان کیا جن میں درود کی تعلیم ہے۔ جن کتب کا احترام ہم پر واجب ہے۔ میں نے اس بارے میں سوال اٹھایا تو مجھے جو جواب دیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

ائمہ حدیث کے بارے میں جو چیز معلوم ہے وہ یہ ہے کہ جو روایت ان کے نزدیک صحیح ہے اس پر وہ اس وقت تک عمل کرتے ہیں جب تک ان کو علم نہ ہو جائے کہ اس حکم کو کسی اور حدیث یا آیت کے ذریعہ منسوخ کیا گیا ہے لیکن ائمہ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آل پر درود بھیجنے کا جو حکم ثابت ہے، منسوخ نہیں ہوا۔ لہٰذا آل پر درود نہ بھیجنے میں ان کا عذر یہ ہے کہ وہ ان اہل جفا و ضلال سے بچنا چاہتے ہیں جنہوں نے آل محمد سے دشمنی کی، ان کو خوفزدہ کیا اور انہیں جلا وطن کیا جیسا کہ بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں کے دور میں پیش آیا، باوجودیکہ یہ لوگ خود کو بھی آل میں شامل سمجھتے تھے۔[1] ان کے بارے میں یہ شعری زباں حال صادق آتی ہے:

اقتلونی و مالکا و اقتلوا مالکا معی

مجھے اور مالک کو قتل کرو مالک کو میرے ساتھ قتل کرو

یعنی مالک کے قتل کی خاطر مجھے بھی قتل کرو۔ لہٰذا ان زمانوں کے ائمہ حدیث کو اپنی بڑی چھوٹی تالیفات اور مجالس روایت کی املاء ات اور علوم درایہ میں گفتگو کے وقت آل پر درود کو حذف کرنا پڑا اور تقیہ کے طور پر ایسا عمل درست ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

---

[1] تاریخ یعقوبی ۳: ۷۸۔ شرح نہج الباغۃ ابن حدید ۴: ۴۸۰

پھر تقیہ ختم ہو گیا اور اس گمراہ فرقہ کی حکومت بھی ختم ہو گئی لیکن جس شیوہ پر بڑے بوڑھے ہو گئے اور چھوٹے بڑے ہو گئے اس پر لوگ چلتے رہے۔ نادانی کی وجہ سے اپنے قول وتحریر میں اس بات کو جاری رکھا جب کہ وہ ان احادیث پر ایمان رکھتے تھے جن میں درود کی تعلیم دی گئی ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

میں نے اس بات کو حواشی العمدۃ میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور اپنے سے پہلے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس موضوع پر کچھ لکھا ہو۔

میں نے سوال اٹھایا کہ ائمہ حدیث نے مذکورہ عذر کی وجہ سے آل کا ذکر نہیں کیا لیکن اگر ہم ان کتابوں میں سے کسی کتاب کی املاء کریں مثلاً صحیح بخاری کی تو کیا ہم بھی آل کا ذکر کریں یا نہ کریں۔

جواب میں فقیہانہ مباحث کے بعد لکھا ہے:

بہتر یہ ہے کہ پہلے جیسے اس کتاب میں ہے لکھا دیا جائے پھر اپنی طرف سے مکمل درود بھیج دیا جائے تا کہ املاء میں کمی بیشی نہ ہو اور ساتھ یہ بات بھی ہو جائے کہ اس نے اسی طرح درود بھیجا ہے جیسا کہ رسول اللہؐ نے درود کی تعلیم دی ہے۔

ملا محمد برخوردار اپنی کتاب شرح نبراس علی العقائد النسفیۃ صفحہ۱۰ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

بعض اہل تحقیق نے کہا ہے کہ خاتم المرسلین پر درود بھیجتے ہوئے لفظ آل کو بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومت کے دوران محدثین نے ترک کر دیا چونکہ وہ ان پر درود بھیجنے سے منع کرتے تھے بلکہ وہ تو ان پر سَب کرتے تھے۔

مکہ میں جب عبد اللہ بن زبیر کی حکومت قائم ہوئی تو اس نے چالیس جمعوں تک جمعہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ کہہ کر درود بھیجنا ممنوع قرار دیا کہ اس سے بنی ہاشم کی ناک اونچی ہو جاتی ہے۔[1]

بعض نے آل پر درود واجب نہ ہونے پر ایسی دلیل کا سہارا لیا ہے جسے تسلیم کرنا تو دور کی بات ہے اصلاً شائستہ تحریر نہیں ہے۔ کہتے ہیں:

آل پر درود واجب نہ ہونا بہتر موقف ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود بھیجنے کا حکم از خود بیان نہیں فرمایا بلکہ لوگوں کے سوال کے جواب میں یہ حکم صادر فرمایا ہے۔[2]

اس نامعقول دلیل کی رو سے قرآن میں جو احکام لوگوں کے سوال کرنے پر صادر ہوئے ہیں ان کا

---

[1] تاریخ یعقوبی ۲: ۷۸۔ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید۴: ۴۸۰　　[2] المغنی لابن قدامۃ ۱: ۵۸۱

واجب العمل نہ ہونا لازم آتا ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ....[1] اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ ....[2] لوگ آپ سے ماہ حرام میں لڑائی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ ....[3] لوگ آپ سے شراب کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

کیا حیض، حرمت کے مہینوں کے احکام واجب العمل نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگوں کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمائے ہیں؟ کیا وہ تمام احکام واجب العمل نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے سوال پر بیان فرمائے؟ کیا کوئی اس بات کا قائل ہے کہ احکام صرف وہ واجب ہیں جنہیں رسول اللہؐ نے از خود بیان کیا ہو۔ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔

اس جگہ شیخ عبدالمحسن صوری لبنانی کے اشعار کا ذکر مناسب ہو گا۔ وہ آل محمدؐ سے خطاب کر کے کہتے ہیں:

و عجیب ان حقابکم
قام فی الناس و فیکم لم یقم
یہ بات عجیب ہے جو حقوق لوگوں کو
تمہاری وجہ سے ملے وہ خود تمہیں نہیں ملے

رکبوا بحر ضلال سلموا
فیه والاسلام فیه ما سلم
وہ گمراہی کے سمندر میں سوار ہوئے تو خود بچ گئے
مگر اسلام نہیں بچا

ثم صارت سنة جاریة
کل من امکنه الظلم ظلم
اس کے بعد یہ بات لوگوں میں رائج ہو گئی
جس سے بھی ظلم ممکن ہوا اس نے ظلم کیا

چنانچہ اس ظلم میں اہل اقتدار سے اہل قلم کم نہیں ہیں۔

تشہد میں درود واجب ہے

فقہ جعفریہ کے مطابق نماز کے دونوں تشہد میں محمد و آل پر صلوات بھیجنا واجب ہے۔ فقہ جعفریہ

---

[1] ۲ بقرہ: ۲۲۲ [2] ۲ بقرہ: ۲۱۷ [3] ۲ بقرہ: ۲۱۹

کے ساتھ امام شافعی نماز کے دوسرے تشہد میں صلوۃ پڑھنا واجب قرار دیتے ہیں۔

نووی شافعی اپنی کتاب المجموع ۳: ۴۶۷ میں لکھتے ہیں:

ہمارے مذہب میں یہ ہے کہ صلواۃ پڑھنا تشہد میں واجب ہے۔ ہمارے علماء نے یہ بات حضرت عمر بن خطاب اور ان کے بیٹے سے نقل کی ہے اور اس بات کو الشیخ ابو حامد نے ابن مسعود اور ابو مسعود بدری سے نقل کیا ہے اور بیھقی وغیرہ نے شعبی سے روایت کیا ہے۔ یہی بات امام احمد سے دو روایات میں سے ایک ہے۔ امام مالك اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک صلوات پڑھنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے.... اسحاق نے کہا ہے کہ اگر صلوات کو جان بوجھ کر ترک کر دیا نماز صحیح نہیں ہے اور اگر بھول جانے کی وجہ سے ترک ہوگئی تو امید ہے نماز کافی ہو۔ ہمارے شافعی علماء نے وجوب پر آیۂ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا سے استدلال کیا ہے۔ شافعی نے کہا: اللہ نے اس آیت میں صلوات کو واجب کر دیا ہے اور حالات میں بہتر حالت نماز کی ہے۔ ہمارے علماء کا موقف یہ ہے کہ اس آیت سے صلوۃ کا واجب ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

علامہ دمیاطی اپنی کتاب اعانة الطالبین ۱: ۲۰۰ میں لکھتے ہیں:

بعض کا یہ موقف ہے آل پر درود بھیجنا تشہد میں واجب ہے اور یہی امام شافعی کا قدیم قول ہے، اس بات پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے قولوا اللّٰھم صلی علی محمد و آل محمد اور یہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

امام شافعی کے یہ اشعار بھی معروف ہیں:

یا اھل بیت رسول اللّٰہ حبکم　　فرض من اللّٰہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم　　من لم یصل علیکم لا صلوۃ لہ

اے اہل بیت رسول! تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے جسے قرآن میں نازل کیا ہے۔ تمہاری منزلت کی عظمت کے لیے اتنا کافی ہے کہ جس نے تم پر درود نہ بھیجا اس کی نماز نہیں ہوتی ہے۔

شوکانی نیل الاوطار ۲: ۳۲۴ میں لکھتے ہیں:

نماز میں رسول اللہؐ پر درود بھیجنا واجب ہے لیکن آل پر بھی نماز میں درود بھیجنا واجب ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ھادی، قاسم ، مؤید باللّٰہ، احمد بن حنبل بعض شافعی علماء واجب ہونے کے قائل ہیں۔ ان حضرات نے اس حدیث سے وجوب پر استدلال کیا ہے جس میں آل کے ساتھ درود بھیجنے کا حکم ہے۔

تفہیم القرآن میں لکھا ہے:

تشہد میں درود پڑھنا واجب ہونے کے قائل اصحاب میں سے ابن مسعود، ابو سعود انصاری، ابن عمر اور جابر بن عبد اللہ، تابعین میں سے شعبی، امام محمد باقر، محمد بن کعب قرظی اور مقاتل بن حیان اور فقہاء میں سے اسحاق بن راھویہ کا بھی یہی مسلک تھا اور آخر میں امام احمد بن حنبل نے بھی اسی کو اختیار کر لیا تھا۔

الجامع لاحکام القرآن ۱۴: ۲۳۷ میں آیا ہے:

مالك اور سفیان سے منقول ہے کہ آخری تشہد میں درود پڑھنا مستحب ہے لیکن اس کا ترک کرنے والا گنہگار ہے اور اسحاق اس بات کے قائل ہیں کہ اگر جان بوجھ کر درود کو ترک کرے تو نماز دوبارہ پڑھے، بھولنے کی صورت میں نہیں۔

قرطبی کہتے ہیں:

ہمارے علماء میں سے محمد بن المواز وجوب کے قائل ہیں اور ابن العربی حدیث کے صحیح ہونے کی وجہ سے وجوب کے قائل ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۵۷﴾

۵۷۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ: اللہ کو اذیت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت دینا جو شان الٰہی میں گستاخی ہے جیسے اللہ کے لیے فرزند کا قائل ہونا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو اذیت نہیں ہوتی تاہم شان الٰہی کے منافی ہونے کی وجہ سے اسے اذیت سے تعبیر فرمایا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ کی شان اس بات سے اعلیٰ و ارفع ہے کہ کوئی اسے اذیت پہنچا سکے۔ یہاں اللہ کو اذیت کا ذکر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہوا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت اللہ کی اذیت ہے۔

۲۔ وَ رَسُوْلَهٗ: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کے بارے میں تفصیل سورۂ توبہ آیت ۶۱ میں ملاحظہ

فرمائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اذیت کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

انّما فاطمة بضعة منّی یوذینی ما آذاها۔[1]　　فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جو فاطمہ کو اذیت دے اس نے مجھے اذیت دی ہے۔

۳۔ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ: لعنت رحمت خدا سے دور ہونے کے معنوں میں ہے۔ دنیا میں حق کا راستہ نہ پانا لعنت ہے۔ جیسے فرمایا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمۡ وَ اَعۡمٰۤی اَبۡصَارَهُمۡ ۝ [2]　　یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے لہٰذا انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

اور آخرت میں لعنت کا مطلب عذاب میں مبتلا ہو جانا ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ ۪ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۸﴾　　۵۸۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو ناکردہ (گناہ) پر اذیت دیتے ہیں پس انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ: مومن کو اذیت دینا خواہ زبان سے ہو یا عمل سے گناہ کبیرہ ہے۔

۲۔ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا: ناکردہ گناہ کی نسبت دے کر اذیت دینا۔ بہتان تراشی کرنا ایسے گناہ ہے جس کے گناہ ہونے میں کسی قسم کا ابہام نہیں بلکہ مُبین واضح اور صریح گناہ ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑے اہتمام سے مؤمن کی حرمت بیان فرمائی ہے کہ مؤمن کا وقار مجروح کرنا اور اس پر ناکردہ گناہ کا جھوٹا الزام لگانا کتنا بڑا جرم ہے۔ اس میں ایک جھوٹ، دوسرا افتراء اور بہتان ہے جن کا مرتکب حرمت مؤمن کو مجروح کرنے کا عند اللہ مجرم ہے۔

تقریباً ہر معاشرے میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو نیک لوگوں پر بہتان لگانے میں تامل نہیں کرتے اور اس کو گناہ نہیں سمجھتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث منقول ہے:

مَنۡ بَهَتَ مُؤۡمِناً اَوۡ مُؤۡمِنَةً اَوۡ قَالَ فِیهِ مَا لَیۡسَ فِیهِ اَقَامَهُ اللّٰهُ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ　　اگر کوئی مومن یا مومنہ پر بہتان باندھے یا کوئی ایسی بات کرے جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن

[1] صحیح مسلم۔ بحار ۲۹: ۳۳۶　　[2] ۴۷ محمد: ۲۳

عَلَى تِلٍّ مِنْ نَارٍ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ فِيهِ۔ [1]

اسے آتش کے ایک ٹیلے پر اس گناہ سے نکلنے تک کھڑا رکھے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ فِي بِلَادِهِ خَمْسُ حُرَمٍ حُرْمَةُ رَسُولِ اللّٰهِ ص وَحُرْمَةُ آلِ رَسُولِ اللّٰهِ ص وَ حُرْمَةُ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَحُرْمَةُ كَعْبَةِ اللّٰهِ وَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ۔ [2]

اللہ عَزَّ وَ جَلّ کی مملکت میں پانچ حرمتیں ہیں: رسول اللہؐ کی حرمت، آل رسولؐ کی حرمت کتاب اللہ عَزَّ وَ جَلّ کی حرمت، کعبہ کی حرمت اور مومن کی حرمت۔

اہم نکات

۱۔ مؤمن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہمیت رکھتی ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٥٩﴾

۵۹۔ اے نبی! اپنی ازواج اور اپنی بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجیے: وہ اپنی چادریں تھوڑی نیچی کر لیا کریں، یہ امر ان کی شناخت کے لیے (احتیاط کے) قریب تر ہوگا پھر کوئی انہیں اذیت نہ دے گا اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، مہربان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ: اس جگہ بنات (بیٹیاں) سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں چونکہ اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا میں سے بیٹوں کو ابناء رسول اور بیٹیوں کو بنات رسول کہتے ہیں۔ چنانچہ آیہ مباہلہ میں حسنین علیہما السلام کو ابنائنا کہا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت حسن علیہ السلام سے فرمایا:

ان ابنی هذا سید۔ [3]

میرا یہ بیٹا سردار ہیں

نیز یہ فرمان بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے امام حسن، امام حسین علیہما السلام سے فرمایا:

ابنای هذان امامان قاما او قعدا۔ [4]

میرے یہ دونوں بیٹے امام ہیں خواہ قیام کریں یا نہ کریں۔

۲۔ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ: جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے سارا بدن چھپ

---

[1] الوسائل الشیعۃ ۱۲: ۲۸۷ [2] الکافی ۸: ۱۰۷ [3] بحار ۱۶: ۳۰۶ [4] بحار ۱۱: ۳۰۶

جاتا ہے۔

یُدْنِیْنَ: اس لفظ کے بعد الیٰ آ جائے تو قریب کے معنی بنتے ہیں اور اگر اس کے بعد عَلٰی آ جائے ارخاء لٹکانے کے معنی بنتے ہیں۔ جیسے اس آیت میں ہے: وَدَانِیَۃً عَلَیْہِمْ ظِلٰلُھَا ...[1] لہٰذا آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے چادر کا ایک حصہ لٹکا دیا کرو۔ مِنْ جَلَابِیْبِہِنَّ میں من تبعیض کے لیے ہے۔ یہاں سے ہم چادر کا ایک حصہ سمجھ لیتے ہیں۔

سورہ نور میں فرمایا:

وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِہِنَّ عَلٰی جُیُوْبِہِنَّ ...[2]　　اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں۔

ان دونوں آیات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نہ گریباں کھلے رکھیں، نہ سر کے بال کھلے رکھیں بلکہ چادروں کو نیچے رکھیں کہ کنیزوں کی طرح مبتذل نہ ہوں بلکہ باوقار نظر آئیں۔

چادر نیچی کرنے کے حکم کا مطلب کیا چہرہ چھپانا ہے؟ یا سر، گردن اور سینہ چھپانا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

۳۔ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ: بہرحال اس حجاب سے جو نتیجہ مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ اس حجاب سے ان خواتین کی شناخت ہو جائے جو وقار و شرافت اور عفت و پاکیزگی کی مالک ہیں اور مدینے کے اوباش ان کے بارے میں جسارت نہ کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردے سے عورت کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کی طرف بری نگاہیں نہیں اٹھتیں۔ حجاب عفت کی پہچان اور عورت کا وقار ہے۔

اہم نکات

۱۔ تبلیغ احکام کی ابتدا قریبی رشتہ داروں سے ہونی چاہیے: قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ ...۔

۲۔ خواتین کے وقار کی پہچان حجاب ہے۔

۳۔ لباس کی نوعیت خاتون کی شخصیت کا آئینہ ہے۔

۴۔ بری نگاہوں کو جذب کرنے میں لباس کو بڑا دخل ہے۔

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِہِمْ ثُمَّ

۶۰۔ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے خلاف اٹھائیں گے پھر وہ اس شہر میں آپ کے

---

[1] ۷۶ الانسان: ۱۴　　[2] ۲۴ نور: ۳۱

لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾

جوار میں تھوڑے دن ہی رہ پائیں گے۔
۶۱۔ یہ لعنت کے سزاوار ہوں گے، وہ جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح سے مارے جائیں گے۔

تشریح کلمات

الْمُرْجِفُوْنَ: (ر ج ف) الارجاف: جھوٹی افواہ یا اضطراب پھیلانے کے معنوں میں ہے۔
لَنُغْرِيَنَّكَ: (غ ر و) الاغراء اکسانا کے معنی میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ: اگر منافقین، مریض دل والے اور افواہیں پھیلانے والے یہ تین گروہ اپنی اسلام دشمن حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کو ملک بدر کیا جائے گا۔

الف: ان تین گروہوں میں سے پہلا گروہ منافقین کا ہے۔ ان کے نفاق کا لازمی نتیجہ اسلام اور مسلمان کے خلاف سوچنا اور ان کے خلاف ہر ممکن قدم اُٹھانا ہے۔

ب: دوسرا گروہ بیمار دل والے مسلمان ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں تاہم ان کے منفی رجحانات اسلام اور مسلمانوں کے لیے اسی طرح مضرت رساں ہیں جس طرح منافقوں کی حرکتیں۔ بیمار دل والے قرآنی اصطلاح میں ہمیشہ ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جن میں ایمان نہایت کمزور ہوتا ہے اور وہ کمزور ایمان بھی مفادات سے وابستہ ہوتا ہے۔ جب بھی امتحان کا مرحلہ آیا ان کے ایمان کے قدم اکھڑ جاتے ہیں:

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ...[1]

جب (ادھر) منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری تھی کہ رہے تھے: انہیں تو ان کے دین نے دھوکہ دے رکھا ہے.

یہاں بھی اس بات میں منافقین اور بیمار دل دونوں کا موقف ایک تھا کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ دے رکھا ہے۔

ج: وَالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ: جھوٹی افواہوں کے ذریعہ مسلمانوں میں بے چینی پھیلانے والے لوگ غیر مسلم یہودی ہو سکتے ہیں جو افواہ پھیلاتے تھے کہ مدینے پر حملہ ہونے والا ہے وغیرہ۔

۲۔ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ: اگر یہ لوگ باز نہ آئیں تو آپ کو ان کے خلاف اٹھائیں گے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] ۸ انفال: ۴۹

کو ان کے خلاف ایسا قدم اٹھانے کا حکم دیں گے جس کے بعد،

۳۔ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْهَآ اِلَّا قَلِیْلًا: وہ آپ کے شہر میں نہیں رہ سکیں گے۔ اِلَّا قَلِیْلًا کچھ دن، جتنی مدت تخلیۂ مکان کے لیے درکار ہوتی ہے۔ اِلَّا قَلِیْلًا سے مراد اِلَّا ''چند لوگوں کے'' بھی ہو سکتی ہے۔

۴۔ مَّلْعُوْنِیْنَ: یہ چند جو شہر میں ٹھہریں گے اس حال میں ہوں گے کہ مستحق لعنت ہوں گے اور رحمت خدا سے دور یعنی راہ حق کی ہدایت سے محروم ہوں گے۔

۵۔ وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا: اور اپنی زندگی سے بھی محروم ہونا پڑے گا۔

اہم نکات

۱۔ ضعیف الایمان، بیمار دل ہمیشہ منافقوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

۲۔ معاشرے کے سکون کے غارت گروں کو ملک بدر کرنا چاہیے: لَا یُجَاوِرُوْنَکَ....

الربع سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

۶۲۔ جو پہلے گزر چکے ہیں ان کے لیے بھی اللہ کا یہی دستور رہا ہے اور اللہ کے دستور میں آپ کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ معاشرے میں اس قسم کے فساد پھیلانے والوں کے ساتھ جو سلوک ہو گا وہ ہمیشہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت تکوینی میں یہی ہے کہ معاشرے میں فساد پھیلانے والے زیادہ دیر نہیں چل سکتے:

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ...[1]

پھر جو جھاگ ہے وہ تو ناکارہ ہو کر ناپید ہو جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے فائدے کی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔

۲۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا: اللہ تعالیٰ کی تکوینی سنت میں تبدیلی ناممکن ہے۔

اہم نکات

۱۔ مفسدوں کی وقتی اچھل کود سے مسلمانوں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا ﴿۶۳﴾

۶۳۔ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور تجھے کیا خبر شاید قیامت قریب ہو؟

---

[1] ۱۳ رعد: ۱۷

تفسیر آیات

قیامت کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور آیت کا یہ حصہ وَمَا يُدْرِيكَ آپ کو کیا علم شاید قیامت قریب ہو۔ مزید اس بات کی وضاحت کے لیے ہے کہ اس کا علم کسی بھی غیر اللہ کے پاس نہیں ہے:

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا ...۔[1] قیامت یقیناً آنے والی ہے، میں اسے پوشیدہ رکھوں گا۔

مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف آیت ۱۸۷۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾

۶۴۔ بلاشبہ اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے،

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾

۶۵۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہ نہ کوئی حامی پائیں گے اور نہ مددگار۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلْكٰفِرِيْنَ: وہ لوگ جو قیامت کے منکر ہیں، وہ رحمت خدا سے دور ہیں۔ یعنی ملعون ہیں۔

۲۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ: وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے جہاں نہ کوئی ایسا ولی میسر آئے گا جو ان کے امور کی ذمہ داری اُٹھائے۔ جیسے باپ ہے جو اپنے چھوٹے اور بے بس بچوں کی دیکھ بال کرتا ہے۔ نہ کوئی مددگار ملے گا جو بھائی کی طرح اس کی فریاد کو پہنچے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾

۶۶۔ اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹائے پلٹائے جائیں گے، وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور وہ کہیں گے: ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی تھی پس انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ ع ۱۰/۵

۶۸۔ ہمارے پروردگار! تو انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت بھیج۔

---

[1] ۲۰ طٰہٰ: ۱۵

تفسیر آیات

۱۔ جب قیامت کے دن ان کے چہرے آتش جہنم میں دائیں بائیں طرف الٹائے پلٹائے جائیں گے تو اس وقت انہیں اپنی دنیاوی زندگی یاد آئے گی اور حسرت سے کہیں گے: کاش! اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے۔ یہ دن دیکھنے کو نہ ملتا۔

۲۔ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا: دنیا میں طفیلی سوچ رکھنے والے ہمیشہ ذہنی طور پر غلام ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دماغ سے نہیں، اپنے سرداروں کے استحصالی دماغ سے سوچتے ہیں۔ انہیں استحصال کا حق دیتے ہیں۔ یہ اطاعت طبقاتی بنیادوں پر ہوتی ہے۔ چونکہ سردار صاحب مال و ثروت ہیں، حکومت و اقتدار میں اونچے درجے کے لوگ ہیں، لہٰذا ان کی بات درست، ان کا موقف صحیح ہوتا ہے۔

۳۔ فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا: سرداروں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ سرداروں نے تو گمراہ ہی کرنا تھا چونکہ ان کی اطاعت کی بنیاد گمراہی پر تھی۔ بنیاد مال و ثروت کرسی و اقتدار تھی تو اس بنیاد کے پاس سوائے گمراہی کے اور کیا ہوسکتا ہے۔

۴۔ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ: ایک عذاب اپنی گمراہی کا اور ایک عذاب دوسروں کو گمراہ کرنے کا۔

۵۔ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا: ان پر بڑی لعنت کی درخواست کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ان کو تیری رحمت سے اس قدر دور کر دیا جائے کہ ان تک تیری رحمت کا شائبہ تک نہ پہنچ سکے۔

اہم نکات

۱۔ طفیلی سوچ رکھنے والے استحصال کا شکار ہوتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝۶۹

۶۹۔ اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی تھی پھر اللہ نے ان کے الزام سے انہیں بری ثابت کیا اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے والوں کو ایمان والے کہنے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کبھی یہ خطاب مسلمانوں کے لیے مجموعی حیثیت میں ہوتا ہے۔ اس میں منافقین اور ضعیف الایمان لوگ شامل ہیں۔

البتہ صرف منافقین کے لیے یہ خطاب نہیں ہوتا۔ اگر ان میں کمزور ایمان والے شامل ہوں تو اس خطاب سے انہیں متوجہ کرنا مقصود ہے کہ اپنے ایمان کے تقاضے پورے کرو۔

۲۔لحن کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ پر تہمتیں لگانا شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ حضرت زینب کے ساتھ شادی کے بارے میں اور مال کی تقسیم میں منافقین نے تہمت لگائی اور کچھ ضعیف الایمان لوگ منافقوں کے ہمنوا بن گئے تھے۔

۳۔ فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اس تہمت سے بری کر دکھایا جو یہودیوں نے ان پر لگائی تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوا یہودیوں نے ایسی نازیبا تہمتیں لگائی تھیں کہ جن سے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بری دکھایا۔ چنانچہ بائیبل میں ان تہمتوں کا ذکر ملتا ہے۔

۴۔ وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْہًا: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی آبرومندی کا تحفظ فرمایا اور ایسا سامان فراہم فرمایا جن سے ان کی حرمت بحال ہوگئی۔

اہم نکات

۱۔ بدزبانوں سے نہ کوئی معاشرہ خالی ہے، نہ کوئی شخصیت محفوظ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ﴿۷۰﴾

۷۰۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (مبنی برحق) باتیں کیا کرو۔

تفسیر آیات

۱۔اتَّقُوا اللّٰہَ: تقویٰ اختیار کرو۔ ان باتوں سے اپنے آپ کو بچاؤ جن سے حدود اللہ سے تجاوز لازم آتا ہے اور سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اتَّقُوا اللّٰہَ کا عام ترجمہ یہی اللہ سے ڈرو ہے۔ تقویٰ کا معنی ڈر نہیں ہے بلکہ تقویٰ کا لازمہ ڈر ہے۔ تقویٰ، وقایہ سے بچانے کو کہتے ہیں۔ پس جو شخص اپنے آپ کو خطرات سے بچانے کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ خطرات سے ڈرتا ہے۔ لہٰذا اتَّقُوا اللّٰہَ کا اصل ترجمہ یہ ہے: اللہ (کے عدل) سے بچو یا اللہ (کے عذاب) سے بچو۔

۲۔ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا: اور سیدھی باتیں کیا کرو۔ اس جملے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تقویٰ کا قول اور زبان کے ساتھ اہم تعلق ہے۔ چونکہ جھوٹ بولنے، جھوٹی گواہی دینے سے بہت سے حقوق ضائع ہو جاتے ہیں۔ غیبت، تہمت اور بدکلامی سے مؤمن کا وقار مجروح ہوتا ہے اور زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا۔

حدیث نبوی ہے:

اَذَلُّ النَّاسِ مَنْ اَهَانَ النَّاسَ۔[1]

لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل وہ ہے جو لوگوں کی اہانت کرتا ہے۔

حضرت ابی عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ جبرائیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے اور کہا:

یَا مُحمَّدِ ! اِنَّ رَبَّكَ یَقُولُ مَنْ اَهَانَ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنَ فَقَدِ اسْتَقْبَلَنِی بِالْمُحَارَبَةِ۔[2]

اے محمد! آپ کا پروردگار فرماتا ہے: جو میرے مومن بندے کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے جنگ کے لیے میرے سامنے کھڑا ہوا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

مَا مِن یَوْمٍ اِلَّا وَ كُلُّ عُضْوٍ مِنْ اَعْضَاءِ الْجَسَدِ یُكَفِّرُ اللِّسَانَ یَقُولُ نَشَدْتُكَ اللّٰهَ اَنْ نُعَذَّبَ فِیكَ۔[3]

کوئی دن ایسا نہیں کہ جسم کے دوسرے اعضاء زبان کا کفارہ ادا کرنے پر مجبور نہ ہوں۔ وہ زبان سے کہتے ہیں: ہم اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ ہمیں عذاب میں نہ ڈالو۔

اہم نکات

۱۔ زبان کو لگام دینا تقویٰ کا اہم ترین ستون ہے۔

یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی پس اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔

تفسیر آیات

۱۔ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ: قول سدید اور گفتار کی سلامتی کا نتیجہ اعمال کی اصلاح ہے بہت سے اعمال کی اصلاح گفتار کی سلامتی پر موقوف ہے۔ جب زبان گرفت میں رہے تو بہتان، جھوٹ، بہت سے فحشاء و منکرات سے انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔

۲۔ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ: جب زبان کے کبیرہ گناہوں سے انسان اجتناب کرتا ہے تو دوسرے گناہوں کو اللہ معاف فرماتا ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (چھوٹے

---

[1] الفقیہ ۴: ۳۹۴　[2] مستدرک الوسائل ۹: ۱۰۱　[3] الکافی ۲: ۱۱۴

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ....[1] چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے۔

۳۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: انسان کی دائمی سعادت اور ابدی کامیابی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت میں مضمر ہے۔ ایسے اطاعت گزار کے لیے اس آیت کے یہ الفاظ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا اس نے عظیم کامیابی حاصل کی، بہت بڑی خوش خبری ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾

۷۲۔ ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو ان سب نے اسے اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈر گئے لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا، انسان یقیناً بڑا ظالم اور نادان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى: اس آیت کے ذیل میں چند نکات قابل توجہ ہیں:

الف: امانت سے مراد کیا ہے؟ اس بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ امانت معرفت حق کے حصول کے نتیجے میں آنے والی ذمہ داری ہے۔ دوسرے لفظوں میں: معرفت کے نتیجے میں مکلّف ہونا ہے۔ اس پر دلیل اگلی آیت ہے۔ ایمان اور عمل صالح۔ چنانچہ اس امانت کے اُٹھانے والے انسان تین گروہوں میں ہوں گے: منافق، مشرک اور مومن۔

ب: پیش کرنے سے کیا مراد ہے؟ ہمارے نزدیک پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس امانت اور دیگر موجودات کا تقابل ہے۔ اس تقابل میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ آسمان اور زمین میں اس بار امانت کے اُٹھانے کی اہلیت نہیں ہے۔ اگرچہ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ....[2] تاہم جو صلاحیت اس چھوٹی مخلوق میں ہے وہ آسمانوں اور زمین میں نہیں ہے۔ وہ صلاحیت ارادہ و اختیار ہے۔ آسمان و زمین کو خالق نے جس کام پر لگایا ہے اس پر شعور و اختیار کے بغیر گامزن ہیں۔ چنانچہ اپنی گردش لیل و نہار میں اربوں سال میں ایک سیکنڈ کی بھی خلاف ورزی نہیں کرتے لیکن یہ عدم خلاف ورزی اختیار و انتخاب پر مبنی نہیں ہے کہ خلاف ورزی پر اختیار ہونے کے باوجود عدم خلاف ورزی کو منتخب کیا ہو۔

---

[1] ۴ نساء: ۳۱ [2] ۴۰ مومن: ۵۷ (ترجمہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے خلق کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے۔

ج: آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی طرف سے انکار، ان کی عدم صلاحیت کی زبان حال ہے اور ساتھ یہ بتانا بھی مقصود ہوسکتا ہے کہ یہ امانت اس قدر سنگین ہے کہ آسمان و زمین بھی اسے اُٹھانے کی تاب نہیں رکھتے۔

د: البتہ انسان نے اس میدان میں قدم رکھا اور اس بار سنگین کو اٹھا ہی لیا چونکہ انسان ارادہ، اختیار اور انتخاب پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ اپنے ارادے کا مالک ہے اور جو ارادے کا مالک ہے اس ارادے کے تحت وہ دو میں سے ایک کا انتخاب کرسکتا ہے اور جو ارادہ و انتخاب کا مالک ہے وہی امتحان کے میدان میں قدم رکھ سکتا ہے اور جو امتحان میں قدم رکھ سکتا ہے اس کے لیے کامیابی و ناکامی کا تصور ہوتا ہے۔

ھ: اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا: چنانچہ یہ امانت وہ چیز ہے جس کا اٹھانے والا ظالم اور جاہل بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو علم کی اہلیت رکھتا ہے لیکن علم نہ ہو اسے جاہل کہتے ہیں اور جو عدل و انصاف پر قائم رہنے کی اہلیت رکھتا ہے پھر عدل پر قائم نہ رہے اسے ظالم کہا جا سکتا ہے۔ مسلوب الارادہ پہاڑ کو نہ جاہل کہا جا سکتا ہے، نہ ظالم۔ انسان چونکہ اپنے ارادے کا خود مالک ہے لہٰذا وہ اس ارادے کو مثبت سمت کی طرف لے جا سکتا ہے اور منفی سمت کی طرف بھی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس امانت سے کیا مراد ہے۔ یہ امانت وہ چیز ہے جس کے اٹھانے کے نتیجے میں انسان ظالم اور جاہل ہوسکتا ہے اور انسان کے ظالم اور جاہل کے وصف سے متصف ہونے پر یہ بات از خود سامنے آتی ہے کہ یہ وہ مخلوق ہے جو صفت علم کے ساتھ متصف ہے۔ جیسا کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ...[1] سے واضح ہے کہ علم اس کائنات میں انسان کی شناخت ہے اور صفت عدل کے ساتھ متصف ہے کہ وہ حکم خدا کی خلاف ورزی نہ کر کے ظلم سے اپنے آپ کو بچانے کی اہلیت رکھتا ہے جب کہ اس میں خلاف ورزی کے رجحانات بھی پائے جاتے ہیں۔ تاہم یہ امین اپنی امانت کو پورا کرنے کے لیے منفی رجحانات کا مقابلہ کرتا ہے۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

۷۳۔ تاکہ (نتیجے میں) اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے اور اللہ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو معاف کرے اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحیم ہے۔

---

[1] ۲ بقرہ: ۳۱ (ترجمہ) اور (اللہ نے) آدم کو تمام نام سکھا دیے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔

تفسیر آیات

اس امانت کے اٹھانے کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ منافقین اور مشرکین کو عذاب میں ڈال دیا جائے چونکہ انہوں نے اس بار امانت کے اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہوئے اس میں خیانت کی۔

اور ساتھ یہ نتیجہ بھی سامنے آیا کہ جن مومنین نے اس امانت میں کسی قسم کی خیانت نہیں کی ان پر اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی اور وہ غفور و رحیم ہونے کے اعتبار سے ان مومنین کی لغزشوں سے درگزر فرماتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ انسان، اس پوری ہستی میں اللہ کا امین ہے۔


سُورَةُ سَبَإٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس سورہ کی آیت ۱۵ میں لِسَبَاٍ کے ذکر کی وجہ سے اس سورہ کا نام سبا ہو گیا۔

یہ سورہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں نازل ہوا۔ چنانچہ اس کے مطالب مکی ماحول و معاشرے سے مربوط ہیں۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے بنیادی اصولوں: وحدانیت، نبوت اور معاد کے منکر تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمسخر اڑاتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ①

۱۔ ثنائے کامل اس اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے اور آخرت میں بھی ثنائے کامل اسی کے لیے ہے اور وہ بڑا حکمت والا، خوب باخبر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ: لائق حمد و ثنا صرف وہ ذات ہے جس کی ملکیت اور اختیار میں آسمانوں اور زمین میں موجود ساری چیزیں ہیں۔ مشرکین چونکہ آسمانوں اور زمین میں موجود بہت سے نظام ہائے کائنات میں غیر اللہ کو مؤثر سمجھتے تھے، اس مشرکانہ سوچ کے رد میں فرمایا: کائنات کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ کسی غیر اللہ کو ان چیزوں میں کوئی حق تصرف نہیں ہے۔ نہ آسمان میں موجود سورج اور ستاروں میں، نہ ان کی گردش میں، نہ آسمان سے نازل ہونے والی شعاعوں میں، نہ نازل ہونے والی بارش میں اور نہ زمین

میں موجود پانی، خاک، درخت، سبزہ وغیرہ میں تو پھر تم غیر اللہ کے پاس کیا لینے جاتے ہو جو کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ تمہیں صرف اسی ذات کی حمد و ثنا اور اسی کی بندگی کرنی چاہیے جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات ہے۔

۲۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ: آخرت میں تو حقائق سے پردہ اٹھ جائے گا اور اللہ کی جن نعمتوں سے انسان، دنیا و آخرت دونوں سے مالا مال رہا ہے اس کا ادراک براہ راست ہو جائے گا۔ خصوصاً اہل جنت جب وہاں کی نعمتوں کا مشاہدہ کریں گے تو از خود اللہ کی حمد و ثنا ان کی زبانوں سے جاری ہو گی:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ...۔[1]

اور وہ کہیں گے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنایا کہ جنت میں ہم جہاں چاہیں جگہ بنا سکیں۔

۳۔ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ: اللہ کی ذات ہی حکیم ہے جو ہر چیز کو حکمت کے تقاضوں کے مطابق چلاتا ہے، غلطی کا امکان نہیں ہے۔ خبیر ہے۔ ہر چیز کے تقاضوں سے باخبر ہے۔ نادانی کا یہاں کوئی امکان نہیں۔ لہٰذا اس اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کے پاس کیا لینے جاتے ہو۔

اہم نکات

۱۔ موجودات کا نظام صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

۲۔ حمد و ستائش اور بندگی، کائنات کے حقیقی مالک کی کرنی چاہیے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝۲

۲۔ جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے سب کو اللہ جانتا ہے اور وہی رحیم غفور ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ: زمین کے اندر جو چیزیں جاتی ہیں ان میں سے کچھ تو عام مشاہدے، کچھ سائنسی مشاہدے میں آتی ہیں۔ یہی حال زمین سے نکلنے والی چیزوں کا ہے لیکن یہ چیزیں غیر اللہ کے علم میں بھی ہیں۔ انسان کو علم ہے کہ دانے زیر خاک جا کر انسان کے لیے کام کی چیزیں لے کر نکلتے ہیں۔ جڑیں

---

[1] ۳۹ زمر: ۷۴

زیر زمین جا کر درختوں کو سہارا دیتی ہیں۔ پانی زمین کی تہوں میں جا کر زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ مختلف قسم کی گیسز اور آفتابی شعاعیں زمین کے اندر جا کر انسان کے لیے سامان زیست فراہم کرتی ہیں۔

لیکن یہ صرف اللہ جانتا ہے کہ زمین کے اندر جانے والے دانے، جڑیں، پانی و دیگر چیزیں اللہ کی طرف سے کیا حکم لے کر جاتی ہیں۔ پانی کو اللہ نے کیا حکم دیا ہے اور پانی زمین کے اندر جا کر کون سی ذمے داریوں کو ادا کرتا ہے۔ دانہ زمین میں کس ترکیب عناصر کا حکم لے کر جاتا ہے۔ انسان کو تو عناصر کی ترکیب وجود میں آنے کے بعد علم ہوتا ہے کہ اس دانے نے زمین سے کون کون سے عناصر کا انتخاب کر کے یہ پھل نکالا ہے لیکن یہ صرف اللہ جانتا ہے کہ زمین کے اندر جانے والے لاتعداد دانوں میں سے ہر ایک دانہ کس خاصیت کے عناصر کو ترکیب دینے والا ہے۔

واضح رہے کہ دانے کو علم ہے کہ اس نے زمین سے کس قسم کے عناصر کو ترکیب دینا ہے تاکہ مطلوبہ خاصیت کا پودا وجود میں آئے۔ یہ اس ہدایت کے تحت ہے جو اللہ نے اس دانے میں ودیعت فرمائی ہے۔

۲۔ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا: اور جو کچھ اس زمین سے نکلتا ہے وہ صرف اللہ جانتا ہے۔ جو چیزیں بشر کے علم میں ہیں وہ نہایت ناچیز ہیں اس علم الٰہی کے مقابلے میں جو زمین سے خارج ہونے والی حیات آفریں چیزوں کے بارے میں ہے۔

۳۔ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ: یہ بات بھی صرف اللہ جانتا ہے کہ آسمان سے کون سا حکم کون سا فیصلہ اور کون سی تقدیر نازل ہوتی ہے۔ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى....[1] اور کس قسم کی رحمتیں اہل ارض پر نازل ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں بشر صرف محسوسات اور مادیات کو جان سکتے ہیں۔ جیسے بارش کا پانی۔ سورج کی شعاعیں وغیرہ۔

۴۔ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا: بشر کو کیا معلوم کون سی آہ، کون سی دعا، کون سی عبادت اور کون سی روح آسمان کی طرف عروج کرتی ہے۔ بشر صرف آسمان کی طرف بلند ہونے والی محسوسات و مادیات کو جانتا۔

۵۔ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ: اس جملے میں باقی مقامات کے برخلاف مقام رحیمیت کا ذکر پہلے آیا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ زمین میں داخل اور خارج ہونے والی اشیاء اور آسمان سے نزول و عروج کرنے والی چیزیں اللہ کی طرف سے رحمتوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان نعمتوں کا حق ادا نہ کرنے کی صورت میں عفو اور درگزر سے کام لیتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ کائنات کا نظام اسی دخول و خروج اور نزول و عروج پر قائم ہے۔

۲۔ اسی رفت و آمد سے نظام کائنات باہم مربوط ہے۔

---

[1] ۲ بقرہ: ۱۵۹

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ

۳۔ اور کفار کہتے ہیں: قیامت ہم پر نہیں آئے گی، کہہ دیجیے: میرے عالم الغیب رب کی قسم وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی، آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر بھی (کوئی چیز) اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور نہ ذرے سے چھوٹی چیز اور نہ اس سے بڑی مگر یہ کہ سب کچھ کتاب مبین میں ثبت ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ: لوگ حیات اخروی اور اعادۂ حیات کے اس لیے منکر تھے کہ جب انسان کے بدن کے اجزا بکھر جائیں گے اور بعض اوقات دوسرے اجسام کا حصہ بن جائیں گے تو ان کو دوبارہ کیسے جمع کرے گا؟:

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ....[1]　ان ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟

جواب میں فرمایا: خواہ ذرات سے چھوٹے اجزا میں بکھر جائیں اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

سورہ واقعہ میں فرمایا: وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى ....[2] تمہیں نشأۃ اولی کا تو علم ہے کہ تمہاری تخلیق کے لیے جن ارضی عناصر کو بروئے کار لایا گیا ہے وہ بھی دنیا کے اطراف میں منتشر اجزا تھے جو تمہارے دسترخوان پر جمع ہوئے، جن سے تمہارا خون بنا، نطفہ بنا پھر تمہاری تخلیق ہوئی۔

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ [3]　کیا ہم پہلی بار کی تخلیق سے عاجز آ گئے تھے؟ بلکہ یہ لوگ نئی تخلیق کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

۲۔ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ: کتاب مبین کے بارے میں تشریح سورہ انعام آیت ۵۹ میں ہو چکی ہے۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ [4]　اور آسمان اور زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ بات نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو۔

لہٰذا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جو اللہ کی کتاب مبین میں ثبت نہ ہو۔ ان ذرات کو جمع کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔　علم خدا سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہو سکتی۔

---

[1] ۳۶ یٰس: ۷۸　[2] ۵۶ واقعۃ: ۶۲　[3] ۵۰ ق: ۱۵　[4] ۲۷ نمل: ۷۵

۲۔ اللہ کی کتاب مبین میں ہر چیز ثبت ہے۔

لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

۴۔ تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل انجام دینے والوں کو جزا دے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝

۵۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کے بارے میں کوشش کی کہ (ہم کو) مغلوب کریں ان کے لیے بلا کا دردناک عذاب ہے۔

تفسیر آیات

قیامت کی حقانیت عقل و فطرت کے مطابق ہے۔ ہر شخص کا ضمیر یہ چاہتا ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم اور نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی کا بدلہ ملے۔ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسانی ضمیر ایک غیر موجود چیز کی خواہش نہیں کرتا، جیسا کہ انسانی مزاج بھی غیر موجود چیز کی خواہش نہیں کرتا۔ چنانچہ پیاس دلیل ہے کہ اسے بجھانے کے لیے پانی کی شکل میں کوئی چیز موجود ہے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی کا بدلہ نہیں ملتا۔ یہاں تو بدی کا ارتکاب کرنے والے پھلتے پھولتے ہیں۔ لہٰذا قیامت کے وجود پر خود انسان کا ضمیر اور وجدان گواہی دیتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ قیامت کے برحق ہونے پر انسان کا ضمیر گواہی دیتا ہے۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

۶۔ اور جنہیں علم دیا گیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور وہ بڑے غالب آنے والے اور قابل ستائش (اللہ) کی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ: قیامت کے بارے میں آپؐ کے موقف کو دانشمند لوگ خوب جانتے

ہیں کہ مبنی برحق ہے۔ قیامت کا وقوع عملی وعقلی اعتبار سے ضروری ہے۔ تمام ادیان نے بالاتفاق قیامت کے بارے میں ایک ہی موقف اختیار کیا ہے۔ چنانچہ سائنسی اعتبار سے بھی حیات بعدالموت کی تائید ہوتی ہے۔

۲۔ وَيَهْدِيٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ: وَيَهْدِيٓ اور قرآن راہ نمائی بھی کرتا ہے اس خدا کی راہ کی طرف جو بالا دست ہے کہ قیامت برپا کرنے پر قادر ہے اور وہ حمید قابل حمد وستائش ہے۔

اہم نکات

۱۔ اس آیت سے علماء کی فضیلت اور مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۔ علم رکھنے والے قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۞

۷۔ اور کفار کہتے ہیں: کیا ہم تمہیں ایک ایسے آدمی کا پتہ بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم مکمل طور پر پارہ پارہ ہو جاؤ گے تو بلاشبہ تم نئی خلقت پاؤ گے؟

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۞

۸۔ اس نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اسے جنون لاحق ہے؟ (نہیں) بلکہ (بات یہ ہے کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ لوگ عذاب میں اور گہری گمراہی میں مبتلا ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: کافر لوگ تصور قیامت کو ناممکن تصور کر کے آپس میں یا ان کے بڑے لوگ اپنے زیر اثر لوگوں سے کہتے تھے: کیا ہم تمہیں ایسے آدمی کا پتہ بتائیں جو ایک عجیب بات کرتا ہے کہ جب تم مرنے کے بعد مکمل طور پر خاک کے ذروں میں گم ہو جاؤ گے تو تم پھر زندہ ہو جاؤ گے:

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۔۔۔ [1]

وہ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں ناپید ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی خلقت میں آئیں گے؟

۲۔ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ: وہ کہتے تھے کہ اس شخص کا قول دو حال سے خالی نہیں ہے: یا تو یہ شخص اللہ پر بہتان باندھتا ہے اور اس بات کی نسبت اللہ کی طرف سے دیتا ہے کہ اللہ ایک محال

---

[1] ۳۲ سجدہ: ۱۰

ناممکن کام انجام دے گا اور مرنے کے بعد لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ مشرکین اللہ کے وجود کے قائل ہیں، آخرت کے قائل نہیں ہیں۔ مشرکین بھی اس بات کو برا سمجھتے تھے کہ اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دی جائے۔

یا یہ شخص دیوانہ ہے اس وجہ سے یہ اس قسم کی نامعقول باتیں کرتا ہے۔ اہل مکہ بخوبی جانتے تھے کہ دیوانہ والی بات درست نہیں ہے لہٰذا وہ بہتان والی بات پر زور دیتے تھے اگرچہ اہل مکہ کو معلوم تھا کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

۳۔ بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ: جواب میں فرمایا: ہمارے رسول میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ البتہ تم میں دو باتیں موجود ہیں: ایک عذاب اور دوسری گمراہی چونکہ تم میں ایمان کی روشنی نہیں ہے۔ وہ تاریکی میں ہونے کی وجہ سے گمراہ تو ہیں ہی، ساتھ عذاب میں بھی ہیں۔ ممکن ہے اس عذاب کا اشارہ دنیا کے عذاب کی طرف ہو جس میں قیامت پر ایمان نہ رکھنے والے لوگ مبتلا رہتے ہیں۔ ایمان بہ آخرت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے پاس دنیا میں پیش آنے والی تلخیوں کی کوئی توجیہ نہیں ہے اس لیے وہ آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دینے کو مشرکین بھی برا سمجھتے تھے۔

۲۔ عدم ایمان بہ آخرت، دنیا میں بھی عذاب کا موجب ہے۔

اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِہِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡہِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ﴿۹﴾

۹۔ کیا انہوں نے اپنے آگے اور پیچھے محیط آسمان اور زمین کو نہیں دیکھا؟ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا آسمان سے ان پر ٹکڑے برسا دیں یقیناً اس میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہر بندے کے لیے نشانی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ: کیا منکرین قیامت نے نہیں دیکھا کہ وہ آسمان و زمین کے احاطے کے اندر ہیں۔ ان کے لیے اللہ کی سلطنت سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے کہ اگر ہم ان منکروں کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسائیں تو یہ لوگ بھاگ کر کہاں جائیں گے؟

۲۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً: اللہ کی اس سلطنت میں، جو ہر طرف سے محیط ہے اور جس میں کوئی راہ فرار نہیں ہے، اللہ کی قدرت وسلطنت کی نشانی ہے جس کی طرف وہ شخص متوجہ ہوسکتا ہے جو بارگاہ الٰہی کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ نور خدا کی روشنی رکھتا ہو، اسے یہ نشانی نظر آئے گی۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کی سلطنت میں معاد کی دلیل پوشیدہ ہے۔
۲۔ اللہ کی طرف توجہ کرنے والے حقائق بین ہوتے ہیں۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ وَالطَّیۡرَ ۚ وَاَلَنَّا لَہُ الۡحَدِیۡدَ ۙ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور بتحقیق ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت دی، (اور ہم نے کہا) اے پہاڑو! اس کے ساتھ (تسبیح پڑھتے ہوئے) خوش الحانی کرو اور پرندوں کو بھی (یہی حکم دیا) اور ہم نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا۔

اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ کہ تم زرہیں بناؤ اور ان کے حلقوں کو باہم مناسب رکھو اور تم سب نیک عمل کرو بتحقیق جو کچھ تم کرتے ہو میں اسے دیکھتا ہوں۔

تشریح کلمات

اَوِّبِیۡ: (ا و ب) اَوِّبِیۡ مَعَہٗ خوش الحانی کے ساتھ تسبیح پڑھو۔ لسان العرب میں آیا ہے: سبحی معه و رجّعی۔

اَلَنَّا: (ل ی ن) لین نرم کے معنوں میں ہے۔

سٰبِغٰتٍ: (س ب غ) سابغ پوری اور وسیع زرہ کو کہتے ہیں۔

السَّرۡدِ: (س ر د) السرد کے اصل معنی کسی سخت چیز کو سینے کے ہیں پھر بطور استعارہ لوہے کی کڑیوں کو مسلسل جوڑنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا: ہم نے داؤد کو اپنے پاس سے یہ فضل وکرم عطا کیا۔ ان میں سے چند کا ذکر اس آیت میں ہے۔

الف: یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ: ایک فضل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ جب وہ حضرت داؤدؑ کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے، خوش الحانی کریں۔ یعنی حضرت داؤدؑ کے ساتھ خوش الحانی میں پہاڑ بھی تسبیح پڑھتے تھے چونکہ ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ....[1] کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثنا میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

پہاڑوں کے لیے حضرت داؤدؑ کے ساتھ خوش الحانی کرنے کا حکم بھی صریحاً یہ بتاتا ہے کہ پہاڑ اور پرندے بھی ایک قسم کا شعور رکھتے ہیں اور شعور ہر چیز میں موجود ہے۔ البتہ یہ حضرت داؤدؑ کا معجزہ ہے کہ ان کی خوش الحانی اس قدر مؤثر تھی کہ پہاڑوں میں موجود شعور تک ان کی رسائی تھی چونکہ ہر چیز میں شعور ہے تاہم ہر چیز کا شعور اس چیز کے مطابق ہے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپؐ کی تسبیح بھی سنگریزوں کے شعور تک پہنچ جاتی تھی۔

ب۔ الطَّیْرَ: اور پرندے بھی آپؑ کے ساتھ خوش الحانی کرتے تھے۔ جب آپؑ کی تسبیح پہاڑ جیسے جمادات کے خفیف شعور تک پہنچ جاتی تھی تو پرندوں کے شعور تک پہنچ جانا تعجب کی بات نہیں ہے چونکہ پرندوں کا شعور جاندار ہونے کی وجہ سے نسبتاً ہوتا قوی ہے۔

ج۔ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ: اور اللہ نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔ یہ بات آثار قدیمہ کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوگئی ہے کہ زرہ سازی کی صنعت حضرت داؤدؑ کے زمانے میں رائج ہوگئی تھی۔

د۔ اس آیت میں بہت سے فضل و کرم کا ذکر نہیں ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہیں نبوت رسالت سے نوازا۔

ھ۔ جالوت کو قتل کر کے حضرت داؤدؑ نے اپنی قوم میں اونچا مقام پایا۔

و۔ طالوت بادشاہ کی وفات کے بعد آپؑ ایک وسیع مملکت کے بادشاہ بن گئے۔

۲۔ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ: زرہیں بنانے کا حکم جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کی تعلیم بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوئی۔ چونکہ اس الٰہی تعلیم سے پہلے دشمن کے حملے سے بچنے کے لیے لوہے کے ٹکڑے جسم پر رکھے جاتے تھے جن میں لچک نہ تھی اور سنگینی بھی تھی۔

۳۔ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ: اور حلقے باہم مناسب رکھو۔ حلقوں میں فاصلہ اتنا کم نہ ہو کہ زرہ سنگین ہو جائے اور اتنا زیادہ نہ ہو کہ نیزے کی نوک جسم تک پہنچ پائے۔ قدر کا مطلب یہی ہے حلقوں کو باہم مناسب رکھیں۔

---

[1] ۱۷ بنی اسرائیل: ۴۴

اہم نکات

۱۔ اپنے دفاع اور تحفظ کے لیے عسکری صنعت میں مہارت حاصل کرنی چاہیے: اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ ....

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۱۲

۱۲۔ اور سلیمان کے لیے (ہم نے) ہوا (کو مسخر کر دیا)، صبح کے وقت اس کا چلنا ایک ماہ کا راستہ اور شام کے وقت کا چلنا بھی ایک ماہ کا راستہ (ہوتا) اور ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور جنوں میں سے بعض ایسے تھے جو اپنے رب کی اجازت سے سلیمان کے آگے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے انحراف کرتا ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا ذائقہ چکھاتے۔

تشریح کلمات

رَوَاحُهَا: رواح شام کے وقت کا سفر۔
اَسَلْنَا: (س ی ل) سمیل، بہ جانا
الْقِطْرِ: (ق ط ر) تانبہ

تفسیر آیات

۱۔ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ: سورۂ انبیاء آیت ۸۱ میں بھی اس بات کا ذکر آ گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر تھی۔ بعض روایات میں بھی آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح ایک ماہ کی مسافت اور شام ایک ماہ کی مسافت ہوا کے ذریعے طے کرتے تھے۔ کیا ان کی کرسی کو ہوا اٹھاتی یا بحری جہاز کے ذریعے یہ مسافت طے ہوتی تھی؟ کیونکہ اس زمانے میں جہاز رانی کا انحصار ہوا پر تھا۔ اس بارے میں کوئی واضح جواب اور دلیل ہمارے پاس نہیں ہے۔

۲۔ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ: ارباب لغت کے مطابق غدو فجر سے لے کر سورج کے نکلنے تک کو کہتے ہیں اور رواح دن کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک غدو صبح سے لے کر زوال تک اور رواح زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک کے لیے کہا جاتا ہے۔ سورۃ الانبیاء آیت ۸۱ میں فرمایا:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً .... اور سلیمان کے لیے تیز ہوا کو (مسخر کیا)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا کی رفتار بھی سلیمان علیہ السلام کے اختیار میں تھی۔ تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ جو سلیمان کے حکم کے مطابق چلتی تھی۔

۳۔ وَاَسَلْنَا لَہٗ عَیْنَ الْقِطْرِ: ہم نے سلیمان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ جو بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں تانبے پگھلانے کی صنعت اس قدر بڑے پیمانے پر رائج ہو گئی تھی گویا تانبے کے چشمے بہ رہے ہوں۔ بعض روایات میں ہے صرف دو دن کے لیے یہ چشمہ پھوٹا تھا۔

۳۔ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْہِ: اور جنوں میں سے بعض ایسے تھے جو اپنے رب کی اجازت سے سلیمان علیہ السلام کے آگے کام کرتے تھے۔ قرآن کی یہ صراحت قابل تاویل نہیں ہے کہ اس سے مراد کوہستانی انسان لیا جائے بلکہ وہ جن ہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر فرمایا تھا۔ مزید تشریح الانبیاء آیت ۸۲ میں گزری ہے۔

۴۔ وَمَنْ یَّزِغْ مِنْھُمْ: جو ان جنوں میں سے ہمارے حکم سے انحراف کرتا ہے ہم اسے بھڑکتی آگ کے عذاب کا ذائقہ چکھاتے ہیں۔ بھڑکتی آگ کا عذاب اگرچہ قیامت کا عذاب ہو سکتا ہے تاہم دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے ان سرکش جنوں کو دنیا میں بھی عذاب دیا جاتا۔ فرمایا:

وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ○ [1] اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کے خاص بندوں کے ارادے نافذ ہوتے ہیں: وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ....

یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا ؕ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ سلیمان جو چاہتے یہ جنات ان کے لیے بنا دیتے تھے، بڑی مقدس عمارات، مجسمے، حوض جیسے پیالے اور زمین میں گڑی ہوئی دیگیں، اے آل داؤد! شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ: حضرت سلیمان علیہ السلام جو چاہتے یہ جنات ان کے لیے بنا دیتے تھے۔ یہاں

---

[1] ۳۸ ص: ۳۸

حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے جو کام لیتے تھے ان کا ذکر ہے:

الف: مِنۡ مَّحَارِیۡبَ: محراب کی جمع ہے۔ محراب، صدر مجلس کو کہتے ہیں۔ اسی سے مسجد میں صدر مقام (امام کی جگہ) کو محراب کہتے ہیں۔ اگرچہ عرب، قصر کو بھی محراب کہتے ہیں تاہم قرآن نے یہ لفظ جائے عبادت کے لیے استعمال کیا ہے:

قَآئِمٌ یُّصَلِّیۡ فِی الۡمِحۡرَابِ ...۔[1]　　جب وہ حجرۂ عبادت میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

لہٰذا ہم اس سے عبادت گاہیں مراد لیں گے۔

ب: وَتَمَاثِیۡلَ: مجسمے یا تصویریں بھی بناتے تھے۔ ان تصویروں سے مراد غیر جاندار چیزوں کی تصویریں تھیں۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

وَ اللّٰہِ مَا ھِیَ تَمَاثِیلَ الرِّجَالَ وَ النِّسَآءِ وَ لٰکِنَّھَا الشَّجَرُ وَ شِبْھُہٗ۔[2]　　قسم بخدا یہ مردوں اور عورتوں کی تصویریں نہیں تھیں بلکہ یہ درخت اور ان جیسے چیزوں کی تصاویر تھیں۔

شیخ انصاری مکاسب محرمہ میں فرماتے ہیں: جانداروں کا مجسمہ بنانا بلا اختلاف حرام ہے۔

ج۔ وَ جِفَانٍ کَالۡجَوَابِ: حوض جیسے پیالے۔ بڑے بڑے حوض کی مانند پیالے بناتے تھے۔ لوگ اس کے گرد بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ قدیم زمانے اور بعض علاقوں میں آج بھی ایک ہی برتن سے کئی لوگ کھانا کھاتے ہیں جیسے آج کل ایک دسترخوان کے گرد بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ ممکن ہے افواج ان پیالوں میں کھاتی ہوں۔

د۔ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ: اور زمین میں گڑھی ہوئی دیگیں بناتے تھے۔ یہ دیگیں اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ انہیں منتقل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ممکن ہے ان میں افواج کے لیے کھانا پکتا ہو چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی وسیع سلطنت کے لیے طاقتور افواج بھی رکھتے تھے۔

فَلَنَاۡتِیَنَّھُمۡ بِجُنُوۡدٍ لَّا قِبَلَ لَھُمۡ بِھَا ...۔[3]　　ہم ان کے پاس ایسے لشکر لے کر ضرور آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

۲۔ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا: اے آل داؤد شکر ادا کرو۔ جو سلطنت اور عزت اولاد داؤد کو عنایت ہوئی ہے اس کا حق ادا کرو۔ سلطنت عطا ہوئی ہے، عدل و انصاف قائم کر کے دولت عطا ہوئی ہے، ہر ایک کو اس کا حق ادا کر کے اثر و نفوذ عطا ہوا ہے تو احکام خدا نافذ و رائج کر کے شکر کرو۔

۳۔ وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ: اللہ کے شکر کا حق ادا کرنا آسان کام ہوتا تو بندگان خدا میں شکر گزاروں کی کمی نہ ہوتی۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۴۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپؐ کے دین پر قائم رہنا اور آپؐ کی تعلیمات میں تبدیلی نہ لانا مقام شکر ہے۔ فرمایا:

---

[1] ۳ آل عمران: ۳۹　[2] الکافی ۶: ۵۲۷　[3] ۲۷ نمل: ۳۷

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ [1]

اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو بس رسول ہی ہیں، ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں، بھلا اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو جزا دے گا۔

اہم نکات

۱۔ ملکی تعمیر و ترقی کے لیے ممکنہ قوتوں سے کام لینا چاہیے: یَعْمَلُوْنَ لَهٗ....

۲۔ شکر ایک کردار کا نام ہے: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا....

۳۔ کردار کی شکل میں شکر گزار بندے تھوڑے ہوتے ہیں۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝۱۴

۱۴۔ پھر جب ہم نے سلیمان کی موت کا فیصلہ کیا تو ان جنات کو سلیمان کی موت کی بات کسی نے نہ بتائی سوائے زمین پر چلنے والی (دیمک) کے جو ان کے عصا کو کھا رہی تھی، پھر جب سلیمان زمین پر گرے تو جنوں پر بات واضح ہو گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کے اس عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

تشریح کلمات

مِنْسَاَتَهٗ: عصا کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ: جب اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی موت کا فیصلہ کیا تو ممکن ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کو خفیہ رکھا گیا ہو اور ایسے لگتا ہے کہ جنات سے کام لینے کے لیے ان کے جسد کو ایک عصا پر تکیہ دے کر قائم رکھا گیا۔ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ جنات پر سلیمان علیہ السلام کی موت واضح ہو گئی،

---

[1] آل عمران: ۱۴۴

سے ایسا معلوم ہوتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت جنوں پر پوشیدہ تھی ورنہ یہ بات ممکن نہیں کہ ایک عظیم فرمانروا کا انتقال ہوتا ہے اور ان کے قریبی لوگوں، وزرا اور مشیروں سے پوشیدہ رہے جب کہ سیاق آیت سے یہ بھی معلوم ہے کہ آپؑ کا جسد کسی ایسی جگہ پر تھا جو لوگوں کو نظر آئے تبھی تو گرنے پر جنات کو پتہ چلا۔

مجمع البیان میں ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وصیت کی تھی:

لا تخبروا الجن بموتی حتی یفرغوا من بنائه...۔[1]　　جنوں کو میری موت کی خبر نہ دو جب تک بیت المقدس کی تعمیر مکمل نہ ہو جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ اپنے ایک قصر کی تکمیل تک۔

۲۔ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ: ان کی موت کی نشاندہی کسی اور نے نہیں کی۔ اس تعبیر سے بھی یہ عندیہ ملتا ہے کہ دیگر لوگوں سے بھی موت کو پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ نشاندہی صرف دیمک نے کی۔ وہ ان کا عصا کھا رہی تھی۔

۳۔ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ: جب حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو جنات کو ان کی موت کا پتہ چلا۔ اس جملے کا ایک ترجمہ تو وہی جو ہم نے متن میں اختیار کیا ہے۔ دوسرا ترجمہ یہ ہوسکتا ہے: تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ جنوں کا حال معلوم ہوا کہ وہ غیب نہیں جانتے۔ چونکہ مشرکین جنات کو اللہ کا شریک قرار دیتے اور انہیں اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ...۔[2]　　اور ان لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا حالانکہ اس نے انہیں پیدا کیا ہے۔

اہم نکات

۱۔ ایک عظیم فرمانروا کو ایک دیمک گرا دیتی ہے۔

۲۔ اس میں انسان کے لیے عبرت اور جنوں کا راز فاش ہے کہ وہ علم میں انسان سے بہتر نہیں ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِىْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝

۱۵۔ تحقیق (اہل) سبا کے لیے ان کی آبادی میں ایک نشانی تھی، (یعنی) دو باغ دائیں اور بائیں تھے اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو ایک پاکیزہ شہر (ہے) اور بڑا بخشنے والا پروردگار۔

---

[1] بحار ۱۴: ۱۴۲　　[2] ۶ انعام: ۱۰۰

تفسیر آیات

۱۔ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ: سبا ایک قوم کا نام ہے جو یمن کے جنوبی علاقے میں آباد تھی۔ یہ علاقہ نہایت سرسبز تھا۔ آج بھی کچھ سرسبزی باقی ہے۔ یہ قوم اس زمانے کی ایک ترقی یافتہ قوم تھی۔ چنانچہ اس نے جنوب سے آنے والا پانی ذخیرہ کرنے کے لیے دو پہاڑیوں کے درمیان ایک بند باندھا تھا۔ یہ بند سد مآرب کے نام سے مشہور تھا۔ کتاب وصف جزیرۃ العرب کے مطابق بند صرف چھ سو ہاتھ چوڑا تھا۔ ان دونوں پہاڑیوں کا نام بلن تھا۔ بارشوں کے وقت سیلاب سے تباہی ہوتی، دوسرے دنوں میں پانی کی شدید قلت ہوتی تھی۔ سد بند جگہ اور مآرب کے شہر کے درمیان تین ہزار مربع میل زمین بنجر، غیر آباد تھی۔ اس بند کے بعد پورا علاقہ سرسبز باغات میں بدل گیا تھا۔

اس بند کے کھنڈرات سے دستیاب ہونے والے قدیم کتبوں کے مطابق سنہ ۵۴۳ عیسوی کو ابرھہ نے اس بند کی مرمت کی ہے لہٰذا اس بند کی تباہی کی تاریخ میں یاقوت کی روایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے جو کہتی ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں بند تباہ ہو گیا تھا۔

۲۔ اٰيَةٌ: اللہ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت ہر ایک میں دلیل موجود تھی۔ اس دلیل کی تفصیل یہ ہے: جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ اس علاقے انسان جہاں بھی جاتا دائیں اور بائیں طرف باغات ہی نظر آتے تھے۔ نعمت کی فراوانی تھی۔ اللہ کی ربوبیت کی علامتیں آشکار تھیں۔

۳۔ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ: اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہ نعمتیں تمہارے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ البتہ ان نعمتوں کے دوام کے لیے وَاشْكُرُوْا لَهٗ شکر ادا کرنا ضروری ہے ورنہ یہ نعمتیں تم سے چھن جائیں گی۔

۴۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ: آبادی پاکیزہ ہے۔ یہاں موذی چیزیں نہیں ہیں۔ بعض مفسرین کے مطابق طَيِّبَةٌ کا مطلب یہ ہے کہ زمین زرخیز، ہوا پاکیزہ اور پانی شیریں ہے۔ سردی گرمی بھی شدید نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کی ربوبیت کی ایک نشانی سرزمین کی شادابی ہے۔
۲۔ شکرگزاری کے لیے نعمتیں حلال ہیں: كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ....

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ

۱۶۔ پس انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا اور ان دو باغوں کے عوض ہم

جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾

نے انہیں دو ایسے باغات دیے جن میں بدمزہ پھل اور کچھ جھاؤ کے درخت اور تھوڑے سے بیر تھے۔

تشریح کلمات

الْعَرِمِ: (ع ر م) عرمن سے ہے۔ بند کے معنی میں ہے۔
خَمْطٍ: (خ م ط) بدمزہ، بے خار درخت۔
اَثْلٍ: (ا ث ل) جھاؤ کے درخت۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ: ان لوگوں نے جب ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے گریز کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس بند کا سیلاب روانہ کر دیا۔ العرم یہاں بند کے معنوں میں لیا جا سکے گا چونکہ اگر العرم شدت وقوت کے معنوں میں لیا جائے العرم، سیل کا وصف ہو گا۔ اس صورت میں ترکیب کلام اس طرح ہوتی: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سيلاً عرماً۔ ہم نے ان پر ایک شدید سیلاب روانہ کیا۔

کہتے ہیں یہ بند سنہ ۴۵۰ عیسوی میں ٹوٹ گیا اور ایک عظیم سیلاب آیا جس سے سارے ملک کی آبادی اجڑ گئی۔

۲۔ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ: ان دو باغوں کے بدلے میں اللہ نے انہیں دو اور باغات دیے اور یہ جدید باغات بدمزہ پھل، کچھ جھاؤ اور تھوڑے سے بیر کے درختوں پر مشتمل تھے۔ ان دونوں کو باغات اس لیے کہا ہے چونکہ کلام باغات پر ہو رہا تھا۔ اس سیلاب نے ہر چیز کو بہا دیا۔ اب ان کی جگہ خودرو قسم کی مختلف جھاڑیاں اور درخت اُگنے شروع ہو گئے جو ان کے کام کے نہیں تھے۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ ان کی ناشکری کے سبب ہم نے انہیں یہ سزا دی اور کیا (ایسی) سزا ناشکروں کے علاوہ ہم کسی اور کو دیتے ہیں؟

تفسیر آیات

ان کی ناشکری کے سبب ہم نے انہیں یہ سزا دی اور کیا (ایسی) سزا ناشکروں کے علاوہ ہم کسی اور کو دیتے ہیں؟

کفران نعمت کی سزا کبھی دنیا میں سلب نعمت اور آخرت میں عذاب کی صورت میں ملتی ہے چونکہ

نعمت کی ناقدری اور ناشکری نہایت منفی خصلت ہے۔ ایسا آدمی قدر شناس نہیں ہوتا۔ وہ تمام قدروں سے عاری ہوتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ ناشکری سے نعمت، نقمت میں بدل جاتی ہے۔

۲۔ ناشکری بہت بری خصلت ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۝۱۸

۱۸۔ اور ہم نے ان کے اور جن بستیوں کو ہم نے برکت سے نوازا تھا، کے درمیان چند کھلی بستیاں بسادیں اور ان میں سفر کی منزلیں متعین کیں، ان میں راتوں اور دنوں میں امن کے ساتھ سفر کیا کرو۔

تفسیر آیات

۱۔ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا: ہم نے اہل یمن اور برکت والی بستیوں کے درمیان ایسی کھلی یا شاہراہ پر واقع بستیاں بسائیں اور سفر کی ایسی منزلیں مقرر کیں کہ پورا سفر امن کا سفر رہے۔

وہ کون سی بستیاں تھیں جنہیں اللہ نے برکت سے نوازا ہے؟ اکثر مفسرین کا یہ خیال ہے کہ بابرکت بستیوں سے مراد بلاد شام (فلسطین، اردن، سوریا) ہیں چونکہ قرآن کی متعدد آیات میں بلاد شام کو برکت والی بستیاں کہا ہے لیکن یہ بہت بعید ہے کہ یمن سے لے کر بلاد شام تک سرسبز بستیاں آباد ہوں، چونکہ یمن اور بلاد شام کے درمیان ایک وسیع اور طویل علاقہ، خشک اور بے آب و گیاہ ہے۔ یہ پورا علاقہ تاریخ کے کسی دور میں بھی سرسبز رہا ہو، ثابت نہیں ہے۔ یہ روایت نامعقول ہے جو کہتی ہے یمن اور شام کے درمیان چار ہزار سات سو سرسبز بستیاں تھیں۔ اگر بستیاں آباد تھیں تو اس بند کے ٹوٹنے کے بعد کی تباہی چھٹی صدی عیسوی سے پہلے موجود ہونا چاہیے تھی۔ ان تاریخوں میں ان آبادیوں کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔

بعض کہتے ہیں بابرکت بستیوں سے مراد مکہ کی سرزمین ہے۔ یہ بھی بہت بعید ہے کہ یمن سے مکہ تک کا پورا علاقہ سرسبز ہو۔

ایک نظریہ یہ ہے کہ بابرکت بستیوں سے مراد صنعاء یا مآرب ہے کہ یہ دونوں یمن ہی کے علاقوں میں واقع ہیں۔ تباہی سے پہلے یہ علاقے نہایت بابرکت تھے۔ سرسبز باغات پر مشتمل تھے۔ چنانچہ

اس علاقے کو بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ پاکیزہ شہر کہا ہے۔

پھر قابل مطالعہ بات یہ ہے کہ قرآن نے یہ نہیں کہا: یمن اور بابرکت بستیوں کے درمیان بلکہ اہل یمن اور بابرکت بستیوں کے درمیان بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى فرمایا ہے۔ اس سے یہ بات زیادہ قرین واقع معلوم ہوتی ہے کہ بابرکت بستیوں سے یمن ہی کی بستیوں کا ذکر مراد ہے جیسا کہ ابن جبیر نے لکھا ہے۔

۲۔ قُرًى ظَاهِرَةً: نمایاں بستیاں جو مسافروں کے راستوں پر واقع تھیں۔ ایسا نہیں تھا کہ ان بستیوں میں ٹھہرنے کے لیے راستے سے نکل کر دور جانا پڑتا ہو بلکہ یہ ساری بستیاں راستے پر واقع تھیں۔ شاید مسافروں کے لیے ایک سہولت کا ذکر ہے۔

بعض اہل تحقیق کے مطابق قُرًى ظَاهِرَةً سے مراد شہروں سے دور واقع بستیاں ہیں جو بیابانوں میں واقع ہیں۔ چنانچہ صحرا کی بستیوں کو بادیہ بھی کہتے ہیں جو ظَاهِرَةً کے معنوں میں ہے۔ اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے: ہم نے اہل یمن اور بابرکت بستیوں کے درمیان صحرائی بستیاں بنائیں۔

۳۔ قَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ: ان علاقوں میں سفر کی مسافت اور فاصلہ متعین تھا اور اس سے منزلیں بھی متعین ہوتی ہیں۔ سفر کے لیے یہ بھی بہت بڑی سہولت ہے کہ اگلی منزل کس جگہ ہو گی چونکہ آبادیاں متصل ہونے کی وجہ سے مسافر کو علم ہوتا تھا کہ اگلی منزل کون سی بستی ہو گی ورنہ خشک بیاباں میں منزل کا تعین نہیں ہو سکتا۔

۴۔ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ: ان بستیوں میں سفر کرو۔ یہ حکم بزبان حال ہے کہ اللہ نے سفر کے لیے اس طرح پرامن ماحول فراہم فرمایا ہے کہ اب دن کو سفر کرو یا رات کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ نہ پیاس بھوک کا، نہ درندوں کا، نہ راہزنوں کا۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت پُرامن سفر ہے۔

۲۔ سفر میں منزل کا تعین ایک اہم سہولت ہے۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ

۱۹۔ پس انہوں نے کہا: ہمارے پروردگار! ہمارے سفر کی منزلوں کو لمبا کر دے اور انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا چنانچہ ہم نے بھی انہیں افسانے بنا دیا اور انہیں مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، یقیناً اس (واقعہ) میں ہر صبر اور شکر کرنے والے کے

شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ لیے نشانیاں ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا: ان لوگوں نے کہا: ہمارے رب ہمارے سفر کی مسافتیں طویل کر دے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ناشکری کا زباں حال ہے کہ وہ ان سفری سہولتوں کی وجہ سے طغیانی میں آئے تھے۔ اس کا واحد علاج مسافتیں دور کرنے میں تھا۔ اگرچہ بعض بزرگ مفسر فرماتے ہیں کہ ان کا یہ شعوری مطالبہ تھا جس طرح بنی اسرائیل نے من و سلویٰ کی جگہ تھوم اور پیاز مانگا تھا۔

۲۔ وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ: ان لوگوں نے کفران نعمت کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اور ان نعمتوں سے اپنے آپ کو محروم کر لیا۔

۳۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ: پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا کہ آنے والی نسلیں ان کی افسوسناک داستانیں بیان کیا کریں۔ یہاں تک کہ ان کی تباہی ایک ضرب المثل بن گئی۔ کہتے ہیں: تفرقوا ایادی سبا۔ وہ قوم سبا کی نعمتوں کی طرح پراگندہ ہو گئے۔

۴۔ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ: اور انہیں مکمل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اپنے علاقے کی بربادی کے بعد یمن والے دیگر علاقوں میں منتشر ہو گئے اور یہ ترقی یافتہ قوم تتر بتر ہو کر رہ گئی۔

۵۔ تفہیم القرآن میں آیا ہے:

> اسٹرابو لکھتا ہے: یہ لوگ سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے اور ان کے مکانوں کی چھتوں، دیواروں اور دروازوں تک میں ہاتھی کے دانت، سونے، چاندی اور جواہر کا کام بنا ہوا ہوتا ہے.... آر ٹی میڈورس کہتا ہے: یہ لوگ عیش میں مست ہو رہے ہیں اور جلانے کی لکڑی کے بجائے دارچینی، صندل اور دوسری خوشبودار لکڑیاں جلاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے یونانی مورخین روایت کرتے ہیں کہ ان کے علاقے کے قریب سواحل سے گزرتے تجارتی جہازوں تک خوشبو کی لپٹیں پہنچتی ہیں۔ انہوں نے تاریخ میں پہلی مرتبہ صنعا کے بلند پہاڑی مقام پر وہ فلک شگاف عمارت تعمیر کی جو قصر غمدان کے نام سے صدیوں تک مشہور رہی۔ عرب مورخین کا بیان ہے اس کی ۲۰ منزلیں تھیں اور ہر منزل ۳۶ فٹ بلند تھی۔ (ہمارے زمانے کے مطابق ستر منزلیں)۔ (العهدة على الراوی)

۵۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ: جو لوگ مقام صبر اور شکر پر فائز ہیں وہ ان واقعات سے درس لیتے ہیں۔ جو بے صبر، ناشکرے ہوتے ہیں وہ ان واقعات سے عبرت نہیں لیتے۔

اہم نکات

۱۔ نعمتوں کی فراوانی کی صورت میں ناشکری، عذاب الٰہی کے لیے دعوت ہے۔
۲۔ سب سے زیادہ متنعم قوم تباہی کے لیے ضرب المثل بن گئی۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ....
۳۔ مقام صبر وشکر پر فائز لوگ اللہ کی نشانیوں سے درس لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور بتحقیق ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا گمان درست پایا اور انہوں نے اس کی پیروی کی سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے۔

تفسیر آیات

ان مشرکین کے بارے میں ابلیس کا ظن و گمان درست پایا کہ اس نے کہا تھا کہ میں اولاد آدم کو گمراہ کروں گا سوائے مخلص بندوں کے۔ چنانچہ چند ایک مؤمن بندوں کے علاوہ سب نے ابلیس کی پیروی کی۔

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع

۲۱۔ اور ابلیس کو ان پر کوئی بالادستی حاصل نہ تھی مگر ہم یہ جاننا چاہتے تھے کہ آخرت کا ماننے والا کون ہے اور ان میں سے کون اس بارے میں شک میں ہے اور آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ: ابلیس کا بنی آدم پر ایسا تسلط قائم نہیں ہے کہ اپنی پیروی کرنے پر جبر کرے۔ وہ صرف وسوسہ پیدا کر سکتا ہے:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ....[1] جو میرے بندے ہیں ان پر یقیناً تیری بالادستی نہ ہو گی۔

۲۔ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ: ایک ممکنہ سوال کا جواب۔ سوال یہ ہے کہ وہ مسلط نہ سہی، اسے گمراہ کرنے کی آزادی کیوں دے رکھی ہے؟ جواب میں فرمایا: اسے آزادی صرف اس لیے دے رکھی ہے تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ مؤمن بالآخرۃ کون ہے اور اس پر ایمان نہ رکھنے والے کون ہیں؟

---

[1] ۱۵ حجر: ۴۲

جہاں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے بہت سے اسباب فراہم فرمائے ہیں، جیسے ضمیر، عقل، فرشتے اور انبیاء علیہم السلام، وہاں گمراہی کی طرف دعوت دینے والوں کو بھی نہیں روکا۔ جیسے خواہشات، شیاطین وغیرہ۔ ان دونوں راستوں کے درمیان انسان کو کھڑا کیا گیا تا کہ ایمان اور شک والوں میں عملی امتیاز آ جائے۔

اہم نکات

۱۔ شیطان انسان کو مجبور نہیں کرتا۔ وہ صرف دعوت دیتا ہے: وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ...۔

۲۔ شیطان کو آزادی اس لیے دی ہے کہ انسان کا امتحان ہو سکے: اِلَّا لِنَعْلَمَ ....۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ کہہ دیجیے: جنہیں تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے ہو انہیں پکارو، وہ ذرہ بھر چیز کے مالک نہیں ہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ہی ان دونوں میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے اس کا کوئی مددگار ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو اپنا معبود بناتے ہیں ان سے کہہ دیجیے: انہیں پکار کر دیکھ لو وہ اس کائنات میں سے ذرہ بھر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ وہ ان کی کوئی حاجت کیسے پوری کریں گے؟ جب وہ کسی کی حاجت روائی کرنے پر قادر نہیں ہیں تو تم ان کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ اگر وہ تمہاری حاجت روائی کرتے تو اس کا شکر اور اس کی بندگی کرتے۔

۲۔ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ : نہ آسمانوں اور زمین میں ان کی کوئی شرکت ہے۔ اگر وہ مستقل کسی چیز کے مالک نہیں ہیں تو کسی کے ساتھ مالکیت میں شریک بھی نہیں ہیں۔

۳۔ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ : نہ ہی اللہ کو ان شریکوں سے کسی مدد اور کمک کی ضرورت ہے۔ یہ شریک جب ایک محتاج انسان کی کوئی کمک نہیں کر سکتے تو اللہ کی کیا کمک کر سکیں گے جب کہ اللہ کسی کمک کا محتاج نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کے علاوہ اس کائنات میں کوئی ایک ذرے کا بھی مالک حقیقی نہیں ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور اللہ کے نزدیک کسی کے لیے شفاعت فائدہ مند نہیں سوائے اس کے جس کے حق میں اللہ نے اجازت دی ہو، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے پریشانی دور ہو گی تو وہ کہیں گے: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ کہیں گے: حق فرمایا ہے اور وہی برتر، بزرگ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ: مشرکین اپنے معبودوں، ملائکۃ کو اللہ کے ہاں شفاعت کنندہ سمجھتے تھے: هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ....[1] یہ اللہ کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔ مشرکین کے ہاں شفاعت سے مراد دنیاوی معاملات میں سفارش ہے، آخرت کے وہ منکر تھے۔ لہٰذا آیت کا موضوع دنیا میں شفاعت ہے۔ اس سلسلے میں فرمایا: دنیا میں بھی کوئی ذات بذات خود شفاعت کی حقدار نہیں ہے جب تک مالک حقیقی کی طرف سے اجازت نہ ہو۔ یعنی فرشتے سفارش ضرور کر سکتے ہیں لیکن ہر بات اور ہر کسی کے لیے نہیں بلکہ اس کے حق میں شفاعت کر سکتے ہیں جس کے لیے اذن مل جائے۔

۲۔ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ: اس جملے کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ اس شخص کی شفاعت مفید ہو سکتی ہے جسے شفاعت کا کردار ادا کرنے کا اذن مل جائے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں: شفاعت اس شخص کے حق میں مؤثر ہے جسے شفاعت ملنے کا اذن ہو۔ دوسرے معنی زیادہ قرین واقع معلوم ہوتے ہیں۔

۳۔ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ: التفزیع پریشانی کا دور ہونا۔ فرشتوں کو بذات خود شفاعت کا حق ہونا دور کی بات ہے بلکہ یہ خود امر خدا کے انتظار میں پریشان رہتے ہیں کہ کیا حکم ملنے والا ہے۔ حکم خدا کے آنے پر ان کی پریشانی دور ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے سے اس حکم کی نوعیت پوچھتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے کس بات پر پریشان ہوتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ان کو اجمالاً علم ہوتا ہے کہ انہیں شفاعت کا حق ملنے کا امکان ہے۔ پریشانی اس بات کی ہوتی ہے کہ یہ حق ملنے والا ہے یا نہیں؟ جب یہ حق مل جاتا ہے تو پریشانی دور ہو جاتی ہے۔

۴۔ مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ: تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں میں بھی مراتب ہیں۔ ادنیٰ مرتبہ والے اعلیٰ مرتبہ والوں سے سوال کرتے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کی طرف سے شفاعت کا اذن ملنے کے لیے اس کا اہل ہونا چاہیے۔

---

[1] ۱۰ یونس: ۱۸

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ان سے پوچھیے: تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ، تو ہم اور تم میں سے کوئی ایک ہدایت پر یا صریح گمراہی میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ: سوال کشف حقیقت اور مدمقابل کے نظریے کو رد کرنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے۔ ان مشرکین سے پوچھ لیجیے کہ آسمانوں اور زمین سے تمہیں کون روزی دیتا ہے؟ قُلِ اللّٰہُ آپ خود کہہ دیجیے: اللہ ہی رازق ہے۔

۲۔ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اہل ارض کو رزق دینے میں تمام آسمانوں کا عمل دخل ہے۔ یعنی کل کائنات پر حاکم نظام کو دخل ہے۔ چنانچہ اہل ارض کے لیے ارزاق کی فراہمی میں زمین سے آسمانوں کا عمل زیادہ مؤثر ہے۔

واضح رہے مشرکین اپنے معبودوں کو رازق سمجھتے تھے۔ اس عنوان سے کہ یہ معبود اللہ کی بارگاہ میں سفارش کرتے ہیں۔ ان کی سفارش پر ہمیں رزق ملتا ہے۔ مشرکین مانتے تھے کہ رازق خود اللہ تعالیٰ ہے۔ سابقہ آیت میں سفارش اور شفاعت کی نفی فرمائی۔ جب ان معبودوں کی سفارش کی نفی ہوگئی تو رازق صرف اللہ تعالیٰ ہی رہ جاتا ہے۔

۳۔ وَ اِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: واضح دلیل پیش کرنے کے بعد رسول اللہؐ کی زبان سے فرماتا ہے: ہمارا اور تمہارا موقف باہم متضاد ہیں۔ یہ دونوں صحیح نہیں ہو سکتے اور دونوں باطل بھی نہیں ہو سکتے۔ رازق اللہ ہے یا تمہارے معبود، یہ دونوں نظریے باطل نہیں ہو سکتے۔

مشرکین کا نظریہ باطل ہونے پر دلیل موجود ہے کہ خود مشرکین اللہ کو خالق حقیقی مانتے ہیں پس انہیں اللہ کو رازق بھی ماننا پڑے گا چونکہ رزق دینا بھی تخلیق ہے۔

دعوت فکر کا ایک انمول طریقہ یہ ہے کہ مدمقابل کی سطح پر اُتر آئیں کہ ہم دونوں میں ایک ہدایت پر یا گمراہی میں ہے۔ سوچو! ہم دونوں میں سے کون ہدایت پر اور کون گمراہی میں ہو سکتا ہے؟ کس کی دلیل منطقی ہے اور کون اندھی تقلید پر ہے؟ کس کے موقف پر کوئی سند ہے اور کون سا موقف بے سند ہے؟

اہم نکات

۱۔ بندگی رَب کی ہوتی ہے۔ رَب وہ ہے جو رازق ہے۔

۲۔ ہمیں روزی ملنے میں تمام آسمان موثر ہیں: مِّنَ السَّمٰوٰتِ ....۔
۳۔ دلیل قائم کرنے کے لیے مدمقابل کی سطح پر آنا مؤثر ہے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ کہہ دیجیے: ہمارے گناہوں کی تم سے پرسش نہیں ہوگی اور نہ ہی تمہارے اعمال کے بارے میں ہم سے سوال ہوگا۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ کہہ دیجیے: ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان حق پر مبنی فیصلہ فرمائے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا، دانا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا: اگر تم کسی دلیل و منطق کو تسلیم نہیں کرتے ہو اور اپنے عمل کا نتیجہ بھگتنے کے لیے آمادہ ہو، تمہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہم تمہارے اعمال کے ذمے دار نہیں جیسا کہ تم ہمارے اعمال کے ذمے دار نہیں ہو۔

۲۔ اگر اعمال کے نتیجے کا انتظار کرنے کے لیے آمادہ ہو تو اس دن کا انتظار کرو جس دن رب ہمیں جمع کرے گا پھر ہمارے درمیاں فیصلہ کرے گا۔

۳۔ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ: فتاح جدا کرنے، کھولنے والے کو کہتے ہیں۔ فیصلہ میں چونکہ دو چیزوں میں امتیاز کرنا ہے اس لیے فیصلہ کرنے والے کو فتاح کہتے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ دعوت انبیاء علیہم السلام لوگوں کی نجات کے لیے ہے، کسی مفاد کے لیے نہیں: وَلَا نُسْـَٔلُ ....۔
۲۔ تصور قیامت انسان کو استقامت دیتا ہے: يَفْتَحُ بَيْنَنَا ....۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ کہہ دیجیے: مجھے وہ تو دکھاؤ جنہیں تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا صرف اللہ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِہٖ: تم ان شریکوں کا حدود اربعہ تو بیان کرو کہ ان میں میری ربوبیت میں شریک ہونے کی صلاحیت کہاں آ گئی۔ان بے جان بتوں میں یہ صلاحیت ہے یا ان کے تابع فرمان فرشتوں میں؟ بے جان اور تابع دونوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اس کی حاکمیت میں حصہ دار بن جائیں۔

۲۔ کَلَّا: ہرگز نہیں۔ نہ بے جان اللہ کا شریک ہوسکتا ہے، نہ اللہ کے تابع فرمان فرشتے۔

۳۔ بَلْ ھُوَ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ: بلکہ اللہ ہی بالادست ہے، کسی شریک کا محتاج نہیں ہے۔ حکیم ہے۔اس کی حکمت میں کسی کی مداخلت نہیں ہوسکتی۔

اہم نکات

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور حاکمیت میں کسی شریک کا تصور نہیں ہوسکتا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے فقط بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ: مکہ میں نازل ہونے والی یہ آیت مستشرقین کے اس اعتراض کا دندان شکن جواب ہے جو کہتے ہیں: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شروع میں خیال یہ تھا کہ وہ صرف اہل مکہ اور اس کے گرد و پیش کی چند بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، بعد میں غیر متوقع کامیابی دیکھ کر یہ دعویٰ شروع کیا کہ میں پورے جزیرۃ العرب کی طرف مبعوث ہوا ہوں اور بعد میں دعویٰ کیا کہ پورے عالم کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

کَآفَّۃً: کے ایک یہ معنی بھی کیے جاتے ہیں کہ یہ کف سے ہے جو روکنے کے معنوں میں ہے اور کَآفَّۃً میں تاء مبالغہ کے لیے ہے جیسے علامۃ میں اور مطلب یہ ہے کہ آپؐ کو لوگوں کو کفر سے روکنے کے لیے مبعوث کیا ہے۔ یہ معنی اس ترکیب کلام میں ہرگز درست نہیں ہے چونکہ قرآنی استعمالات میں اس قسم کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ آپؐ کو کفر سے روکنے والا کہا ہو۔قرآن کف کا لفظ استعمال نہیں کرتا جو طاقت کے ذریعے روکنے کے معنوں میں ہے۔جیسے فَکَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ ....[1] بلکہ نَذِیْرًا کا لفظ استعمال کرتا ہے جو تنبیہ کے ساتھ تبلیغ کے معنوں میں ہے۔ لسان العرب میں آیا ہے: الانذار الابلاغ ولا یکون الا فی التخویف: انذار ابلاغ کو کہتے ہیں جو صرف اس ابلاغ کے لیے ہوتا ہے جس میں عاقبت بد سے ڈرانا مقصود ہو۔

---

[1] ۵ مائدۃ: ۱۱

قرآن لفظ کَآفَّةً، عامة کے معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ جیسے:

اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً ...۔[1]	تم سب کے سب (دائرہ) امن و آشتی میں آجاؤ۔
وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ کَآفَّةً کَمَا یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ کَآفَّةً ...۔[2]	اور تم، سب مشرکین سے لڑو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔
وَمَا کَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِیَنۡفِرُوۡا کَآفَّةً ۔[3]	اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب مومنین نکل کھڑے ہوں۔

ان تمام آیات میں لفظ کَآفَّةً عامة " سب کے سب'' کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

نیز مکہ میں نازل ہونے والی دیگر متعدد آیات سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے کہ آپؐ کی رسالت عالمی ہے۔

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا ...۔[4]	کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں۔
تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾ ۔[5]	بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ سارے جہاں والوں کے لیے انتباہ کرنے والا ہو۔
وَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَکُمۡ بِهٖ وَ مَنۡۢ بَلَغَ ...۔[6]	اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس تک یہ پیغام پہنچے سب کو تنبیہ کروں.
وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾ ۔[7]	اور (اے رسول) ہم نے آپ کو بس عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

یہ تمام آیات، مکہ میں نازل ہونے والی سورہ ہائے قرآن میں ہیں لہٰذا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے عالمی ہونے کی تصریحات مکہ کے ابتدائی دنوں کی بات ہے، بعد کی نہیں۔

رہا یہ سوال کہ کَآفَّةً حال نہیں ہوسکتا لِّلنَّاسِ کا، جو کہ مجرور ہے اور مجرور کا حال مقدم نہیں ہوسکتا؟

جواب: نحوی قواعد، استعمالات عرب کی روشنی میں ترتیب دیے گئے ہیں لہٰذا قرآنی استعمالات، نحوی قواعد کے لیے شاہد بنتے ہیں۔ اس طرح نحوی قواعد، استعمالات عرب کے تابع ہیں۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ کَآفَّةً حال ہے اَرۡسَلۡنٰکَ میں کاف خطاب کا، نہ للناس کا۔ (بیضاوی)

---

[1] ۲ بقرۃ: ۲۰۸　[2] ۹ توبۃ: ۳۶　[3] ۹ توبۃ: ۱۲۲　[4] ۷ اعراف: ۱۵۸
[5] ۲۵ فرقان: ۱　[6] ۶ انعام: ۱۹　[7] ۲۱ انبیاء: ۱۰۷

تیسری بات مجرور کا حال مقدم ہونا محققین کے ہاں جائز ہے۔ جیسا کہ ابو علی الفارسی۔ ابن کیسان، ابن عطیہ اور سید رضی جواز کے قائل ہیں۔ (التحریر و التنویر)۔

اہم نکات

۱۔ رسول اسلام ﷺ کی رسالت عالمی ہے۔

۲۔ رسالت دو بنیادوں: بشارت و نذارت پر قائم ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور یہ کہتے ہیں: اگر تم لوگ سچے ہو (تو بتاؤ قیامت کے) وعدے کا دن کب آنے والا ہے؟

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ کہہ دیجیے: تم سے ایک دن کا وعدہ ہے جس سے تم نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ آگے بڑھ سکو گے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ: منکرین قیامت اپنے انکاری لہجے میں بطور استہزا کہتے تھے کہ جس قیامت سے ہمیں ڈراتے ہو وہ کب آنے والی ہے۔

۲۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: اگر دعوائے قیامت میں سچے ہو تو اس کی تاریخ کا تعین کرو۔ اس جملے میں جمع کا صیغہ اس لیے استعمال ہوا ہے کہ اس کے مخاطبین میں رسول ﷺ اور قیامت پر ایمان لانے والے سب شامل ہیں۔

۳۔ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ: یوم قیامت کے لیے اس نظام کائنات کے تحت ایک وقت مقرر ہے۔ اس مقررہ وقت کو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ○ [1]

قیامت یقیناً آنے والی ہے، میں اسے پوشیدہ رکھوں گا تاکہ ہر فرد کو اس کی سعی کے مطابق جزا ملے۔

چنانچہ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ [2]

اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

---

[1] ۲۰ طٰہٰ: ۱۵ [2] ۴۳ زخرف: ۸۵

۴۔ لَا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً: قیامت کا دن مقرر اور معین ہے۔ اس مقررہ وقت سے ایک لمحہ کے لیے تقدیم تاخیر نہیں ہوسکتی۔ یہ بات ہم سب کے مشاہدے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ مقررہ نظام میں تبدیلی نہیں آتی۔ مثلاً جس لمحے میں سورج نے طلوع کرنا ہے اسی مقررہ وقت پر اربوں سال سے طلوع کر رہا ہے۔

البتہ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ اس نظام کی عمر کیا ہے اور کس لمحے یہ عمر ختم ہونے والی ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ... (۴۳ زخرف: ۶۶)　　کیا یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر اچانک آ پڑے...۔

جب نظام کائنات کی عمر ختم ہو جائے گی، قیامت اچانک آ جائے گی۔

اہم نکات

۱۔ نظام کائنات کا وہ راز صرف اللہ کے پاس ہے جس کے تحت دفعتاً قیامت آنے والی ہے۔

۲۔ اللہ کے وضع کردہ نظام میں تقدیم و تاخیر نہیں ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱

۳۱۔ اور کفار کہتے ہیں: ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور نہ (ان کتابوں پر) جو اس سے پہلے ہیں اور کاش آپ ان کا وہ حال دیکھ لیتے جب یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اور ایک دوسرے پر الزام عائد کر رہے ہوں گے، (چنانچہ) جو لوگ دبے ہوئے ہوتے تھے وہ بڑا بننے والوں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ: مشرکین کسی نبوت کو نہیں مانتے تھے لہٰذا جہاں وہ قرآن کو نہیں مانتے تھے وَلَا بِالَّذِيْ، توریت و انجیل کو بھی نہیں مانتے تھے۔ جب وہ توریت و انجیل کو نہیں مانتے تھے تو ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت کو بھی نہیں مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے:

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ....[1] اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔

۲۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ: اے رسول! اگر آپ اس منظر کو دیکھ لیتے کہ مشرکین اپنے جرائم کا جواب دینے کے لیے اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہیں تو یہ منظر نہایت خوفناک منظر ہوتا۔

۳۔ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ: یہ ظالمین ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہوں گے۔ یہ افسوسناک دن دیکھنے کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال رہے ہوں گے۔ اگلے جملے میں اس الزام کا مضمون مذکور ہے۔

۴۔ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا: جن لیڈروں، سرداروں اور مذہبی رہنزوں کی باتیں یہ لوگ دنیا میں آنکھیں بند کرکے مان لیتے تھے، آخرت میں حقیقت کا مشاہدہ کرنے پر ان کے خلاف بولیں گے۔ دنیا میں تو وہ ان کے سامنے لب کشائی نہیں کرتے تھے لیکن آخرت میں ساری ذمہ داری ان پر ڈالیں گے۔

۵۔ لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ: اگر تم نہ ہوتے تو ہم مؤمن ہوتے۔ اگر تم ہمارے ذہن غلط فہمیوں سے پُر نہ کرتے تو ہم حرف حق سننے کے قابل ہو جاتے اور ایمان لے آتے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۳۲

۳۲۔ اور بڑا بننے والے دبے رہنے والوں سے کہیں گے: ہدایت تمہارے پاس آ جانے کے بعد کیا ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم خود ہی مجرم ہو۔

تفسیر آیات

دنیا میں اپنے زیر اثر لوگوں سے سرداران کہیں گے: تم نے خود اپنی آزادی کو فروخت کیا تھا۔ تم ذہنی طور پر غلام تھے اور اپنی مرضی سے گمراہی میں چلے گئے۔ ورنہ تم تک حق کی دعوت پہنچ گئی تھی۔

بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ: بلکہ تم خود ہی مجرم ہو۔ مستکبرین کے جواب میں ہدایت کی دعوت پہنچنے اور حجت پوری ہونے کا اقرار موجود ہے جب کہ یہ لوگ دنیا میں اس دعوت کو حقارت کے ساتھ ٹھکراتے رہے۔ اگر دنیا میں ہوتے، یہ غلام ذہن رکھنے والے مستکبرین کے سامنے لب کشائی نہیں کر سکتے تھے لیکن قیامت کے دن مستکبرین کے مقابلے میں برابری کی بنیاد پر بات کرتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

۳۳۔ اور کمزور لوگ بڑا بننے والوں سے کہیں گے: بلکہ یہ رات دن کی چالیں تھیں جب تم ہمیں اللہ

---

[1] ۶ انعام: ۹۱

اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۳

سے کفر کرنے اور اس کے لیے ہمسر بنانے کے لیے کہتے تھے، جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل میں ندامت لیے بیٹھیں گے اور ہم کفار کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے، کیا ان کو اس کے سوا کوئی بدلہ ملے گا جس کے یہ مرتکب ہوا کرتے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا: کمزور طبقے کا یہ جواب ہوگا: درست ہے ہم تک ہدایت پہنچ گئی تھی، حجت پوری ہوگئی تھی اس وجہ سے ہم مجرم ضرور ہیں مگر اس میں تمہارا کردار بنیادی تھا۔

۲۔ بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ: وہ بنیادی کردار تمہاری دن رات کی چالیں اور تمہارے شب و روز کی فریب کاریاں تھیں۔

۳۔ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ: تم نے ہمارے کفر اختیار کرنے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال اور اللہ کے لیے شریک بنانے میں تم نے جو کردار ادا کیا، وہ بھی معلوم ہے۔

۴۔ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ: اس گفتگو کے مکمل ہونے کے بعد جب عذاب کا فیصلہ ہوتا ہے اور عذاب سامنے آ جاتا ہے تو اس وقت دونوں فریق دل میں ندامت لیے بیٹھیں گے۔

۵۔ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ: عذاب کے مشاہدے کے بعد اب عذاب شروع ہو جاتا ہے اور ان کی گردنوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

۶۔ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: دنیا میں جو ان کا عمل ہوگا، وہی عمل سزا بن کر ان کی گردن کا طوق بن جائے گا۔ عمل انرجی ہے۔ انرجی دائمی چیز ہے کہ یہ عمل اگر اچھا ہے تو انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اگر برا ہے تو انسان کی جان نہیں چھوڑتا مگر یہ کہ اللہ عفو اور مغفرت کے طور پر اس عمل کے اثر کو زائل فرمادے۔ برے عمل کا اثر زائل کرنے کو مغفرت کہتے ہیں اور اچھے عمل کا اثر زائل کرنے کو حبط کہتے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ طفیلی سوچ رکھنے والے فکری استحصال کا شکار ہوتے ہیں۔

۲۔ انسان کا برا عمل انسان کی جان نہیں چھوڑتا: مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾
وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾

۳۴۔ اور ہم نے کسی بستی کی طرف کسی تنبیہ کرنے والے کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے مراعات یافتہ لوگ کہتے تھے: جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اسے نہیں مانتے۔
۳۵۔ اور کہتے تھے: ہم اموال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں، ہم پر عذاب نہیں ہوگا۔

تشریح کلمات

مترف: (ت ر ف) التُّرفة عیش وعشرت میں فراخی اور وسعت کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ: خوشحالی اور ناز ونعمت کی فراوانی سے قدریں بدل جاتی ہیں اور دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے۔ دولت انسان کو بے نیازی کے غلط احساس میں مبتلا کر دیتی ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝[1]

ہرگز نہیں! انسان تو یقیناً سرکشی کرتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز خیال کرتا ہے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور اس مراعات یافتہ طبقے کے مفادات میں ٹکراؤ ہے۔ انبیاء علیہم السلام مال کو وسیلہ سمجھتے ہیں اور یہ لوگ مال کو منزل سمجھتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام عدل و انصاف کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ لوگ استحصال کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ پھر مال کے سیاہ پردوں کے پیچھے دل تک حق کی آواز نہیں پہنچ پاتی۔

قرآن نے اس بات کو ایک کلی امر کے طور پر بیان فرمایا ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی ہم نے کسی بستی میں رسول بھیجا، وہاں مراعات یافتہ اور نازپروروں نے اس رسول کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ سورۂ زخرف کی آیت ۲۳ میں بھی اسی مطلب کو ایک کلیہ کے طور پر بیان فرمایا ہے:

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّۃٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝

اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی کی طرف کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے عیش پرستوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رسم پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

۲۔ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا: دولت کے نشے میں مدہوش یہ لوگ کہتے ہیں: ہمارے پاس

---

[1] ۹۶ علق: ۶۔۷

چونکہ مال و اولاد کی فراوانی ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ ہم سے راضی ہے اور جب اللہ کی خوشنودی ہمارے ساتھ ہے تو اللہ ہمیں عذاب نہیں دے گا۔

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝[1]

اور میں خیال نہیں کرتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر مجھے میرے رب کے حضور پلٹا دیا گیا تو میں ضرور اس سے بھی اچھی جگہ پاؤں گا۔

اہم نکات

۱۔ دولت کے سیاہ پردوں کے پیچھے موجود دل تک حق کی آواز نہیں پہنچتی۔

۲۔ دولت مند ہمیشہ داعیان حق کے مخالف ہوتے ہیں۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

۳۶۔ کہدیجیے: میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراوان اور تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ: رزق کی فروانی مؤمن کے لیے نعمت اور کافر کے لیے عذاب کا باعث ہے۔ لہٰذا اللہ اس مؤمن کے لیے رزق کی فروانی چاہے گا جو فزونی نعمت کے امتحان میں کامیابی حاصل کرے گا اور اگر کامیابی کی امید نہ ہو تو اللہ اس پر رحم فرماتا ہے اور اسے نعمت کی فزونی سے محروم رکھتا ہے۔ البتہ وہ کافر پر یہ رحم نہیں کرے گا اور اسے نعمتوں سے مالا مال کرے گا تاکہ اس کے عذاب میں اضافہ ہو:

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ ....[2]

لہٰذا ان کے اموال اور اولاد کہیں آپ کو فریفتہ نہ کر دیں، اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے انہیں دنیاوی زندگی میں بھی عذاب دے

۲۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ: اکثر لوگ اس راز کو نہیں سمجھتے بلکہ اس کے برعکس یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ جس سے راضی ہے اسے دولت دیتا ہے۔ جس سے اللہ راضی نہیں اسے غریب رکھتا ہے۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ

۳۷۔ اور تمہارے اموال و اولاد ایسے نہیں جو تمہیں

---

[1] ۱۸ کہف: ۳۶　　[2] ۹ توبۃ: ۵۵

بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۪ فَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَھُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

ہماری قربت میں درجہ دلائیں سوائے اس کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پس ان کے اعمال کا دگنا ثواب ہے اور وہ سکون کے ساتھ بالا خانوں میں ہوں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ : غیر مؤمن مال، برائے مال چاہتا ہے اور مال غیر مؤمن کے نزدیک بذات خود منزل ہے۔ اسی طرح اولاد کا محض وجود غیر مؤمن کا مقصد ہے۔ اس آیۂ شریفہ میں فرمایا: مال و اولاد کا صرف وجود باعث قرب الٰہی نہیں ہے۔

۲۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ : مال، مؤمن کی نظر میں کسی مقدس مقصد کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اس صورت میں مال کی وہی قیمت ہے جو مقصد کی ہے۔ جب مال کسی مقدس مقصد میں فنا ہو جاتا ہے تو مال و اولاد کو بھی تقدس حاصل ہو جاتا ہے۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ سے معلوم ہوا مؤمن ایمان کے سائے میں مال و اولاد کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کر لیتا ہے۔

فی سبیل اللہ مال خرچ کر کے نیکی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ....[1] جب تک تم اپنی پسند کی چیزوں میں سے خرچ نہ کرو تب تک کبھی نیکی کو نہیں پہنچ سکتے۔

مومن اولاد کو نیک تربیت دے کر باقیات الصالحات میں شمار ہونے کے قابل بناتا ہے تو اولاد کے اعمال صالحہ میں سے والدین کو بھی حصہ ملتا رہے گا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قیامت کے دن مؤمن کی صالح اولاد کام آئے گی۔ جیسا کہ سورۂ الرعد آیت ۲۳ اور سورۂ غافر آیت ۸ میں فرمایا:

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَھَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِھِمْ .... ایسی دائمی جنتیں ہیں جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے آباء بھی۔

اگر کسی کے باپ دادا صالح مؤمن تو ہیں لیکن اولاد کے درجے پر فائز نہیں ہیں لہٰذا وہ جنت عدن میں داخل ہونے کے درجہ پر نہ ہوں گے، اس کی اولاد کی خاطر اس والد کو بھی جنت عدن میں داخل کیا جائے گا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں قیامت میں اولاد بھی کام آتی ہے۔

---

[1] ۳آل عمران: ۹۲

۳۔ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ: ان لوگوں کے لیے ان کے اعمال کا ثواب کئی گنا ہو گا۔ مال کے ذریعے تو سورۂ بقرہ آیت ۲۶۱ کے تحت ایک کے مقابلے میں سات سو گنا اور خاص بندوں کے لیے ۷۱۴ سو گنا ثواب مل جائے گا۔

اولاد صالح کے ذریعے ان کے نیک اعمال میں سے والدین کو بھی حصہ ملتا رہے گا۔

۴۔ وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ: وہ جنت کے بالا خانوں میں امن سے رہیں گے۔ وہاں انہیں کسی ایسی چیز کا خوف لاحق نہیں رہے گا جو دنیا میں رہا کرتا تھا۔ فقر، بیماری، بڑھاپا، موت وغیرہ کا کوئی خوف نہ ہو گا۔

اہم نکات

۱۔ مؤمن کے لیے مال و اولاد وسیلۂ قرب الٰہی بن سکتے ہیں۔

۲۔ صالح اولاد دنیا و آخرت دونوں میں کام آتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور جو لوگ ہماری آیات کے بارے میں سعی کرتے ہیں کہ (ہم کو) مغلوب کریں یہ لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔

تفسیر آیات

جنت عدن کے بالا خانوں میں رہنے والوں کے مقابلے وہ لوگ جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے اور ہمارے انبیاء علیہم السلام کو ناکام بنانے کی سعی میں مشغول رہتے ہیں، عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ کہہ دیجیے: میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فراوانی اور تنگی سے رزق دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کی جگہ وہ اور دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ: اس جملے کی تشریح اسی سورہ کی آیت ۳۶ میں ہو چکی ہے۔

۲۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ: جو تم راہ خدا میں خرچ کرتے ہو اس کی جگہ وہ اور دیتا ہے۔ دنیا میں نعمت کی فراوانی اور آخرت میں ثواب کی صورت میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

اَنْفِقْ اَنْفَقُ عَلَيْكَ۔ [1] تو دے دے، میں تجھے دے دوں گا۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایک فرشتہ ہر رات ندا دیتا ہے:

اللّٰهم هب للمنفق خلفا۔ [2] اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو اس کی جگہ اور دے دے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

اِذَا اَمْلَقْتُمْ فَتَاجِرُوا اللّٰهَ بِالصَّدَقَةِ۔ [3] اگر تنگدست ہو جاؤ تو صدقہ دے کر اللہ سے سودا کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے:

مَنْ اَيْقَنَ بِالْخَلَفِ سَخَتْ نَفْسُهُ بِالنَّفَقَةِ۔ [4] جو مزید ملنے پر یقین رکھتا ہے وہ خرچ کرنے میں سخاوت سے کام لیتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

وَ مَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ مِنْ نَفَقَةٍ فَعَلَى اللّٰهِ خَلْفُهَا ضَمَاناً...۔ [5] مرد جو بھی خرچ کرتا ہے تو اللہ ضامن ہے اس کی جگہ اور دینے کا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث قابل توجہ ہے:

كل معروف صدقة و ما انفق الرجل على نفسه واهله كتب له صدقة وما وقى به الرجل عرضه فهو صدقة و ما انفق الرجل من نفقة فعلى اللّٰه خلفها الا ما كان من نفقة فى بنيان او معصية۔ [6] ہر نیکی صدقہ ہے۔ انسان اپنی ذات، اپنے اہل وعیال پر جو خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے اور جس مال سے انسان اپنی عزت، وقار محفوظ کر لیتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔ انسان جو بھی خرچ کرتا ہے اللہ کے ذمے ہے اس کی جگہ اور دینا مگر یہ کہ (غیر ضروری) عمارت پر یا گناہ پر خرچ کیا ہو۔

توجہ رہے کہ اگر کوئی شخص نیکی کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے مگر اس سے اس کے مال میں اضافہ نہیں ہوتا ہے تو سمجھ لے اس کے مال کے حلال ہونے میں شبہ ہے ورنہ اللہ نے اس کی جگہ مزید دینے کی ضمانت دی ہے۔

اہم نکات

۱۔ بہترین سودا وہ ہے جو صدقہ کی صورت میں اللہ کے ساتھ ہو۔

---

[1] تفسیر قرطبی ذیل آیت۔ تفسیر مجمع البیان ذیل آیت۔ [2] مجمع البیان ذیل آیت۔
[3] نہج البلاغۃ کلمات قصار: ۲۵۸ [4] الکافی ۴:۴۳
[5] مستدرک الوسائل ۱۵: ۲۶۷۔ مجمع البیان ذیل آیہ [6] تفسیر قرطبی ذیل آیت

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور جس دن وہ ان سب لوگوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا: کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے؟

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ وہ کہیں گے: پاک ہے تیری ذات، تو ہی ہمارا آقا ہے نہ کہ وہ، بلکہ وہ تو جنات کی پرستش کرتے تھے اور ان کی اکثریت انہی کو مانتی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا: قیامت کے دن جب سب کو جمع کیا جائے گا تو یہ مشرکین جن لوگوں کی پوجا کرتے تھے ان معبودوں سے بھی سوال ہوگا: کیا تم نے ان مشرکین کو اپنی پوجا کرنے دعوت یا اجازت دی تھی؟ چنانچہ فرشتوں سے پوچھا جائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پوچھا جائے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...۔[1]

کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو خدا بناؤ؟

"اس سوال کا اصل مقصد ان مشرکین کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا ہے کہ تم دنیا میں جن کی پوجا کرتے رہے ہو وہ خود اپنے آپ کو تمہارا معبود قبول نہیں کرتے۔

ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ فرشتے مشرکین کی عبادت کو قبول نہیں کرتے تھے لیکن جنات قبول کرتے ہوں۔

واضح رہے مشرکین تین قسم کے لوگوں کی عبادت کرتے تھے: فرشتوں، جنات اور مقدس انسانوں کی۔ فرشتوں سے مفادات کی طمع کے لیے اور جنات کے شر سے بچنے کے لیے ان کی عبادت کرتے تھے۔ ممکن ہے "ہماری نہیں، جنات کی عبادت کرتے تھے" سے مراد یہ ہو کہ بظاہر وہ ہماری عبادت کرتے تھے لیکن اس گمراہی پر انہیں جنات نے اُکسایا تھا تو عبادت جنات کی ہوگئی۔

۲۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا: تو پاک و پاکیزہ ہے۔ ہمارا رشتۂ ولائیت تیری ذات کے ساتھ مربوط ہے۔ ان مشرکین کے ساتھ ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ عبد اور معبود کا رشتہ، ولائیت اور محبت کا رشتہ ہے

[1] ۵ مائدہ: ۱۱۶

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

هَلِ الدِّيْنُ اِلَّا الْحُبُّ؟ [1] کیا دین محبت کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟

جب یہ رشتہ قائم نہیں ہے تو اس بات کی از خود نفی ہوگئی کہ ہم ان کی پرستش چاہتے تھے۔

۳۔ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ: البتہ ان کا یہ رشتہ جنات کے ساتھ قائم ہے۔ یہ مشرکین جنات جنات کی فرمانبرداری کرتے اور جنات کے اکسانے پر وہ ہماری عبادت کرتے تھے لہٰذا ان کے اور جنات کے درمیان رشتۂ اطاعت موجود ہے۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ لہٰذا آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا اور ظالموں سے ہم کہدیں گے: اب چکھو اس جہنم کا عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ: آج قیامت کے دن تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے لیے سفارش وغیرہ کے ذریعے نفع پہنچانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ جن کی تم نے پرستش کی ہے وہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکیں گے اور تم ان معبودوں کے خلاف بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ مثلاً جنات کی تم پرستش کرتے رہے۔ آج پتہ چلا جنات نے تمہیں گمراہ کیا تھا تو تم ان جنات سے کوئی انتقام بھی نہیں لے سکتے۔

۲۔ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: آج صرف ہمارا حکم چلے گا اور ہم ہی یہ حکم جاری کریں گے کہ کفر و شرک اختیار کر کے جن لوگوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ

۴۳۔ اور جب ان پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں: یہ شخص تو تمہیں تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے روکنا چاہتا ہے اور کہتے ہیں: یہ (قرآن) تو محض ایک خود ساختہ جھوٹ ہے اور کفار (کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ ان)

[1] الکافی ۸: ۷۹

كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾

کے پاس جب بھی حق آیا تو کہنے لگے: بے شک یہ تو کھلا جادو ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ: مشرکین کے سرداروں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جو مہم چلائی وہ قومی روایات کو پامال کرنے کی بنا پر تھی چونکہ اللہ کی طرف سے جو آیات اور دلائل پیش ہوئے تھے وہ بینات، نہایت واضح تھے۔ ان کے مقابلے میں آبائی تقلید اور قومی روایات کو اٹھانے کے علاوہ کوئی اور حربہ ان کے پاس موجود نہ تھا۔

۲۔ وَ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى: وہ ان آیات بینات کو اِفْكٌ، جھوٹ قرار دیتے تھے جب کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مفتری اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دینے والے کو کہتے ہیں۔ مشرکین اس بات کا بھی اعتراف کرتے تھے: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں کسی انسان پر افتراء نہیں باندھا۔

۳۔ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: کفار کا حق کے مقابلے میں ہمیشہ یہی وتیرہ رہا ہے کہ وہ اسے کھلا جادو کہتے رہے ہیں۔ جادو کہنے میں ایک ضمنی اعتراف بھی ہے کہ جو ان رسولوں علیہم السلام نے پیش کیا وہ غیر معمولی امر ہے جو دلوں میں دگرگونی اور انسانی وجدان میں تزلزل پیدا کرتا ہے۔ اسے جھوٹ کہنا کافی نہیں ہے۔

وَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور نہ تو ہم نے پہلے انہیں کتابیں دی تھیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں اور نہ ہی آپ سے پہلے ہم نے ان کی طرف کوئی تنبیہ کرنے والا بھیجا ہے۔

تفسیر آیات

ان کا انکار کسی علم اور سندی بنیاد پر نہیں ہے کیونکہ منکرین، ناخواندہ لوگ ہیں۔ انہیں کوئی کتاب ملی ہے نہ ان کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا۔ یہ جو بھی موقف بناتے ہیں ان کا اپنا ساختہ و بافتہ ہے۔

وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا

۴۵۔ اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا تھا یہ اس کے دسویں حصے کو

ع رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

بھی نہیں پہنچے مگر جب انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی تو (دیکھ لیا) میرا عذاب کتنا سخت تھا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ: پچھلی قوموں کو جو ثروت و سلطنت دی گئی تھی اہل مکہ کے پاس تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے عربوں کی پست ترین سطح زندگی کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّداً صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نَذِيراً لِلْعالَمِينَ وَ اَمِيناً عَلَى التَّنْزِيلِ وَ اَنْتُمْ مَعْشَرَ الْعَرَبِ عَلَى شَرِّ دِينٍ وَ فِي شَرِّ دَارٍ مُنِيخُونَ بَيْنَ حِجَارَةٍ خُشْنٍ وَحَيَّاتٍ صُمٍّ تَشْرَبُونَ الْكَدِرَ وَ تَاْكُلُونَ الْجَشِبَ وَتَسْفِكُونَ دِمَائَكُمْ وَ تَقْطَعُونَ اَرْحَامَكُمْ الاصنام فيكم منصوبة و الْاَصْنَامُ فِيكُمْ مَنْصُوبَةٌ وَالْآثَامُ بِكُمْ مَعْصُوبَةٌ۔

اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کو تنبیہ کرنے والا اور اپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا۔ اے گروہ عرب !اس وقت تم بدترین دین پر اور بدترین گھروں میں تھے۔ کھردرے پتھروں اور زہریلے سانپوں میں تم بود باش رکھتے تھے۔ گدلا پانی پیتے اور بدترین غذا کھاتے تھے۔ اپنا خون بہایا کرتے تھے اور قطع رحمی کرتے تھے۔ بت تمہارے درمیان گڑے ہوئے تھے اور گناہ تم سے چمٹے ہوئے تھے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ کہہ دیجیے: میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہو ایک ایک اور دو دو کر کے پھر سوچو کہ تمہارے ساتھی میں جنون کی کوئی بات نہیں ہے، وہ تو تمہیں ایک شدید عذاب سے پہلے خبردار کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ: جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون کہتے ہیں انہیں اللہ صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہے۔ طویل مباحث کی جگہ صرف ایک نکتے کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے جس میں تمام

مسائل کا حل ہے:

۲۔ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰہِ: وہ نکتہ یہ ہے کہ پوری استقامت کے ساتھ برائے خدا قدم اٹھائے: اَنْ تَقُوْمُوْا... عزم و ارادے پختہ ہوں، توجہ میں یکسوئی ہو، قصد میں انحراف نہ ہو۔ لِلّٰہِ، یہ عزم، یہ ارادہ صرف اور صرف اللہ کی خاطر ہو۔ ذاتی خواہشات اور مصلحتوں سے دور، معاشرے کے دباؤ سے آزاد ہو کر صرف اللہ کے لیے قدم اٹھائے۔

۳۔ مَثْنٰی وَفُرَادٰی: یہ کام انفرادی طور پر بھی ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی فطرت، اپنے وجدان کے ساتھ سرگوشی کرے۔ کسی قسم کے ہنگامے سے دور، صرف اپنی جبلت پر تکیہ کیا جائے۔ معاشرتی، ذہنی اور دیگر عوامل سے الگ ہو کر تنہائی میں سوچ لو۔

یہ کام باہمی تبادلہ افکار سے بھی ہو سکتا ہے کہ انسان درست سمت کی طرف جانے کے لیے دوسروں کی عقول و افکار سے فائدہ اٹھائے۔

۴۔ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا: پھر اپنی فکر سے کام لو۔ اپنی عقل و خرد کو استعمال کرو۔ صرف عقل کو استعمال کر کے سوچو۔ غیر عقلی امور سے آزاد ہو کر صرف اپنی انسانی سوچ سے کام لو۔

۵۔ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ: فکر و تعقل کا مضمون یہ ہو کہ جس نے زندگی کا ایک معتدبہ حصہ تمہارے ساتھ گزارا ہے، کسی مرحلے پر تم نے انہیں عقل و خرد میں نہ صرف خفیف نہیں پایا بلکہ مشکل حالات میں ان کی عقل و خرد سے فائدہ اٹھایا ہے۔

۶۔ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ: نہ صرف یہ کہ دیوانہ نہیں ہے بلکہ تمہارا خیر خواہ ہے۔ تمہیں ابدی عذاب سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ عاقل ہی نہیں، عقل ساز بھی ہے۔

اہم نکات

۱۔ فکر سے راہ نجات ہموار ہو جاتی ہے۔

۲۔ فکر اپنے وجدان کے ساتھ تنہائی میں اور دوسرے مفکرین کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ کہدیجیے: جو اجر (رسالت) میں نے تم سے مانگا ہے وہ خود تمہارے ہی لیے ہے، میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ: اس آیت کی ترکیب واضح ہے: مَا موصولہ ہے۔ مِّنْ بیانیہ

ہے اور فَهُوَ میں ضمیر ماء موصولہ کی طرف جاتی ہے۔ واضح معنی یہ ہوئے: جو اجر میں نے تم سے مانگا ہے وہ خود تمہارے ہی لیے ہے۔

اس سے یہ مطلب واضح ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجر رسالت طلب فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى....[1]

کہہ دیجیے: میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے۔

۲۔ فَهُوَ لَكُمْ: دوسرا یہ کہ اس اجر رسالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی مفاد نہیں ہے بلکہ خود امت کا مفاد ہے۔ جب کہ جو اجر رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے وہ صرف اللہ کے پاس ہے۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۔یعنی جو اجر رسالت خود ذات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے وہ صرف اللہ کے پاس ہے۔

یہ بات کہ محبت اہل البیت علیہم السلام امت ہی کے حق میں ہے، ہر اس شخص پر واضح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے۔ بطور مثال چند ایک احادیث پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حدیث رسولؐ ہے:

مثل اهل بيتى كمثل سفينة نوح من ركبها نجى و من تخلف عنها غرق۔[2]

میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا جو پیچھے رہ گیا غرق ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

من مات على حب آل محمد مات شهيدا....

یہ ایک طویل حدیث ہے جس کا ذکر زمخشری اور رازی نے اپنی تفاسیر میں کیا ہے۔

حدیث ہے:

انى تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتى ما ان تمسكتم بما لن تضلوا بعدى۔

اس حدیث کو تیس سے زیادہ اصحاب نے روایت کیا ہے اور عبقات الانوار کی دو ضخیم جلدیں اس حدیث کی سند پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا محبت اہل البیت علیہم السلام وسیلۂ نجات اور گمراہی و ضلالت سے امان ہے۔ چنانچہ اس بات کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں:

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝[3]

کہہ دیجیے: اس کام پر میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر یہ (چاہتا ہوں) کہ جو شخص چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کر لے۔

---

[1] ۴۲ شوری: ۲۳ [2] بحار ۲۳: ۱۲۴ [3] ۲۵ فرقان: ۵۷

اہم نکات

۱۔ اجر رسالت مانگا گیا تو یہ امت ہی کے حق میں ہے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ کہہ دیجیے: میرا رب یقیناً حق نازل فرماتا ہے وہ غیب کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ کہہ دیجیے: حق آ گیا اور باطل نہ تو پہلی بار ایجاد کر سکتا ہے اور نہ ہی دوبارہ پلٹا سکتا ہے۔

تشریح کلمات

یَقْذِفُ: (ق ذ ف) اصل میں قذف دور پھینکنے کو کہتے ہیں۔ یہاں اوپر سے نیچے نازل کرنے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ: اللہ تعالیٰ اہل حق اور حق کی اہلیت رکھنے والوں کے دل میں پورے اہتمام کے ساتھ حق القاء کرتا ہے۔ بقول بعض الحق سے مراد قرآن ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہو گا: اللہ تعالیٰ حق اور قرآن، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر پوری قوت کے ساتھ نازل فرماتا ہے جس میں کسی قسم کی کمزوری کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اگلی آیت اس مطلب کے لیے مؤید بن سکتی ہے۔

۲۔ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ: حق آنے کے بعد باطل بے اثر ہو گیا۔ نہ کرنے کا رہا، نہ دھرنے کا۔ کرنا دھرنا زندگی کی علامت ہے۔ باطل عدم محض ہے۔ عدم منشاء آثار نہیں ہوتا۔ اس آیت میں بظاہر حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر و شرک ہے۔ قرآن، جو حق ہے، کے مقابلے میں شرک کا اب کوئی کردار نہیں رہے گا۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر دیکھا کعبہ میں تین سو ساٹھ بت آویزاں ہیں تو اپنے ہاتھ میں ایک لاٹھی لے کر ان بتوں پر مارتے جاتے اور فرماتے تھے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ [1]

اور کہہ دیجیے: حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل کو تو یقیناً مٹنا ہی تھا۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾

کہہ دیجیے: حق آ گیا اور باطل نہ تو پہلی بار ایجاد کر سکتا ہے اور نہ ہی دوبارہ پلٹا سکتا ہے۔

---

[1] ۱۷ اسراء: ۸۱

اہم نکات

۱۔ قرآن آنے کے بعد شرک کا کوئی کردار باقی نہیں رہا۔
۲۔ باطل نہ کسی کردار کا آغاز کر سکتا ہے، نہ اعادہ۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ کہہ دیجیے: اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو اس گمراہی کا نقصان خود مجھے ہی ہے اور اگر میں ہدایت یافتہ ہوں تو یہ اس وحی کی بنا پر ہے جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر ہوتی ہے، اللہ یقیناً بڑا سننے والا قریب ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ: کہہ دیجیے: فرض کر لیتے ہیں کہ جیسا تم کہتے ہو میں گمراہ ہوں تو میں اس صورت میں گمراہ ہو سکتا ہوں جب میرا سارا تکیہ اپنے نفس پر ہو: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ...۔[1]

۲۔ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ: اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس ہدایت کا واحد مصدر وحی ہے۔ وحی کی صورت میں گمراہی ممکن نہیں ہے۔ میرا موقف یہ ہے کہ میں جو بات بھی کرتا ہوں اپنے نفس کی خواہش کی بنیاد پر نہیں کرتا کہ گمراہی کا شائبہ ہو بلکہ وحی کے ذریعے بات کرتا ہوں۔ یہ وحی اس رب کی طرف سے ہے جو ہر بات کا سننے والا سمیع ہے اور ہر عمل سے کسی فاصلے پر نہیں ہوتا، قریب ہے۔

اہم نکات

۱۔ گمراہی نفس امارہ کی طرف سے آ سکتی ہے۔
۲۔ ہدایت کا واحد مصدر وحی ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور کاش! آپ دیکھ لیتے کہ جب یہ پریشان حال ہوں گے تو بچ نہ سکیں گے اور نزدیک ہی سے پکڑ لیے جائیں گے۔

---

[1] ۱۲ یوسف: ۵۳

تفسیر آیات

۱۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا: یہ لوگ موت کے وقت حالت نزع میں جب پریشان حال ہوں گے تو ان کے لیے کوئی راہ فرار نہ ہو گی: فَلَا فَوْتَ....

۲۔ وَّاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ: یہ نزدیک سے پکڑ لیے جائیں گے۔

روایت ہے کہ اس آیت کا اشارہ اس سفیانی لشکر کی طرف ہے جو مختلف علاقوں میں قتل عام کے بعد ایک میدان میں زمین میں دھنس جائے گا اور اس میں سے صرف دو اشخاص بچیں گے کہ دوسروں کو یہ ماجرا سنائیں۔

اس مضمون کی روایت اہل سنت کے مصادر میں مختصر اور مفصل لفظوں میں مذکور ہے۔ اس کے راوی ابن عباس، ابن مسعود، حذیفہ، ابوھریرہ، ام سلمہ، عائشہ، حفصہ وغیرھم ہیں۔ ملاحظہ ہو المیزان۔ مجمع البیان وغیرھا۔

شیعہ روایات میں ہے کہ یہ سفیانی لشکر ظہور قائم آل محمد عج کے موقع پر ظہور کرے گا۔ ملاحظہ ہو تفسیر قمی ذیل آیت۔

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾
وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

۵۲۔ (اب) وہ کہیں گے: ہم قیامت پر ایمان لے آئے لیکن اب وہ اتنی دور نکلی ہوئی چیز کو کہاں پا سکیں گے؟

۵۳۔ اور اس سے پہلے بھی وہ اس کا انکار کر چکے تھے اور انہوں نے بن دیکھے دور ہی دور سے (گمان کے) تیر چلائے تھے۔

تشریح کلمات

التَّنَاوُشُ: (ن و ل) تناول۔

تفسیر آیات

۱۔ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا: جب موت اور عذاب سامنے آ جاتا ہے تو ایمان کا اظہار کرنے لگ جاتے ہیں لیکن انہوں نے فرصت ہاتھ سے دے دی اور بہت دور نکل گئے کہ واپسی ناممکن ہے۔

۲۔ وَقَدْ كَفَرُوْا: جب فرصت ہاتھ میں تھی اس وقت کفر اختیار کیا قرآن کی دعوت ٹھکرا دی۔ اب جبری ایمان قبول نہیں ہے۔

۳۔ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ: دنیا کے دار التکلیف میں تو ان لوگوں نے ظن و گمان کی بنیاد پر ایسے الزام عائد کئے کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ ساحر، کذاب اور مفتری ہیں حالانکہ انہوں نے ان میں نہ سحر دیکھا، نہ جھوٹ بولتے سنا، نہ کسی انسان پر افتراء باندھتے دیکھا تھا۔

۴۔ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ: وہ گمان کے تیر ایسے دور مقامات سے چلاتے ہیں جو ہدف سے بہت دور ہیں۔ اب وہ دار التکلیف سے بہت دور نکل چکے ہیں۔ ان کا یہ دعوائے ایمان ہدف تک پہنچنا ناممکن ہے۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور اب ان کے اور ان کی مطلوبہ اشیاء کے درمیان پردے حائل کر دیے گئے ہیں جیسا کہ پہلے بھی ان کے ہم خیال لوگوں کے ساتھ (یہی) کیا گیا تھا، یقیناً وہ شبہ انگیز شک میں مبتلا تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ: اب ان کی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح نجات مل جائے اور ان کا ایمان قبول کیا جائے۔ فرمایا ان کی اس خواہش اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو گیا ہے۔ اب وہ مایوسی کی تاریکیوں میں ڈوب جائیں گے۔

۲۔ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ: جیسا کہ اس سے پہلے ان کے ہم خیال لوگوں کے ساتھ یہی کیا گیا کہ وقت گزرنے کے بعد عذاب سامنے آنے کی صورت میں ان کا ایمان مسترد کیا گیا اور ان کی طرف سے نجات اور عذاب سے آزادی کی خواہش مایوسیوں میں بدل گئی تھی۔

اہم نکات

۱۔ ایمان دار التکلیف میں فائدہ دیتا ہے۔

۲۔ موت کے بعد کافر کی نجات کی کوئی خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔


سُورَةُ فَاطِرٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سورۃ: اس سورۃ المبارکہ کے شروع میں الفاظ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ آئے ہیں اس لیے اس سورۃ المبارکہ کا نام فاطر ہو گیا نیز اس سورۃ المبارکہ کو سورۃ الملائکۃ بھی کہتے ہیں چونکہ شروع کی آیت میں الفاظ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ آئے ہیں۔

یہ سورۃ المبارکہ چونکہ مکی ہے اس لیے اس سورۃ کے مضامین میں مکی فضا دکھائی دیتی ہے۔ یعنی بیشتر آیات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، ربوبیت اور تدبیری آیات کے بیان پر مشتمل ہیں۔ سورہ فاطر اور سورہ سبا کو حمدین کہتے ہیں چونکہ دونوں سورتوں کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے ہوئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ①	۱۔ ثنائے کامل اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا نیز فرشتوں کو پیام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو، تین تین اور چار چار پر ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے مخلوقات میں اضافہ فرماتا ہے، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: حمد وثنا کے لائق وہی ذات ہے جس نے بطن عدم کو چیر کر اس سے آسمانوں اور زمین پر مشتمل ایک کائنات کو وجود دیا۔

فطر کے لغوی معنی شگافتہ کرنے کے ہیں۔ اس سے ایک نکتہ کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق سے پہلے کوئی ایسی چیز موجود تھی جس کی شکافتگی سے یہ کائنات وجود میں آئی۔ وہ آیہ: وَّکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ ...[1] اس کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ کی سلطنت پانی پر تھی، کے مطابق پانی ہو سکتا ہے۔

[1] ۱۱ ھود: ۷

پانی مایۂ حیات اور تمام زندہ موجودات کا مادۂ مشترکہ ہے لیکن پانی کی تفصیل میں اس سے زیادہ نہیں جا سکتے کہ پانی سے مراد مائع مذاب ہے یا گیس یا انسوڈیم یا ہوا ہے۔ ایسے غیبی موضوعات میں صریح نص کے بغیر اظہار خیال کرنا درست نہیں۔

۲۔ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا: فرشتوں کو پیام رساں بنانے والا۔ فرشتے اللہ کے کارندے ہیں۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے امور تکوینی و تشریعی دونوں میں رسل بنایا ہے:

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ○ [۱]	بیشک ہمارے فرشتے تمہاری حیلے بازیاں لکھ رہے ہیں۔
حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ... [۲]	یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی ایک کو موت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔
قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ○ [۳]	انہوں نے کہا: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ ہم ان پر مٹی کے کنکر برسائیں۔

ان تمام آیات میں فرشتوں کو امور تکوینی کی انجام دہی کے لیے بھیجے جانے کا ذکر ہے اور فرشتے اللہ کے احکام تشریعی لے کر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے تھے جو ایک مسلمہ امر ہے۔

۳۔ اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ: یہ فرشتے پروں والے ہوتے ہیں۔ دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہوتے ہیں۔ فرشتے غیر مادی مخلوقات ہیں جنہیں پروں کی ضرورت نہیں ہوتی تو یہاں پروں سے کیا مراد ہے؟ ایک نظریہ یہ ہے کہ یہ سرعت انتقال کو سمجھانے کے لیے ایک تصور ہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ پروں سے مراد فرشتوں کے مراتب ہیں کچھ فرشتوں کا مرتبہ دیگر فرشتوں سے زیادہ بلند ہے۔ چنانچہ جبرئیل امین کے بارے میں فرمایا:

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○ [۴]	وہاں ان کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ امین ہیں۔
وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ○ [۵]	اور (ملائکہ کہتے ہیں) ہم میں سے ہر ایک کے لیے مقام مقرر ہے۔

اس طرح بعض فرشتے دوسرے فرشتوں کے لیے حکم صادر کرتے ہیں اور دوسرے فرشتے ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

۴۔ يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ: عالم ملائکہ میں تخلیق کا سلسلہ جاری ہے۔ آناً فاناً فرشتے خلق ہو رہے ہیں۔ تخلیق کا سلسلہ ختم نہیں ہوا کیونکہ سرچشمۂ فیض سے فیض منقطع نہیں ہو سکتا:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ ○ [۶]	وہ ہر روز ایک (نئی) کرشمہ سازی میں ہے۔

۱۔ ۱۰ یونس: ۲۱　　۲۔ ۶ انعام: ۶۱　　۳۔ ۵۱ ذاریات: ۳۳-۳۲
۴۔ ۸۱ تکویر: ۲۱　　۵۔ ۳۷ صافات: ۱۶۴　　۶۔ ۵۵ رحمن: ۲۹

حدیث میں آیا ہے:

ما من شیء مما خلق اللّٰہ عز و جل اکثر من الملائکۃ۔[1]

اللہ عز و جل کی مخلوقات میں فرشتوں سے زیادہ کوئی مخلوق نہیں ہے۔

نیز حدیث میں آیا ہے:

لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کے فرشتوں میں سے محافظین نہ ہوں جو اسے کسی کنویں میں گرنے یا اس پر کوئی دیوار گرنے اور کسی برائی میں مبتلا ہونے سے بچاتے ہیں۔ جب اس کی موت آ جاتی ہے تو فرشتے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔[2]

لہٰذا فرشتے اللہ کے کارندے ہیں۔ حکم خدا سے انحراف نہیں کر سکتے۔ تدبیر کائنات میں فرشتے دھوپ، پانی اور مٹی کی طرح ہیں کہ جس کام پر اللہ نے لگایا ہے اسی میں لگے رہتے ہیں۔ ذرہ برابر خلاف ورزی نہیں کرتے۔

اہم نکات

۱۔ فرشتے تدبیر کائنات کے کارندے ہیں۔

۲۔ کائنات اسباب وعلل کی بنیاد پر قائم ہے۔

۳۔ فرشتوں کے بھی مراتب ہوتے ہیں۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲

۲۔ لوگوں کے لیے جو رحمت (کا دروازہ) اللہ کھولے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ: اللہ تعالیٰ کے پاس ہی تمام رحمتوں کا خزانے موجود ہیں:

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...[3]

حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ...[4]

اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔

---

[1] بحار ۹۷: ۱۱۷۔ المیزان ذیل آیہ [2] المیزان ذیل آیت [3] ۶۳ منافقون: ۷ [4] ۱۵ حجر: ۲۱

اور یہ بات معقول اور ممکن بھی نہیں کہ اللہ سے ہٹ کر کسی کے پاس کوئی خزانہ موجود ہو۔ جب تمام خزانوں کا مالک صرف اللہ ہے تو ان خزانوں کا کھولنے والا بھی صرف اللہ ہی ہوسکتا ہے۔ مِنۡ رَّحۡمَةٍ کی تعبیر میں اطلاق وشمول ہے جس میں تمام قسم کی رحمتیں شامل ہیں۔

۲۔ فَلَا مُمۡسِكَ لَهَا: اللہ کی طرف سے جب رحمتوں کا دروازہ کھول دیا جائے گا تو اللہ کے مقابلے میں کون آ سکتا ہے جو اسے بند کر دے۔

۳۔ وَمَا يُمۡسِكۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ: کون سی طاقت ہے جو اللہ کے مقابلے آ کر اس کے بند کیے ہوئے کو کھول دے۔ اسی لیے مؤمن صرف اسی سے امید رکھتا ہے، اسی کے در پر دستک دیتا ہے اور اسی سے خوف کھاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعائے عرفہ میں مذکور ہے:

ماذا وجد من فقدك وما الذی فقد من وجدك۔　　جس نے تجھے پایا اس نے کیا کھویا اور جس نے تجھے کھویا اس نے کیا پایا؟

۴۔ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ: وہ بالادست ہے۔ اس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز ہے۔ وہ غالب آنے والا ہے۔ کسی سے مغلوب نہیں ہوگا۔ وہ حکیم ہے۔ اپنی حکمت کے تحت اہل کو دیتا ہے۔ نا اہل سے روکتا ہے۔

یہ آیات مشرکین کے ان عقائد کی رد میں ہیں جن کے تحت وہ غیر اللہ سے روزگار، اولاد، دولت، شفا وغیرہ کی توقع رکھتے تھے۔

اہم نکات

۱۔　غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرنا ایک واہمہ ہے۔

۲۔　تمام خزانوں کا کھولنا بند کرنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ ؕ هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَيۡرُ اللّٰهِ يَرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ ۝۳

۳۔ اے لوگو! اللہ کے تم پر جو احسانات ہیں انہیں یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں رزق دے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں الٹے پھرے جا رہے ہو؟

تفسیر آیات

۱۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ: خطاب عامۃ الناس سے ہے جو اللہ کی طرف

سے ملنے والی نعمتوں کی نسبت غیر اللہ کی طرف دیتے ہیں۔ جس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے اس کے دروازے پر جاتے ہیں۔ نعمتیں اللہ دیتا ہے پوجا دوسروں کی کرتے ہیں۔

۲۔ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ : ہے کوئی خالق سوائے اللہ کے جو تمہیں روزی دے؟ مشرکین اللہ کو خالق مانتے تھے مگر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ رزق دینے کا کام دوسروں کو سونپا گیا ہے۔ اب اللہ رزق نہیں دیتا دوسرے رزق دیتے ہیں۔ اس آیت میں یہ بات واضح فرما دی کہ خالق ہی رازق ہے: هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ کیا اللہ کے علاوہ کوئی خالق ہے جو تمہیں رزق دے؟ اس سے واضح ہو گیا خالق ہی رازق ہو سکتا ہے اور خالقیت اور رازقیت میں تفریق ممکن نہیں ہے۔ رازقیت تخلیق مسلسل سے عبارت ہے۔ خالق ہی دانے کا سینہ چاک کر کے روزی دیتا ہے۔

۳۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ : پس معبود وہی ہوتا ہے جو خالق اور رازق ہو۔ اس کے علاوہ دوسروں کے پاس خالقیت کا اختیار نہیں ہے تو رزق دینے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ ان کی پوجا کر کے کیا حاصل کر سکو گے۔

۴۔ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ: پھر تم کہاں الٹے پھرے جا رہے ہو۔ جس کے پاس سب کچھ ہے اس کا دروازہ چھوڑ کر ایسوں کے دروازے پر جاتے ہو جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ خالق ہی رازق ہوتا ہے۔ خالقیت اور رازقیت قابل تفریق نہیں ہے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

۴۔ اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی رسولوں کی تکذیب ہوئی ہے اور تمام امور کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ پہلے رسول نہیں ہیں جو جھٹلائے گئے۔ جو لوگ حق کو بار گراں سمجھتے ہیں وہ حق والوں کو جھٹلایا کرتے ہیں۔

۲۔ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ : تمام امور کی بازگشت جب اللہ کی طرف ہے تو وہ دن دور نہیں ان کے انہی تکذیبی جرائم کا محاسبہ ہو گا۔ اس میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی و خوشخبری ہے۔

اہم نکات

۱۔ حق کے داعیوں کو نادانوں کی تکذیب و توہین کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵

۵۔ اے لوگو! اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے لہٰذا دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ ہی وہ دغاباز (شیطان) اللہ کے بارے میں تمہیں فریب دینے پائے۔

تفسیر آیات

۱۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ: اللہ کی طرف سے جو وعدۂ ثواب و عتاب، روز حساب اور اس عارضی زندگی کے بعد ایک ابدی زندگی کا وعدہ ہے، وہ برحق ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیوی زندگی ایک سراب سے زیادہ نہیں ہے۔ اس عارضی چند روزہ زندگی کے دھوکے میں نہ آنا۔

۲۔ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ: نہ ہی دھوکے باز شیطان تمہیں دھوکہ دینے پائے جو تمہیں چند روزہ زندگی کو ابدی زندگی پر ترجیح دینے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ وہ بڑا دھوکے باز ہے۔ شیطان تمہیں دھوکہ اس طرح دے گا کہ اللہ کو تمہاری عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ معاف کرنے والا ہے۔ جب کسی اسلامی قانون کی پابندی کی بات ثابت ہوتی ہے تو یہ شیطانی آواز آتی ہے، اللہ اس قدر سختی نہیں کرتا۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶

۶۔ شیطان یقیناً تمہارا دشمن ہے پس تم اسے دشمن سمجھو، بے شک وہ اپنے گروہ کو صرف اس لیے دعوت دیتا ہے تاکہ وہ لوگ اہل جہنم میں شامل ہو جائیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ: شیطان کی عداوت کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اس دشمن نے تمہارے باپ آدم کو دھوکہ دیا ہے اور نسل آدم کو گمراہ کرنا اس کی سرشت میں ہے۔

۲۔ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا: اس دشمن کو دشمن سمجھو۔ اتنی نادانی نہیں ہونی چاہیے کہ دوست اور دشمن کی پہچان نہ ہو۔ حیوانات بھی اپنے دشمن کو خوب پہچان لیتے ہیں اور اس سے بھاگ جاتے ہیں۔

۳۔ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ: شیطان اللہ کے خاص بندوں کو گمراہ نہیں کرسکتا۔ شیطان کا اپنا ایک حزب ہے۔ جو شخص اس کے حزب میں داخل ہوتا ہے اسے جہنم کی دعوت دیتا ہے۔ اسے ہوس پرستی کی

دعوت دیتا ہے جس کا نتیجہ آتش جہنم ہے۔

اہم نکات

۱۔ احکام خداوندی کی پابندی کو غیر ضروری سمجھنا شیطانی سوچ ہے۔
۲۔ شیطان کے دھوکے میں آنے کی علامت ذاتی خواہشات کو آخرت پر ترجیح دینا ہے۔
۳۔ شیطان صرف اپنے حزب کے ممبران کو گمراہ کر سکتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۧ

۷۔ جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے شدید عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا: جو لوگ شیطان کی دعوت قبول اور کفر اختیار کرتے ہیں ان کے لیے عذاب ہو گا چونکہ وہ حزب اللہ سے نکل کر حزب شیطان میں داخل ہو گئے۔

۲۔ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اور جو لوگ حزب رحمٰن میں رہیں گے ان کے لیے مغفرت اور اجر کبیر دونوں ہیں۔ایمان اور عمل صالح کے دو اثرات ہیں:

ایک یہ کہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایمان بہت سے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اگر زندگی بھر شرک کا ارتکاب کرتا رہا اور آخر عمر میں ایمان لے آیا تو تمام زندگی کا شرک معاف ہو جائے گا۔اسی طرح عمل صالح کی وجہ سے بھی بہت سے گناہ دھل جاتے ہیں جس کا اس سے پہلے مختلف مقامات پر ذکر ہو چکا ہے۔

دوسرا اثر یہ ہے کہ اس کا عمل وثواب ہے۔

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۫ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

۸۔ بھلا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگا ہو (ہدایت یافتہ شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟) بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے لہٰذا ان لوگوں پر افسوس میں آپ کی جان نہ چلی جائے، یہ جو کچھ کر رہے

عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸　　ہیں یقیناً اللہ کو اس کا خوب علم ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ: کیا وہ شخص جس کی عقل پر خواہشات غالب آ جائیں، اس کی نادانی دانائی پر چھا جائے کہ اس کی نگاہ میں قدریں بدل جائیں، برائی خوشنما بن جائے اور گناہوں کے ارتکاب پر فخر کرنا شروع کر دے، جرائم پر عمل کرنے میں لذت محسوس کرے، حق باطل اور باطل حق نظر آئے، اس طرح سب سے بڑے گناہ، احساس گناہ کے فقدان کا کوئی مرتکب ہو جائے تو کیا ایسا شخص ہدایت یافتہ شخص کی طرح ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

۲۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ: اللہ ایسی قدروں کے مالک افراد کو ہدایت نہیں دیتا بلکہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ کی طرف سے ہدایت نہ ملنے کی صورت میں ضلالت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

۳۔ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ: اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اللہ کی چاہت اور مشیت اندھی بانٹ نہیں ہے۔ وہ اہل کو ہدایت دیتا ہے۔ نااہل کو جو ہدایت قبول نہیں کرتا، نہ ہدایت قبول کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، اس پر حجت پوری کرنے کے بعد جب وہ راہ راست پر نہیں آتا اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا اور ہدایت کا ہاتھ روک لیتا ہے۔ اس ہاتھ روکنے کو يُضِلُّ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ ورنہ ابتداء میں اللہ بلاوجہ کسی کو گمراہی میں نہیں ڈالتا۔ گمراہی و ضلالت اللہ کی ناپسندیدہ ہے۔ خود اللہ ناپسندیدہ چیز اختیار نہیں کرتا۔

۴۔ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ: ان کی گمراہی پر اپنی جان گھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان میں ہدایت کی اہلیت نہیں ہے ورنہ ان پر اللہ تعالیٰ آپؐ سے زیادہ مہربان ہے۔ اگرچہ ابدی سعادت کا موقع ہاتھ سے دینا بہت حسرت و افسوس ناک بات ہے تاہم یہ لوگ اپنے اختیار سے کفر پر قائم رہنے پر مصر ہیں تو ہم ان پر ہدایت جبراً مسلط نہیں کر سکتے۔ لہٰذا انہیں ان کے عمل کے ساتھ چھوڑ دینا پڑتا ہے۔

۵۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ: چونکہ اللہ کو ان کی کرتوتوں کا بخوبی علم ہے۔ اس علم کے مطابق اللہ ان کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ سب سے بڑا گناہ، احساس گناہ کا نہ ہونا ہے۔
۲۔ نا قابل ہدایت کو اللہ اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔
۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربان جان لوگوں کے گمراہ ہونے پر افسوس سے گھل جاتی ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹

۹۔ اور اللہ ہی ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اسے ایک اجاڑ شہر کی طرف لے جاتے ہیں پھر ہم اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں، اسی طرح (روز قیامت) اٹھنا ہوگا۔

اس مضمون کی آیت کی تشریح سورۃ الاعراف آیت ۵۷ سورہ روم آیت ۴۸۔ ۵۰ میں ہو چکی ہے۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ؕ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوْرُ ۝۱۰

۱۰۔ جو شخص عزت کا خواہاں ہے تو (وہ جان لے کہ) عزت ساری اللہ کے لیے ہے، پاکیزہ کلمات اسی کی طرف اوپر چلے جاتے ہیں اور نیک عمل اسے بلند کر دیتا ہے اور جو لوگ بری مکاریاں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ایسے لوگوں کا مکر نابود ہو جائے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا: کفار قریش کے بڑوں کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات بن گئی تو ہماری عزت وقار خاک میں مل جائے گی۔ دیگر لوگوں کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تو معاشرے میں ذلیل ہو جائیں گے۔

اس آیت میں فرمایا: پوری کی پوری عزت اللہ کی ہے۔ عزت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے: مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ اگر کسی کو عزت چاہیے تو عزت کے سرچشمے سے ہی مل سکتی ہے۔ یہاں سے جو عزت ملے گی وہ حقیقی عزت ہوگی۔ دنیا و آخرت میں کبھی ذلت کا سامنا نہیں ہوگا۔

آج چشم جہاں دیکھ رہی ہے کہ جن ہستیوں نے شعب ابی طالب کے کربناک حالات میں وقت گزارا انہیں عزت حاصل ہے یا ان لوگوں کو عزت مل گئی جو اس وقت مکے میں دندناتے پھرتے تھے؟

۲۔ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ: ان باتوں کا ذکر ہے جن سے عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ پاکیزہ کلمات اللہ کی طرف صعود کرتے ہیں۔ روایات کے مطابق پاکیزہ سے مراد وہ کلمات ہیں جو برحق

عقائد و نظریات کا اقرار کے لیے ادا کیے جاتے ہیں۔ جیسے کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ اور اقرار برسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ولایت علی علیہ السلام کی گواہی دی جاتی ہے: علی ولی اللہ و دیگر اصول و فروع کے اقرار پر مشتمل کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ صعود سے مراد اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔

۳۔ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ: اور عمل صالح کو یہ پاکیزہ کلمات قبولیت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ میرے نزدیک ترتیب کلام اس طرح ہے: والعمل الصالح یرفعه الکلم الطیب۔ چونکہ اصول عقائد کے بغیر عمل قبول نہیں ہوتا۔ لہٰذا عمل صالح کو اللہ کی بارگاہ قبولیت پر فائز کرنے کے لیے اصول عقائد کی درستگی شرط ہے۔ جیسا کہ عمل کے بغیر عقائد بے نتیجہ ہیں کیونکہ ان عقائد کی کوئی قیمت نہیں جن کا کردار پر کوئی اثر نہ ہو۔

۴۔ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ: جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بری سازشیں کر رہے ہیں انہیں شدید عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

۵۔ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوْرُ: اور ساتھ ان کی مکاریاں بے اثر ہو جائیں گی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ان کی ساری سازشیں ناکام ہوگئیں جیسا کہ اس آیت میں میں فرمایا:

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ○ [1]

اور (وہ وقت یاد کریں) جب یہ کفار آپ کے خلاف تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو نکال دیں وہ اپنی چال سوچ رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اہم نکات

۱۔ عزت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے: فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا....

۲۔ حقیقی عزت ایمان و عمل صالح میں ہے: وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ....

۳۔ ایمان اور عمل صالح میں ایک مضبوط رشتہ ہے: اَلْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ....

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ

۱۱۔ اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تمہیں جوڑا بنا دیا اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اللہ کے علم کے ساتھ اور نہ کسی زیادہ عمر والے کو عمر دی جاتی ہے اور نہ ہی اس کی عمر میں کمی کی جاتی ہے مگر یہ کہ کتاب میں (ثبت) ہے،

---

[1] ۸ انفال: ۳۰

كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ یقیناً یہ سب کچھ اللہ کے لیے آسان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ: انسان کی تخلیق ارضی عناصر سے ہوئی ہے اور انسانی جسم میں موجود تمام عناصر ارضی ہیں۔

۲۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ: پھر اس خاک کو نطفہ بنا دیا: ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۔[1] اس وقت تک کی معلومات کے مطابق نطفہ کی تشکیل دو نصف سیلز (cells) کی ترکیب سے ہوتی ہے۔ ایک نصف پدر اور دوسرا نصف مادر کی طرف سے فراہم ہوتا ہے۔ یعنی جرثومہ پدر اور تخم مادر۔ اس کی بحث سورۂ نساء ۱۱۹ میں کلوننگ کی بحث میں ہو چکی ہے۔

۳۔ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا: پھر تمہیں جوڑا بنا دیا۔ بعض نے ازواج سے اقسام مراد لیا ہے اور بعض مرد و زن مراد لیتے ہیں۔ دوسرا نظریہ زیادہ قرین واقع ہے۔

۴۔ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ: اس جملے میں لفظ اُنْثٰی میں انسان، حیوانات اور پرندے سب شامل ہیں۔ پرندوں کا انڈے دینا بچہ جننے کی طرح ہے۔ کسی ماں کے شکم میں جو حمل ٹھہرتا ہے اور بچہ جنتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

ہم نے سورۂ رعد آیت ۸ کے ذیل میں لکھا ہے:

مرد کے ایک مکعب سینٹی میٹر نطفہ میں ایک سو ملین جرثومے ہوتے ہیں۔

یہ بات صرف اللہ جانتا ہے کہ ان سو ملین جرثوموں میں سے کون سا جرثومہ تخم مادر کے ساتھ جفت ہونے میں کامیاب ہونے والا ہے۔ اللہ ہی کے علم میں ہے آنے والا بچہ ان ایک سو ملین خاصیتوں میں سے کس خاصیت کا حامل ہے، چونکہ ان ایک سو ملین جرثوموں میں سے ہر ایک کی خاصیت جدا ہے۔ وہ کون سا محرک ہے جس کے تحت یہ جرثومے تخم مادر کی طرف دوڑتے ہیں اور اس میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ انسان تو جانداروں کی کائنات میں ہر مادہ کو جاننے سے قاصر ہے۔ یہ کیسے جان سکتا ہے کہ ہر مادہ کیا اُٹھانے والی ہے۔

اگر رحم میں تخلیق کی تکمیل کے بعد انسان کو کچھ علم حاصل ہوا ہے تو یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ رحم کا حال تو انسان بھی جاننے لگا ہے۔

۵۔ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ: نہ کسی زیادہ عمر والے کو عمر دی جاتی ہے نہ ہی اس کی عمر میں کمی کی جاتی ہے مگر یہ کہ کتاب میں ثبت ہے۔

---

[1] ۲۳ مومنون: ۱۳۔ (ترجمہ) پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ پر نطفہ بنا دیا۔

اسے تقدیر کہتے ہیں۔ واضح رہے تقدیر کا مطلب نظام اور قانون تکوینی ہے۔ اللہ کے ہاں ہر کام ایک نظام کے تحت انجام پاتا ہے۔ اگر تقدیر نہ ہوتی تو بدنظمی اور اندھیر نگری ہوتی۔ تقدیر کا مطلب جبر نہیں بلکہ تقدیر کا مطلب اللہ کی طرف سے تقنین و تنظیم ہے اور بندوں کی طرف سے اختیار و انتخاب ہے۔ اگر کسی کے لیے ایک تقدیر ہوتی تو جبر ہوتا جب کہ ایسا نہیں بلکہ ہر شخص کے بہت سے مقدرات میں سے ایک انتخاب کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام ایک ایسی دیوار سے ہٹ گئے جو گرنے والی تھی تو لوگوں نے کہا: کیا آپ تقدیر خدا سے بھاگ رہے ہیں؟ فرمایا:

افرّ من قدر اللّٰہ بقدر اللّٰہ...۔[1]　　میں اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہا ہوں۔

البتہ اللہ کی کتاب، لوح محفوظ میں یہ بات درج ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے کون سا راستہ اختیار کرنے والا ہے، کن حالات سے دوچار رہے گا اور کون سے علل و اسباب کے تحت کیا عمر پانے والا ہے۔

چنانچہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آیا ہے:

ان الصدقة و صلة الرحم تعمران الديار و تزيدان فی الاعمار۔[2]　　صدقہ اور صلۂ رحم سے ملک آباد اور عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

مَنْ اَرَادَ البَقَاءَ وَلَا بَقَاءَ فَلْيُبَاكِرِ الْغَدَاءَ وَ لْيُجَوِّدِ الْحِذَاءَ وَ لْيُخَفِّفِ الرِّدَاءَ وَ لْيُقِلَّ مُجَامَعَةَ النِّسَآءِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: وَمَا خِفَّةُ الرِّدَاءِ؟ ، قَالَ : قِلَّةُ الدَّيْنِ ۔[3]　　جو بقا چاہتا ہے اگرچہ بقا ہے نہیں تو اسے چاہیے کہ کھانا سویرے کھائے، جوتے بہتر طریقے سے پہنے اور ہلکی چادر اوڑھے اور عورتوں کے پاس کم جائے۔ رسول اللہؐ سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہؐ! ہلکی چادر سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کم قرض لینا۔

۶۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ: کائنات ایک نظام و قانون کے تحت چلانا اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ مشکل اور آسان کا سوال وہاں آتا ہے جہاں کسی کام کو انجام دینے کے لیے علل و اسباب کو ذریعہ بنانا پڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ علل و اسباب کے ذریعے نہیں اپنے ارادے کے ذریعے انجام دیتا ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ [4]　　جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو بس اس کا امر یہ ہوتا ہے کہ اسے یہ کہے: ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے

اہم نکات

۱۔ انسان خاکی مخلوق ہے۔ انسان میں موجود تمام عناصر ارضی ہیں۔

۲۔ مخلوقات کے وجود میں آنے سے پہلے خدا ان سب کو جانتا ہے۔

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۸: ۲۹۸　[2] مکارم الاخلاق ص ۳۸۸　[3] الفقیہ ۳: ۵۵۵۔ باب النوادر ، حدیث ۴۹۰۲　[4] یٰسٓ: ۸۲

۳۔ اللہ کے وضع کردہ فیزیکل قوانین کے تحت عمریں بڑھتی گھٹتی ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور دو سمندر برابر نہیں ہوتے: ایک شیریں، پیاس بجھانے والا، پینے میں خوشگوار اور دوسرا کھارا کڑوا اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے کھاتے ہو اور زیورات نکال کر پہنتے ہو اور تم ان کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور شاید تم شکرگزار بن جاؤ۔

تشریح کلمات

فُرَاتٌ: (ف ر ت) الفرات کے معنی نہایت شیریں پانی کے ہیں۔
سَآئِغٌ: (س و غ) ساغ آسانی سے حلق سے نیچے اترنے کے معنوں میں ہے۔ یعنی گوارا۔
اُجَاجٌ: (ا ج ج) الاجاج کے معنی سخت کھاری اور گرم پانی کے ہیں۔
طَرِيًّا: (ط ر ی) تر و تازہ۔
مَوَاخِرَ: (م خ ر) مخر کے معنی کشتی کا اپنے سینہ سے پانی چیرنے کے ہیں۔ جمع مواخر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ: دو سمندر ہیں۔ ایک کا پانی شیرین، خوشگوار ہے اور دوسرا کھارا کڑوا ہے۔ یہ دو سمندر برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مومن اور کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ مومن آب شیرین کی طرح ہے۔ دوسروں کے کام آنے والے معاشرے کو امن و خوشگوار بنانے والے ہوں گے۔

جب کہ کافر نامناسب خلق و خو اور معاشرے کی خوشگواری کو تلخی میں بدلنے والے ہوتے ہیں۔

۲۔ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا: دونوں میں اس فرق کے باوجود ایسا ہوتا ہے کہ بعض فائدے دونوں سے یکساں طریقے سے اٹھائے جاتے ہیں۔ اس میں مچھلی کا تازہ گوشت، موتی، مونگے، کشتی رانی قابل ذکر ہیں۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس میں مومن و کافر کا موازنہ نہیں ہے بلکہ قدرت کے تدبیری

امور پر مشتمل حکمت آمیز امور کا ذکر ہے۔ ایک طرف شیرین پانی ہے جو مایۂ حیات ہے، مختلف نہروں اور زیر زمین آبی ذخائر کے ذریعے حیات آفرین کردار ادا کر رہا ہے۔ دوسری طرف سمندر کا کھارا پانی ہے جس نے سطح زمین کے اکثر حصوں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے جس کا کردار شیرین پانی سے کم نہیں ہے اور شیرین پانی فراہم کرنے کا بھی سرچشمہ یہی بحر بیکراں ہے جس نے ابھی تک کرۂ ارض کو ہوا کی آلودگی سے پاک رکھا ہے۔ البتہ کرۂ ارض سے اٹھنے والی زہریلی گیسیز سے اوزون متاثر ہو رہا ہے۔ یہ اس ظلوم و جہول انسان کی اپنی کارستانی ہے۔

تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا تازہ گوشت، شیرین پانی اور کھارا پانی، دونوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ مچھلی کے گوشت کے ذکر کے ساتھ طری تازہ کی شرط سے معلوم ہوا کہ اس گوشت سے استفادہ کرنے کے لیے تازگی شرط ہے۔ اگر تازہ نہ ہو تو گوشت قابل استفادہ نہیں ہوتا۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن نے کھانے کے گوشت کا جب صریحاً ذکر کیا تو صرف دو قسم کے گوشت کا ذکر کیا ہے: ایک مچھلی کا گوشت جس کا تازہ ہونا ضروری ہے، دوسرا پرندوں کا گوشت:

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ○ [1]　　اور پرندوں کا گوشت لیے جس کی وہ خواہش کریں۔

اگرچہ دوسری آیت میں جنت کی نعمتوں میں مطلق گوشت کا بھی ذکر ہے:

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ○ [2]　　اور ہم انہیں پھل اور گوشت جو ان کا جی چاہے فراہم کریں گے۔

تاہم اس مطلق سے وہی مقید یعنی پرندوں کا گوشت مراد ہو سکتا ہے۔

۳۔ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ: اس جملے کی تشریح سورۃ النحل آیت ۱۴ میں ہو چکی ہے۔

اہم نکات

۱۔ پانی خواہ شیریں ہو یا کھارا، نظام حیات کے لیے دونوں مد ہیں۔

۲۔ جائز طریقے سے زیورات کا حصول و استعمال ممنوع نہیں ہے۔

۳۔ سمندری گوشت تازہ ہونا چاہیے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ

۱۳۔ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے، ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت تک

---

[1] ۵۶ واقعہ: ۲۱　[2] ۵۲ طور: ۲۲

مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾

چلتا رہے گا، یہی اللہ تمہارا رب ہے، سلطنت اسی کی ہے اور اس کے علاوہ جنہیں تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے (کے برابر کسی چیز) کے مالک نہیں ہیں۔

تشریح کلمات

قِطْمِيْرٍ: (ق ط م ر) قطمیر کے معنی اس ہلکے سے سپید نقطہ کے ہیں جو گٹھلی پر ہوتا ہے۔ یہ حقیر اور بے قدر چیز کے لیے ضرب المثل ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ: آیت کے ابتدائی حصے کی تشریح سورۂ لقمان ۲۹ میں ہو چکی ہے۔

۲۔ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى: اس آیت اور دیگر آیات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس نظام شمسی کے لیے ایک عمر متعین ہے۔ یہ نظام ابدی نہیں ہے۔ کہتے ہیں: سورج سے ہر سیکنڈ میں چار ملین ٹن انرجی خرچ ہو کر کم ہو رہی ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا جب اس کی تمام انرجی ختم ہو جائے گی۔

۳۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ: جو ذات رات اور دن کو چلاتی ہے، سورج چاند کو مسخر کرتی ہے اور ان کے لیے ایک مدت معین کرتی ہے، وہی تمہارا رب ہے۔ لَهُ الْمُلْكُ تدبیر کائنات اسی کے ہاتھ میں ہے اور اللہ کے علاوہ جنہیں تم پکارتے ہو ان کے ہاتھ میں ایک حقیر شے بھی نہیں ہے تو تم اسے چھوڑ رہے ہو جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور ایسوں کو پکارتے ہو جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے اس شرک کا انکار کریں گے اور (خدائے) باخبر کی طرح تجھے کوئی خبر نہیں دے سکتا۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ: وہ جامد، بے جان اصنام تمہاری آواز سننے کے قابل ہی نہیں ہیں۔

۲۔ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ: اور اگر اللہ کے علاوہ تمہارے معبود تمہاری آواز سننے کے

قابل ہیں تو وہ تم مشرکین کی دعا قبول نہیں کر سکتے۔ مثلاً اگر یہ مشرکین ملائکہ کو پکارتے ہیں تو ملائکہ ان کی پکار کا نہ دنیا میں جواب دیں گے، نہ آخرت میں اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان مشرکین کو نہ دنیا میں جواب دیں گے، نہ آخرت میں۔ مَامِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ....[1] اللہ تعالیٰ مشرکین کی شفاعت کا اذن کیسے دے گا؟

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى ○ [2]

اور آسمانوں میں کتنے ہی ایسے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اللہ کی اجازت کے بعد جس کے لیے وہ چاہے اور پسند کرے۔

مشرکین کی شفاعت کی نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملے گی، نہ ان مشرکین کے لیے کسی قسم کی شفاعت فائدہ مند ثابت ہو گی۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ○ [3]

اب سفارش کرنے والوں کی سفارش انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔

اس آیت کا ان مومنین کے ساتھ ربط نہیں بنتا جنہیں شفاعت ملنے کی اللہ کی طرف سے اجازت ہو گی۔ نہ ان مومنین کے ساتھ اس کا ربط بنتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر نہیں بلکہ اللہ کو نہ چھوڑنے کے لیے بعض ما ذون من اللّٰہ ذوات مقدسہ کو وسیلہ بناتے ہیں۔

۳۔ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ: اس امر واقع پر اللہ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی خبر نہیں دے گا کہ دنیا اور آخرت میں ان غیر اللہ کو پکارنے والوں کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔

اہم نکات

قیامت کے احوال کا واحد ذریعہ وحی ہے: وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو بے نیاز، لائق ستائش ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ۙ

۱۶۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں نابود کر دے اور نئی خلقت لے آئے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور ایسا کرنا اللہ کے لیے مشکل تو نہیں۔

---

[1] ۱۰ یونس: ۳ (ترجمہ) اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔
[2] ۵۳ نجم: ۲۶　　[3] ۷۴ مدثر: ۴۸

تفسیر آیات

۱۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ: انسان اپنے وجود، اپنی بقاء میں اللہ کا محتاج ہے۔ اللہ سے ہٹ کر یہ انسان اپنا ایک سانس نہیں لے سکتا کہ اگر ایک لمحے کے لیے اللہ انسان سے ہاتھ اٹھا لے تو نیستی اور عدم کی تاریکیوں میں گم ہو جائے۔

روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو غیر اللہ کے دروازے پر دستک دیتے ہیں کہ تم صرف اور صرف اللہ کے محتاج ہو۔ اسی کے در پر جاؤ۔

۲۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ: اللہ بے نیاز ہے۔ کسی اور کا سہارا لینے کی اسے ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمام کائنات سے بے نیاز ہے۔ وہ بندوں کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ عبادت بندوں کی ضرورت ہے، اللہ کی نہیں۔ بندے کی ارتقا اور سرچشمۂ فیض سے اتصال عبادت میں ہے۔

۳۔ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ: اللہ تمہارے وجود کا محتاج نہیں ہے۔ تمہیں نابود کر کے اللہ دوسری مخلوق پیدا کر سکتا ہے۔ وہ اس دوسری مخلوق سے بھی بے نیاز ہے۔ تاہم بے نیازی کے باوجود مخلوقات کو زندہ رکھتا ہے صرف اپنے فیض کو جاری رکھنے کے لیے۔

۴۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ: یہ کام اللہ کے لیے مشکل نہیں ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام صرف ارادے سے ہوتا ہے۔ ارادہ کرنا اللہ کے لیے مشکل نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ تعالیٰ ذات و صفات میں بے نیاز اور بندے مجسم نیازمند ہیں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر کوئی (گناہوں کے) بھاری بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی کو پکارے گا تو اس سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا خواہ وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہو، آپ تو صرف انہیں ڈرا سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے تو وہ صرف اپنے لیے ہی پاکیزگی اختیار کرتا ہے اور اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی: یہ نظام عدل الٰہی کا مسلمہ اصول ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور اپنے کیے کا خود جواب دہ ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ [۱]

جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لیے ہی کرتا ہے اور جو برا کام کرتا ہے خود اپنے ہی خلاف کرتا ہے اور آپ کا پروردگار تو بندوں پر قطعاً ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

لہٰذا جرم کوئی کرے، سزا کسی اور کو نہیں دی جائے گی۔ آج کل کی مہذب حکومتوں کا شیوہ ہے کہ ایک فرد کے جرم پر پورے ملک کو سزا دی جاتی ہے۔ مجرم نہ ملنے پر اس کے ہمسایوں، رشتہ داروں پر زیادتی کی جاتی ہے۔

۲۔ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ: اگر کسی گناہ کے بھاری بوجھ والا کسی اور کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے پکارے تو وہ اس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا بلکہ اگر وہ اٹھانا بھی چاہے تو کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا پائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے غلط دعویٰ کو جھوٹ کہا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ [۲]

اور کفار اہل ایمان سے کہتے ہیں: ہمارے طریقے پر چلو تو تمہارے گناہ ہم اٹھا لیں گے حالانکہ وہ ان گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

۳۔ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی: خواہ قریب ترین رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ کوئی بھی اپنے قریبی رشتے دار کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ نہ باپ بیٹے کا، نہ بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ اٹھا سکتا ہے۔

۴۔ اِنَّمَا تُنْذِرُ: آپ کی تنبیہ سے استفادہ کرنے والے وہی لوگ ہوں گے جن کے دلوں میں اس خدا کا خوف ہے جو ان کے مشاہدے سے غائب ہے یا اس کا عذاب ابھی غائب ہے یا وہ یوم حساب جو ابھی نظروں سے غائب ہے۔

۵۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ: وہ لوگ آپ کی ملکوتی آواز پہچانیں گے جو اللہ کی بارگاہ میں عبادت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور اللہ کی بندگی کر کے گوش شنوا حاصل کرتے ہیں۔

۶۔ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ: جو اللہ کی اطاعت کر کے اپنے نفس کو گناہ کی پلیدی سے پاک کر دیتا ہے، اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچتا ہے۔ اگر کوئی ہستی انسان کو پاکیزگی کی دعوت دیتی ہے تو یہ دعوت اس انسان کے حق میں ہوتی ہے۔

اہم نکات

۱۔ ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی....

---

[۱] ۴۱ حٰمٓ سجدہ: ۴۶　[۲] ۲۹ عنکبوت: ۱۲

۲۔ قیامت کے دن عمل کام آتا ہے رشتہ دار نہیں: وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى....

۳۔ خوف خدا اور نماز انسان کو ہدایت کا اہل بنا دیتے ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾	۱۹۔ اور نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے،
وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾	۲۰۔ اور نہ ہی اندھیرا اور نہ روشنی،
وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾	۲۱۔ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ،
وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾	۲۲۔ اور نہ ہی زندے اور نہ ہی مردے یکساں ہو سکتے ہیں، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے سنوا تا ہے اور آپ قبروں میں مدفون لوگوں کو تو نہیں سنا سکتے۔
اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿٢٣﴾	۲۳۔ آپ تو صرف تنبیہ کرنے والے ہیں۔

تشریح کلمات

الْحَرُوْرُ: (ح رر) گرم دھوپ۔ گرم ہوا، زہریلی ہوا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ: کفر و ایمان، مومن اور کافر، اللہ تعالیٰ اور اصنام میں ایک محسوساتی موازنہ پیش کیا جا رہا ہے چونکہ انسان محسوسات بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ فرمایا: وہ شخص جس میں بینائی نہ ہو، جس نے روشنی دیکھی ہی نہ ہو اور روشنی سے آشنا ہی نہ ہو، روشنی سے استفادہ کرنے کی صلاحیت نہ ہو، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو چشم بصارت و بصیرت رکھتا ہے۔ روشنی سے فائدہ اُٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ جس قلب میں ایمان ہے وہ چشم بینا رکھتا ہے، جب کہ ایمان نہ رکھنے والا اپنے نفع و نقصان کی چیزیں نہیں دیکھ پاتا۔

۲۔ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ: نہ ہی اندھیرا اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں۔ تاریکی میں تمام تر ارتقائی پیشرفت رک جاتی ہے، فعالیات مفلوج ہو جاتی ہیں۔ زندگی کا پہیہ رک جاتا ہے۔ موت کی سی خاموشی چھا جاتی ہے۔ جب کہ نور، سرچشمۂ حیات، مایۂ زندگی ہے۔ ایمان نور ہے، ایک بینش ہے۔ اس نور کے ذریعے انسان اپنی دنیاوی و اخروی زندگی کے لوازمات جمع کر سکتا ہے۔ جب کہ ایمان نہ رکھنے والا دارین کی مفید اور

مضر چیزوں کی شناخت نہیں رکھتا۔

۴۔ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ: اسی طرح سائے کی ٹھنڈک اور دھوپ کی تپش برابر نہیں ہوسکتی۔ سائے میں سکون ہے۔ حرور، بادسموم میں زندگی مفلوج ہو جاتی ہے۔

۵۔ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ: نہ ہی زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک زندہ شخص سے آپ بہت توقعات رکھ سکتے ہیں۔ ایک مردہ لاش میں تعفن کے علاوہ کوئی خیر نہیں ہوتی۔ مؤمن زندگی رکھتا ہے۔ زندگی میں نشو ونما ہے۔ اس کے وجود کے ثمرات ہیں۔

۶۔ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ: اللہ جسے چاہتا ہے سنواتا ہے۔ یہ بات اللہ کی مشیت کے تابع ہے کہ اللہ کس تک اپنی دعوت پہنچاتا اور ہدایت دیتا ہے اور کون اس کا اہل ہے۔

۷۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ: آپ ایسے لوگوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکتے جو قبر میں مدفون شخص کی طرح ہیں۔ ان میں شنوائی کی اہلیت نہیں ہے۔

واضح رہے جب کوئی اہل نہیں ہوتا تو دعوت کا مؤثر ہونا کافی نہیں ہے۔ جیسا کہ کوئی اللہ کی رحمت کا اہل نہیں ہے تو اللہ کا ارحم الرحمین ہونا کافی نہیں ہے۔

۸۔ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ: آپؐ کے ذمے دعوت پہنچانا، حجت پوری کرنا ہے۔ اس دعوت پر لوگوں کا ایمان لے آنا اور اسے قبول کرانا آپؐ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

فضیلت: ابو صالح، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں:

مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى ابو جہل ہے۔ الْبَصِيْرُ علی بن ابی طالبؑ ہیں۔ وَلَا الظُّلُمٰتُ ابو جہل ہے جس کا دل شرک کی تاریکی میں ہے۔ وَلَا النُّوْرُ علیؑ کا قلب ہے جو نور سے پُر ہے۔ وَلَا الظِّلُّ علیؑ ہیں جو جنت میں ہوں گے۔ وَلَا الْحَرُوْرُ ابوجہل ہے جو جہنم میں ہو گا۔ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ علی، حمزہ، جعفر، حسن و حسین فاطمہ، خدیجہ علیہم السلام ہیں۔ وَلَا الْاَمْوَاتُ کفار مکہ ہیں۔[1]

اہم نکات

۱۔ ایمان سے بینائی، روشنی، سکون اور زندگی ملتی ہے۔

۲۔ جو اہل نہیں اس تک ہدایت کی صدا نہیں پہنچ پاتی۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ　۲۴۔ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا

---

[1] شواھد التنزیل ذیل آیت

نَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾

اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا: اس جملے کی تشریح سورہ بقرہ آیت ۱۱۹ میں ہو گئی ہے۔

۲۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ: کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی تنبیہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ کسی نبی کا پیغام جس تک پہنچے اس کی تنبیہ ہو گئی۔ اس پر یہ آیت شاہد ہے:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ...۔[1]

اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے تا کہ میں تمہیں اور جس تک یہ پیغام پہنچے سب کو تنبیہ کروں۔

اس آیت کے تحت نذیر وہ ہے جس کا پیغام ہے، وہ نبی ہیں۔ وَمَنْۢ بَلَغَ کے تحت مبلغ کو نذیر کہتے ہیں۔ لہٰذا کسی نبی کا پیغام جس جس قوم تک پہنچا ہے، اس قوم کے وہ نبی نذیر ہیں۔

لہٰذا یہ نظریہ بھی درست ہے عالم اور مبلغ کو بھی نذیر کہتے ہیں۔ چونکہ قرآن نے نبی کا پیغام پہچانے والے کو بھی نذیر کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝[2]

اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو انہیں تنبیہ کریں تا کہ وہ (ہلاکت خیز باتوں سے) بچے رہیں۔

اس آیت میں مبلغ کے لیے بھی ''انذار کرنے والے'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اس تشریح سے یہ بات سمجھنے میں آسانی ہو گی کہ ہر امت کی من حیث القوم تنبیہ ہو گئی ہے۔ اس کے لیے ہر قوم میں الگ الگ انبیاء نہیں بھیجے گئے: وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا۔[3] ہر بستی کے لیے نبی نہیں بھیجا گیا بلکہ ہر قوم کی تنبیہ ہو گئی۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کے آثار نسلوں تک باقی رہے ہیں تو ان تمام نسلوں کی تنبیہ ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے آثار صدیوں تک باقی رہے تو ان سب اقوام کی تنبیہ ہو گئی۔ البتہ ممکن ہے ہر فرد تک یہ پیغام نہ پہنچے۔ اس شخص کو قرآنی اصطلاح میں مستضعف کہتے ہیں۔ اس کا مؤاخذہ نہیں ہو گا چونکہ اس پر حجت پوری نہ ہوئی۔

البتہ کسی نبی کی رسالت کے آثار مٹنے لگیں تو اس وقت نئے نبی کا مبعوث ہونا ضروری ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بت پرستی، توحید پرستی کا انحرافی مسلک ہے لہٰذا جہاں بت پرستی ہے وہاں توحید پرستی

---

[1] ۶ انعام: ۱۹ [2] ۹ توبۃ: ۱۲۲ [3] ۲۵ فرقان: ۵۱ (ترجمہ) اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک تنبیہ کرنے والا مبعوث کرتے۔

تھی اور وہاں کوئی نبی مبعوث تھا۔ چنانچہ امریکہ کا انکشاف کرنے والے کہتے ہیں کہ وہاں آفتاب پرستی کے لیے عبادت خانہ تھا۔ نئے آنے والوں کو شروع میں وہ آفتاب کی اولاد سمجھتے تھے۔[1]

اہم نکات

۱۔ ہر قوم و ملت تک اللہ کا پیغام پہنچا ہے۔
۲۔ زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہی۔

وَ اِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۚ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان سے پہلے والوں نے بھی تکذیب کی ہے، ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

ثُمَّ اَخَذۡتُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۟ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ﴿۲۶﴾

ع ۲ ۱۵

۲۶۔ پھر جنہوں نے کفر کیا میں نے انہیں گرفت میں لے لیا پھر (دیکھا) میرا عذاب کیسا سخت تھا؟

تفسیر آیات

۱۔ وَ اِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ: اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ پہلی بار نہیں ہے۔ جو لوگ کلمہ حق قبول کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ ہمیشہ انبیاء کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔

۲۔ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ: ان تکذیبی عناصر کے پاس انبیاء علیہم السلام درج ذیل ثبوت لے کر آئے تھے:

الف: بِالۡبَیِّنٰتِ: معجزے لے کر آئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نو عظیم معجزات قائم کیے۔ پھر لوگوں نے انہیں ساحر کہہ کر جھٹلا دیا۔

ب: بِالزُّبُرِ: ایسے صحیفے لے کر جن میں انسانیت ساز مواعظ اور نصیحتیں تھیں۔

ج: وَ بِالۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ: ایک جامع شریعت پر مشتمل کتاب اور دستور حیات لے کر آئے۔

۳۔ ثُمَّ اَخَذۡتُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا: ان شواہد کے باوجود جب ان کافروں نے تکذیب کی تو ہم نے انہیں عذاب شدید میں پکڑ لیا۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی اور کامیابی کی خوش خبری ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

۲۷۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے

[1] قاموس قرآن

مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهَا ؕ وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ ﴿۲۷﴾

پانی برسایا پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے؟ اور پہاڑوں میں مختلف رنگوں کی سفید سرخ گھاٹیاں پائی جاتی ہیں اور کچھ گہری سیاہ ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ غَفُوۡرٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں میں بھی رنگ پائے جاتے ہیں، اللہ کے بندوں میں سے صرف اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ بڑا غالب آنے والا، معاف کرنے والا ہے۔

تشریح کلمات

جُدَدٌ: (ج دد) یہ جُدۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی کھلے راستہ کے ہیں۔ اسی سے شاہراہ کو جادۃ کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً: اس بات پر ایک شاہد کا ذکر ہے کہ اس کائنات کی تدبیر صرف ایک ہی ذات کے ہاتھ میں ہے جس نے آسمان سے ایک قسم کا پانی نازل کیا لیکن اس ایک پانی سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے۔ رنگوں کے مختلف ہونے سے پھلوں کا ذائقہ، طبیعت اور مزاج بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔

زمین پر پانی پڑنے سے زمین میں موجود مختلف عناصر میں موجود خاصیتیں فعال ہوجاتی ہیں اور جو دانہ زمین میں جاتا ہے اسے اس بات کا شعور ہے کہ کن عناصر کو جذب کرنا ہے تاکہ مطلوبہ پھل وجود میں آئے۔ اس دانے کو کس نے سمجھایا کہ مخصوص عناصر کو جذب کر کے ترکیب دینا ہے تاکہ مطلوبہ پھل وجود میں آئے۔ کیا یہ تمہارے معبودوں نے سمجھایا ہے یا خدائے واحد نے؟ یہ عدم یکسانیت اللہ کی خلاقیت اور صناعیت کی دلیل ہے۔

۲۔ وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ: اور پہاڑوں میں مختلف رنگوں کی گھاٹیاں پائی جاتی ہیں۔ ان گھاٹیوں اور راستوں کا رنگ مختلف ہے۔ رنگ، نوع اور کیفیت میں اختلاف سے شناخت اور اختیار کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ اختلاف تدبیر امور کا حصہ ہے ورنہ سب ایک رنگ، ایک نوع اور ایک کیفیت کی ہوتیں تو مختلف ضرورتیں پوری نہ ہوتیں۔ ممکن ہے کہ جُدَدٌ کا ترجمہ دھاریوں سے کیا جائے تو یہ بھی قدرت

کی صناعیت ہے کہ مختلف رنگوں سے خالق کے ارادے کا پتہ چلتا ہے ورنہ اگر تمام چیزیں یکساں ہوتیں تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ اتفاق سے وجود میں آئی ہیں۔ کسی شعور و ارادے کی کرشمہ سازی نہیں ہے۔

۳۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ: اسی طرح تنوع اور عدم یکسانی انسانوں میں بھی ہے۔ دو انسانوں کی شکل، مزاج، رنگ، آواز، چال اور ترجیحات ایک طرح کی نہیں ہیں۔ اسی طرح حیوانات میں بھی اگر ایک ماں، باپ سے ہوں تو بھی یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ اَلۡوَانُہٗ میں الوان سے مراد اقسام و انواع بھی لیا جا سکتے ہیں۔ ضمیر وحدت اس لیے ہے کہ یہ ضمیر ما ھو، مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ میں ھو کی طرف ہے یا جنس مقدر ہے۔ (مجمع البیان)

۴۔ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا: اللہ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ علم سے جمالیاتی ذوق بیدار ہوتا ہے۔ کائنات کی رنگارنگ رعنائیوں کو دیکھ کر عالم اس کے خالق کی خلاقیت اور صنعت گری کی معرفت سے سرشار ہوتا ہے۔ علم کی وجہ سے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ پردے ہٹ جانے سے بہت سے حقائق جو جاہل سے پوشیدہ ہیں، عالم کے سامنے آجاتے ہیں۔ حقائق کے منکشف ہونے کے بعد عالم خطرات کو بھانپ لیتا ہے، بالکل اس شخص کی طرح جو قانون اور جرم و سزا سے آشنا ہو۔ وہ قانون کے عدل سے خوف کھاتا ہے اور جو شخص صحت کے اصولوں سے واقف ہو وہ مضر صحت چیزوں سے خوف کھاتا ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے:

> مدینہ منورہ کے شیعہ عالم دین آیۃ اللہ محمد علی العمریؒ کے صاحبزادے لاہور میں زیر تعلیم تھے۔ ان کے ہمراہ ہم شہر کے اندر کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ اللہ سے صرف علم رکھنے والے ہی ڈرتے ہیں۔ ان کا سوال ابھی ختم ہوا ہی تھا کہ ٹریفک کی بھیڑ کے درمیان میں ایک بھینس بلاخوف و خطر آرام سے کھڑی نظر آئی میں نے ان سے کہا: دیکھو! یہ بھینس چونکہ علم نہیں رکھتی اس لیے اس خطرناک ٹریفک کے درمیان بلا خوف کھڑی ہے۔
>
> اللہ سے ڈرنے کا مطلب اس کے عدل سے ڈرنا ہے ورنہ وہ خود ارحم الراحمین ہے۔

آیت میں علماء سے مراد صرف وہ لوگ نہیں ہیں جنہیں اصطلاح میں علماء کہا جاتا ہے۔ عالم وہ ہے جس کا علم اسے خوف خدا سے آشنا کرے۔ حدیث میں آیا ہے:

یَعۡنِی بِالۡعُلَمَاءِ مَنۡ صَدَّقَ فِعۡلُہٗ قَوۡلَہٗ وَ مَنۡ لَمۡ یُصَدِّقۡ فِعۡلُہٗ قَوۡلَہٗ فَلَیۡسَ بِعَالِمٍ۔[1]	علماء سے مراد وہ ہیں جن کا عمل ان کے قول کی تصدیق کرے، جن کا عمل ان کے قول تصدیق نہ کرے وہ عالم نہیں ہیں۔

[1] الکافی ۱: ۳۶

دوسری حدیث میں آیا ہے:

علم لا یصلحك ضلال ومال لا ینفعك وبال.[1]

وہ علم جو تیری اصلاح نہ کرے ضلالت ہے اور وہ مال جو تجھے فائدہ نہ دے وبال ہے۔

نیز حدیث ہے:

اعلمکم باللّٰہ اخوفکم للّٰہ۔[2]

تم میں سے زیادہ عالم باللہ وہ ہے جو اللہ سے زیادہ خوف رکھتا ہو۔

اہم نکات

۱۔ مخلوقات میں تنوع اللہ تعالیٰ کی صناعیت کی نشانی ہے۔

۲۔ عالم وہ ہے جس کا علم خوف خدا کا باعث بنے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو رزق انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے ساتھ امید لگائے ہوئے ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ: تلاوت کتاب اللہ سے مراد تلاوت قرآن ہے۔ قرآن کی تلاوت اس صورت میں تمام اعمال سے بہتر ہے جب معانی قرآن میں غور وفکر اور اس پر عمل کیا جائے۔ اس کی تفصیل مقدمہ میں مذکور ہے۔

۲۔ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ: تلاوت کا ایک نتیجہ اقامہ نماز ہے۔ نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے ضائع نہ کیا جائے۔ اس کا پوری طرح تحفظ کیا جائے۔ کوئی نماز ترک نہ ہو اور نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے تو یہ نماز قائم کرنے والا کہلائے گا۔

۳۔ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ: رزق خدا کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی فضیلت تو خود قرآن میں جا بجا بیان ہوئی ہے کہ حب المال انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ مال سے ہاتھ اُٹھانے اور اسے راہ خدا میں دینے کی بہت فضیلت ہے۔ اس انفاق سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ ہے چونکہ یہ آیت مکی ہے۔ مکہ میں زکوٰۃ فرض

---

[1] غرر الحکم حکمت: ۱۹۲ [2] بحار ۶۷: ۳۴۴

نہیں ہوئی تھی۔

۴۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً: راہ خدا میں اگر پوشیدہ طور پر مال خرچ کرتے ہیں تو اس میں ریاکاری کا شائبہ نہیں رہتا۔ اس خرچ کا محرک اللہ کی خوشنودی ہے تو یہ انفاق بہت درجہ رکھتا ہے۔

اگر علانیہ انفاق کرے تو اس علانیہ کرنے کا محرک ریاکاری نہ ہو بلکہ انفاق کو لوگوں میں ترویج دینے کے لیے ہو تو اس کا اپنا درجہ ہے۔

۵۔ يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ: راہ خدا میں انفاق ایک ایسی سعادت مندانہ تجارت ہے جس کا ایک فریق اللہ ہے۔ دوسرا فریق اس کا اپنا بندہ۔ مال بھی خود اللہ کا۔ بندے کے پاس کچھ دنوں کے لیے امانت تھی۔ فضلیت اس میں ہے کہ بندے نے اس امانت کا اس کے حقیقی مالک کی مرضی کے مطابق اسی کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔ جس معاملے کا ایک فریق اللہ ہو بھلا اس معاملے میں خسارے کا امکان ہے؟ نہیں بلکہ یہ تصور سے زیادہ نفع بخش تجارت ہے۔ ایسی تجارت جس میں منافع کی ضمانت دی گئی ہے۔ راہ خدا میں مال خرچ کرنا ایسی سرمایہ کاری ہے جس کا نفع بخش ہونا یقینی ہے۔

اس تجارت کے منافع کی طرف سورۂ بقرہ آیت ۲۶۱ میں اشارہ فرمایا ہے جس میں ایک کے مقابلے عام طور پر سات سو گنا ثواب ملے گا اور خاص بندوں کے لیے اس ثواب کو مضاعف یعنی کئی گنا کیا جا سکتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ تلاوت قرآن کا ذکر نماز سے پہلے آیا ہے چونکہ قرآن فہمی نماز کے لیے بنیاد ہے۔

۲۔ نماز انفاق کے ساتھ ہونی چاہیے۔

۳۔ مال حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے: رَزَقْنٰهُمْ ....

۴۔ جس تجارت کا ایک فریق اللہ ہو اس سے زیادہ نفع بخش تجارت نہیں ہو سکتی۔

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ تاکہ اللہ ان کا پورا اجر انہیں دے بلکہ اپنے فضل سے مزید بھی عطا فرمائے، یقیناً اللہ بڑا معاف کرنے والا، قدردان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ: ان کی تجارت میں خسارے کا امکان اس لیے نہیں رکھا ہے تاکہ ان کو ان کے اس انفاق کا پورا اجر مل جائے۔ وہ اجر اللہ نے تفضلاً مقرر فرما رکھا ہے۔

۲۔ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ: بلکہ مزید بھی عنایت ہوگا۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ انفاق کے لیے جو اجر اللہ نے مقرر فرمایا ہے اس میں بھی تفضّل ہے۔ وَيَزِيْدَهُمْ اس پر بھی اپنے فضل سے مزید دیا جائے گا۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○[1] اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

۳۔ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ: انسان سے گناہ بھی سرزد ہوتا ہے اور عمل صالح بھی۔ اللہ گناہوں کو معاف فرمانے والا اور عمل صالح کی قدر دانی کرنے والا ہے۔ یہ ہیں اللہ کے ذوالفضل ہونے کے تقاضے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ تعالیٰ اجر بھی پورا دیتا ہے اور مزید بھی عطا فرماتا ہے: وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ....

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۳۱

۳۱۔ اور ہم نے جو کتاب آپ کی طرف وحی کی ہے وہی برحق ہے، یہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی ہیں، یقیناً اللہ اپنے بندوں سے خوب باخبر، ان پر نظر رکھنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ جس کتاب کی آپ کی طرف وحی کی ہے اس کے مبنی بہ حق ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ کتاب سابقہ آسمانی کتب کی حقانیت کی تصدیق کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ سلسلۂ انبیاء علیہم السلام کے ایک برحق نبی ہیں۔

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ: وہ اپنے بندوں کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔ اس خبر کے مطابق اللہ اس بندے کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے اپنی وحی اور رسالت کے لیے بہترین اور لائق ترین پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کتاب دی گئی ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

۳۲۔ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث انہیں بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا ہے پس ان میں سے کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت لے جانے

---

[1] ۲ بقرہ: ۱۰۵

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾　　والے ہیں یہی تو بڑا فضل ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ: الْكِتٰبَ سے مراد وہ کتاب ہے جس کا ذکر سابقہ آیت میں آیا ہے۔ چنانچہ الْكِتٰبَ میں الف لام اسی مذکورہ کتاب یعنی القرآن کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا اس آیت میں وارثین قرآن کا ذکر ہے۔

اس آیت میں فرمایا: پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے ان بندوں کو بنا دیا جنہیں ہم نے برگزیدہ کیا ہے۔ کتاب یعنی قرآن کی وارث اور اللہ کی برگزیدہ قوم کون لوگ ہیں؟

اکثر مفسرین کے نزدیک وہ قوم جسے وارث قرآن اور برگزیدہ بنایا، امت مسلمہ ہے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہو گیا کہ وارث قرآن اور اللہ کی برگزیدہ قوم ظلم بنفس کا ارتکاب کر سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے: جب کسی قوم میں چند برگزیدہ ہستیوں کو کتاب کا وارث بنایا جاتا ہے تو نسبت پوری قوم کی طرف دی جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ○ [1]　　اور بنی اسرائیل کو ہم نے اس کتاب کا وارث بنایا۔

واضح رہے کہ بنی اسرائیل پوری قوم کو نہیں اس قوم میں چند برگزیدہ ہستیوں کو وارث بنایا۔

دوسرا جواب یہ ہے: اللہ نے انہیں وارث کتاب بنانے کے لیے برگزیدہ کیا تھا کہ قرآن کو دستور حیات بنائیں مگر وہ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے:

الف: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ: اس گروہ نے اس دستور زندگی سے انحراف کیا اور اس سعادت ابدی سے اپنے آپ کو محروم کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ یہ بھی ان لوگوں کی طرح ہو گئے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ○ [2]　　اور جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے وہ اس کے بارے میں شبہ انگیز شک میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا وارث بنائے جانے کے بعد وہ اسی کتاب کے بارے میں شک سے دوچار ہو جاتے ہیں اور وارث نہیں بن پاتے۔

دوسری آیت میں فرمایا:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى ... [3]　　پھر ان کے بعد ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جو کتاب اللہ کے وارث بن کر اس ادنیٰ زندگی کا مال و متاع سمیٹتے تھے۔

---

[1] ۴۰ غافر: ۵۳　　[2] ۴۲ شوریٰ: ۱۴　　[3] ۷ اعراف: ۱۶۹

رہا یہ سوال کہ اس گروہ کو برگزیدہ کیسے فرمایا؟ جب کہ اصطفی کا لفظ صرف انبیاءؑ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: سیاق آیت سے یہ بات معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کو مکلّف بنانے کے لیے انتخاب کیا تھا، ثواب و درجات کی بلندی کے لیے نہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ....[1]

اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو نیز نیک عمل انجام دو، امید ہے کہ (اس طرح) تم فلاح پا جاؤ۔ اور راہ خدا میں ایسے جہاد کرو جیسے جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے۔

اس آیت میں چند احکام کا ذکر کر کے فرمایا: هُوَ اجْتَبٰىكُمْ اس نے تمہیں برگزیدہ کیا ہے۔ یعنی ان شرعی احکام کا مکلّف بنانے کے لیے منتخب کیا ہے۔

اسی طرح امت مسلمہ کو محمد رسول اللہ ﷺ جیسے خاتم المرسل نبی مبعوث کر کے اور قرآن جیسا دستور زندگی دے کر اس بار امانت کو اٹھانے کے احکام جاری کرنے کے لیے منتخب کیا تھا۔ لیکن اس گروہ نے ظلم بہ نفس کر کے اس بار امانت و وراثت اٹھانے کا اہل ہونے کا ثبوت نہ دیا۔ البتہ اس انتخاب میں وہ لوگ شامل ہی نہیں ہیں جو ظلم بغیر کرتے ہیں دوسرے لوگوں پر ظلم کر کے ان کا حق چھین لیتے ہیں، ابن کثیر اپنی تفسیر میں ایک قول نقل کرتے ہیں کہ ظالم بہ نفس بھی اس امت میں شامل نہیں۔

ب: وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ: اس گروہ نے میانہ روی اختیار کی۔ نہ ظلم بہ نفس کرنے والوں کی طرح انحراف کا شکار ہوئے، نہ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ کی طرح بن سکے۔ اس گروہ کا ذکر چونکہ ظلم بہ نفس کرنے والوں کے مقابلے میں ہوا ہے اس لیے یہ وہ لوگ ہوں گے جو قرآن کو دستور زندگی بنانے میں ناکام بھی نہیں ہوئے اور گناہان کبیرہ کے مرتکب بھی نہ ہوئے بلکہ چند گناہان صغیرہ کبھی ان سے سرزد ہوئے ہیں۔ شاید یہ لوگ اس آیت کا مصداق ہوں:

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ....[2]

جو لوگ گناہان کبیرہ اور بے حیائیوں سے اجتناب برتتے ہیں سوائے گناہان صغیرہ کے تو آپ کے پروردگار کی مغفرت کا دائرہ یقیناً بہت وسیع ہے....

ج: وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ: تیسرا گروہ وہ ہے جو سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ ہونے کی وجہ سے پہلے گروہ

---

[1] ۲۲ حج: ۷۷۔۷۸ [2] ۵۳ نجم: ۳۲

کی طرح ظلم بہ نفس نہیں کرتا اور دوسرے گروہ کی طرح چھوٹے گناہوں کا بھی ارتکاب نہیں کرتا۔ وہ کسی خیر کو خواہ وہ واجب ہو یا مستحب نہیں چھوڑتا۔ چونکہ یہ تیسرا گروہ سابقہ دو گروہوں کے مقابلے میں ہے اس لیے اس گروہ میں سابقہ دونوں گروہوں کی خامیاں نہیں ہوں گی۔ یہی مقام عصمت ہے اور اللہ کے برگزیدہ مکلّف ہونے کے مرحلے کے بعد اجر و درجات کے مقام پر بھی فائز ہے۔ یہی لوگ وارث قرآن ہونے کا حق ادا کرنے والے ہیں۔

چنانچہ اہل سنت کے مصادر میں آیا ہے۔ ابوالدرداء راوی ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

السابق الذی یدخل الجنة بغیر حساب۔[1]　　سابق وہ ہیں جو جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر ۶: ۴۸۴ میں سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ کی تشریح میں لکھا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو واجبات اور مستحبات پر عمل کرتے ہیں۔ محرمات اور مکروہات اور بعض مباحات ترک کرتے ہیں۔ کیا عصمت اس کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟

۲۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ: اللہ کا فضل کبیر شامل حال ہونے ہی کی وجہ سے سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ کے درجات پر فائز ہوتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے روایت ہے کہ اس کے مصداق آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ چنانچہ حدیث ثقلین سے بھی ثابت ہے قرآن و اہل بیت قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔

انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللّٰه و عترتی اهل بیتی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔

فضیلت: ذیل میں ہم فریقین کے مصادر سے چند روایات کا ذکر کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

السَّابِقُ بِالْخَيْرَاتِ الْاِمَامُ وَ الْمُقْتَصِدُ الْعَارِفُ لِلْاِمَامِ وَ الظَّالِمُ لِنَفْسِهِ الَّذِی لَا یَعْرِفُ الْاِمَامَ۔[2]　　السابق بالخیرات نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ائمہؑ ہیں، میانہ رو والے ائمہؑ کی معرفت رکھنے والے ہیں اور ظالم وہ ہیں جو امام کی معرفت نہیں رکھتے۔

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے روایت ہے:

هی لنا ایانا عنی۔[3]　　یہ آیت ہمارے بارے میں ہے اور ہم ہی مراد لیے گئے ہیں۔

ابوحمزہ ثمالی راوی ہیں:

امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا تو اہل عراق کے دو افراد آپ کے پاس آئے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ذیل آیہ　[2] الکافی ۱: ۲۱۴　[3] مجمع البیان

اور اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: اہل عراق کیا کہتے ہیں؟ کہا وہ کہتے ہیں پوری امت مراد ہے۔ امامؑ نے فرمایا: پھر پوری امت جنت میں جائے گی؟ راوی کہتے ہیں میں نے کہا: فرزند رسول! پھر کن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے؟ جواب میں تین بار فرمایا: فیناالاھل البیت۔ ہم اہل بیت کی شان میں نازل ہوئی ہے۔[1]

نیز شواھد التنزیل ۲:۱۵۶ میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ فرمایا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: ھم ذریتك و ولدك۔ وہ آپ کی ذریت اور آپ کی اولاد ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ .... کے بارے میں فرمایا: ہم ہی وہ لوگ ہیں۔

ملاحظہ ہو الاربلی کشف الغمة ۱: ۳۱۷۔

محمد بن العباس نے ابواسحاق السبعی سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا یہ فرمان روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

ھی لنا خاصة۔ یہ آیت صرف ہمارے بارے میں ہے۔

ان روایات کے بعد ان اصناف ثلاثہ کے بارے میں مفسرین کے چالیس سے زیادہ اقوال کے گرداب میں پھنسنے کی نوبت نہیں آتی۔

اہم نکات

۱۔ سابق بالخیرات، ظالم اور مقتصد نہیں ہیں تو معصوم ہیں۔

۲۔ سابق بالخیرات ہی وارث قرآن ہوتے ہیں۔

۳۔ اللہ کی برگزیدہ ہستیاں تمام نیکیوں کی طرف سبقت لے جاتی ہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ وہ دائمی جنتیں ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے، وہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔

تفسیر آیات

اس آیت کا تعلق مذکورہ تین گروہوں میں سے تیسرے گروہ سے ہے۔ سابق بالخیرات ہی دائمی

---

[1] ملاحظہ ہو شواھد التنزیل ۲: ۱۵۲

جنت میں مذکورہ درجہ پر فائز ہوں گے۔

بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت کا تعلق تینوں گروہوں سے ہے۔ تعجب کا مقام ہے کہ ظالم بہ نفس اور سابق بالخیرات ایک ہی درجے پر کیسے فائز ہو سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ظالم بہ نفس اور مقتصد کے بارے میں اس آیت میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے۔ آیت سے ہٹ کر دیگر دلائل سے ان دونوں کے انجام کے بارے میں موقف اختیار کیا جا سکتا ہے کہ بعض روایات کے مطابق مقتصد آسان حساب کے بعد اور ظالم بہ نفس مکمل حساب کے بعد شفاعت کے ذریعے جنت داخل ہوں گے۔ مگر ان تینوں گروہوں کا درجہ ایک ہونا معقول نہیں ہے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۚ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور وہ کہیں گے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہم سے غم کو دور کیا، یقیناً ہمارا رب بڑا معاف کرنے والا قدردان ہے۔

تفسیر آیات

ان سابق بالخیرات نے اپنی زندگی جس حزن و ملال کے ساتھ گزاری ہے اس سے آزاد ہو کر اللہ کے فضل کریم سے فیضیاب ہونے پر حمد خدا بجا لائیں گے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝[1]

سنو! جو اولیاء اللہ ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ جس نے اپنے فضل سے ہمیں دائمی اقامت کی جگہ میں ٹھہرایا جہاں ہمیں نہ کوئی مشقت اور نہ تھکاوٹ لاحق ہو گی۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ دائمی اقامت گاہ اسی فضل کبیر کے نتیجے میں ہے جس کا ذکر آیت ۳۲ میں ہوا ہے۔ اگر ہم آیت ۳۲ کو سابق بالخیرات کے گروہ سے متعلق قرار دیتے ہیں، اس کے بعد کی سب آیات اسی گروہ سے متعلق ہوں گی۔

---

[1] ۱۰ یونس: ۶۲

۲۔ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا: اس دائمی اقامت گاہ میں اس قسم کی مشقت اور تھکاوٹ نہ ہو گی جو دنیا میں تھی۔ چونکہ دنیا علل و اسباب کی زندگی تھی۔ مشقتوں سے پُر زندگی تھی۔ جنت کی زندگی صرف اور صرف ارادے سے کام بننے کی زندگی ہے۔ ارادہ کرنے میں نہ مشقت ہے، نہ تھکاوٹ۔

اہم نکات

۱۔ جنت دار الجزا ہے۔ وہاں کوئی حزن، مشقت اور تھکاوٹ نہ ہو گی۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے جہنم کی آتش ہے، نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ہی ان کے عذاب جہنم میں تخفیف کی جائے گی، ہر کفر کرنے والے کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ سوال یہ پیدا کرتے ہیں کہ کافر نے صرف ستر، اسّی سال جرم کیا ہے۔ سزا دائمی کیوں؟

جواب: اولاً انسان کے اچھے برے اعمال اس کے جسم کے حصے ہوتے ہیں جو انرجی کی شکل میں اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں۔ یہ انرجی ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ ایک ذرہ بھی نابود نہیں ہوتا۔ لہٰذا اچھا عمل انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور برا عمل انسان کی جان نہیں چھوڑتا کیونکہ انسان کے اچھے اور برے اعمال ابدی ہیں مگر یہ کے اچھے اعمال حبط ہو جائیں اور برے اعمال کی بخشش ہو جائے۔

ثانیاً: مجرم خود ختم ہوا تھا۔ اس نے جرم ختم نہیں کیا تھا۔

ثالثاً: جرم دیکھا جاتا ہے کتنا بڑا ہے۔ وہ وقت نہیں دیکھا جاتا جو جرم پر لگا۔ گولی سے ناحق انسان کے قتل پر چند سیکنڈ لگتے ہیں۔ سزا عمر قید کیوں؟

وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ

۳۷۔ اور وہ جہنم میں چلا کر کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس جگہ سے نکال، ہم نیک عمل کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو ہم (پہلے) کرتے رہے ہیں، (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی جس میں نصیحت حاصل

النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٣٧﴾

کرنے والا نصیحت حاصل کر سکتا تھا؟ جب کہ تمہارے پاس تنبیہ کرنے والا بھی آیا تھا، اب ذائقہ چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ هُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا: عذاب کے مشاہدے کے بعد ایک بار پھر دنیا کی طرف مراجعت کی تمنا قدرتی امر ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ کافر عفو الٰہی کی تمنا نہیں کرتے بلکہ دنیا میں ایک مرتبہ پھر واپس جانے کی تمنا کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس بات کا علم ہو گیا ہوتا ہے کہ عفو کا وقت گزر چکا ہے۔ دنیا میں ایمان و عمل ہی ذریعۂ نجات تھے، لہٰذا اب وہ دنیا میں واپس جا کر اس ذریعے کو حاصل کرنا چاہتے ہیں:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ ...[1]

اگر انہیں واپس بھیج دیا جائے تو یہ پھر وہی کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔

۲۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ: جواب دیا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر سکتا تھا۔ نیک و بد اور حق و باطل میں امتیاز کرنا اس کے لیے ممکن تھا اور عمر کی اس مہلت کے ساتھ اللہ کی طرف سے حجت پوری کرنے والے نبی بھی تمہاری طرف آئے تھے اور تمہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے حق کی طرف دعوت دیتے رہے۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آیا ہے:

من عمره الله ستين سنة فقد اعذر اليه۔[2]

جسے اللہ نے ساٹھ سال کی عمر دی اسے عذر کا موقع دیا ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

اذا كان يوم القيمة قيل اين ابناء الستين وهو المعمر الذى قال الله اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ ...[3]

جب قیامت کا دن ہو گا تو کہا جائے گا: ساٹھ سال عمر والے کہاں ہیں؟ یہ وہ عمر رسیدہ ہیں جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا تھا: کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر سکتا تھا۔

اہم نکات

۱۔ فرصت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد نالہ و فریاد لاحاصل ہے: يَصْطَرِخُوْنَ ...۔

۲۔ واحد ذریعہ نجات ایمان کے ہمراہ عمل صالح ہے: نَعْمَلْ صَالِحًا ...۔

---

[1] ۶ انعام: ۲۸　[2] مجمع البیان　[3] سنن بیہقی

۳۔ ساٹھ سال کی عمر کے بعد کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ یقیناً اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے اور وہ ان باتوں کو بھی خوب جانتا ہے جو سینوں میں (مخفی) ہیں.

تفسیر آیات

علم غیب بذات خود صرف اللہ جانتا ہے۔ غیر اللہ کے علم کا مآخذ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس موضوع پر گزشتہ متعدد آیات میں گفتگو ہو چکی ہے۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اسی نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا، پس جو کفر کرتا ہے اس کے کفر کا نقصان اسی کو ہے اور کفار کے لیے ان کا کفران کے رب کے نزدیک صرف غضب میں اضافہ کرتا ہے اور کفار کے لیے ان کا کفر صرف ان کے خسارے میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ: پوری انسانیت، نوع انسانی سے خطاب ہے کہ اللہ نے تمہیں گزشتہ نسلوں کی جگہ جانشین بنایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

وَرَبُّكَ الْغَنِىُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝[1]

اور آپ کا رب بے نیاز ہے، رحمت کا مالک ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے تمہاری جگہ جسے چاہے جانشین بنا دے جیسا کہ خود تمہیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے: اللہ نے تمہیں اللہ کی طرف سے بعض تصرفات کے عارضی، مجاز ہونے

---

[1] ۶ انعام: ۱۳۳

کی حیثیت سے جانشین بنایا ہے ورنہ حقیقی مالکیت کا حق صرف اسی ذات کو حاصل ہے۔

پہلی تفسیر زیادہ قرین واقع ہے۔ وہ اس طرح ہے۔ وقت کے مشرکین کی رد میں فرمایا: نسلوں کا سلسلہ جاری رکھنا جہاں تدبیر سے مربوط ہے وہاں تخلیق سے بھی مربوط ہے۔ اس طرح اس آیت میں یہ نکتہ بیان کیا گیا کہ تدبیر اور تخلیق ناقابل تفریق ہے۔

۲۔ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ: اس کے باوجود اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی مدبریت کو نہیں مانتا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ نے تدبیر کائنات دوسروں کے سپرد کر رکھی ہے، اس کفر کا منفی نتیجہ خود اسی کافر کو بھگتنا ہوگا۔

۳۔ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ: کفر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے کفر کے سبب ان کی ہلاکت اور غضب الٰہی میں مبتلا ہونے میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ جیسے وہ اپنے کفر پر ڈٹے رہیں گے ان کے خلاف غضب الٰہی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ جو بہت بڑے خسارے میں اضافہ ہے۔

اہم نکات

۱۔ نسلوں کا سلسلہ جاری رکھنا جہاں تخلیق سے مربوط ہے تدبیر سے بھی مربوط ہے۔

۲۔ تخلیق و تدبیر قابل تفریق نہیں ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝۴۰

۴۰۔ کہدیجیے: یہ تو بتاؤ ان شریکوں کے بارے میں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو؟ مجھے دکھلاؤ! انہوں نے زمین سے کیا پیدا کیا؟ یا کیا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے؟ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کی بنا پر یہ کوئی دلیل رکھتے ہوں؟ (نہیں) بلکہ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو محض فریب کی خاطر وعدے دیتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ: اس آیہ شریفہ میں مشرکین کے اس موقف کو رد کرنے کے لیے کہ کائنات کی تدبیر ان کے معبودوں کے ہاتھ میں ہے، دو دلائل بیان کیے ہیں۔

الف: قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ: مجھے بتاؤ تمہارے شریکوں نے کیا پیدا کیا؟ کیا زمین کی کسی چیز کی تخلیق میں ان کا حصہ ہے؟ خاک پانی کی تخلیق میں یا خاک میں دانے کی روئیدگی کی صلاحیت

میں تمہارے معبودوں کا کوئی کردار ہے؟

مشرکین خود اس بات کے قائل تھے کہ خالق خدا ہے۔ آیت کا اشارہ اس طرف ہے: معبود وہی ہے جو خالق ہے۔ خلق اور تدبیر قابل تفریق نہیں ہیں۔

ب: اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ : دوسری بات یہ ہے کہ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب یا کوئی سند ایسی ہے جس میں تمہیں اللہ نے بتایا ہو کہ تدبیر کائنات میں تمہارے معبودوں کا کوئی کردار ہے جس کی بنیاد پر تم نے انہیں اپنا معبود بنایا اور اپنے دنیوی مفادات ان سے وابستہ کر رکھے ہیں؟

۲۔ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا: بلکہ یہ تمام مشرکانہ عقائد ان کے بڑے مفاد پرستوں کی طرف سے ایک دھوکہ ہیں۔ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ ہی کوئی اور سند موجود ہے۔

اہم نکات

۱۔ مشرکین کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل موجود ہے، نہ کوئی اور سند۔

۲۔ جس کے پاس منطق نہ ہو، وہ دھوکہ فریب سے کام لیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۱

۴۱۔ اللہ آسمانوں اور زمین کو یقیناً تھامے رکھتا ہے کہ یہ اپنی جگہ چھوڑ نہ جائیں، اگر یہ اپنی جگہ چھوڑ جائیں تو اللہ کے بعد انہیں کوئی تھامنے والا نہیں ہے، یقیناً اللہ بڑا بردبار، بخشنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ: کائنات کی اس بیکراں فضا میں موجود اجرام کو ایک غیر مرئی کڑی میں اللہ ہی نے مربوط رکھا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو صرف خلق کیا ہے۔ خلق کے بعد یہ خود چل رہی ہو یا اللہ کے علاوہ کوئی اور چلا رہا ہو بلکہ ہر لحہ تخلیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک لحہ کے لیے فیض الٰہی رکتا نہیں ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ [1] وہ ہر روز ایک (نئی) کرشمہ سازی میں ہے۔ لہٰذا اس نظام کائنات کی بقا، تخلیق مسلسل پر موقوف ہے اور پہلے بھی ذکر کیا تخلیق مسلسل، وہی تدبیر ہے۔

۲۔ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ: اللہ کی قائم کردہ یہ کڑی اگر ٹوٹ جائے (جس کی سائنسداں پیشگوئی کرتے ہیں) تو کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس کائنات کو سنبھالے اور ان کڑیوں کو

[1] ۵۵ رحمٰن: ۲۹

دوبارہ جوڑ دے۔ جس ذات نے اس کائنات کو خلق کیا ہے وہی اس کائنات کو قائم رکھ سکتی ہے۔ لہٰذا مشرکین کا یہ نظریہ کسی بنیاد پر قائم نہیں ہے کہ تدبیر کائنات میں ان کے معبودوں کا کوئی کردار ہے۔

۳۔ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا: یہ اللہ کے حلم و بردباری کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں اکثر لوگوں کے حکم خدا سے منحرف ہونے کے باوجود اس نظام کو قائم رکھا ہے اور وہ غفور ہے، جلد عذاب نازل نہیں فرماتا۔

اہم نکات

۱۔ کائنات کا وجود اور بقا دونوں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

۲۔ کائنات کو تباہی سے صرف اللہ بچا سکتا ہے۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور یہ لوگ اللہ کی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی تنبیہ کرنے والا آتا تو وہ ہر قوم سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہو جاتے لیکن جب ایک متنبہ کرنے والا ان کے پاس آیا تو ان کی نفرت میں صرف اضافہ ہوا۔

اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ یہ زمین میں تکبر اور بری چالوں کا نتیجہ ہے، حالانکہ بری چال کا وبال اس کے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے، تو کیا یہ لوگ اس دستور (الٰہی) کے منتظر ہیں جو پچھلی قوموں کے ساتھ رہا؟ لہٰذا آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور میں کوئی انحراف پائیں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ: بعض مصادر میں آیا ہے کہ قریش نے جب سنا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی ہے تو کہا: اگر ہمارے پاس کوئی رسول آتا تو ہم ان سے بہتر ان کی پذیرائی کرتے۔ یہ اس وقت کی بات تھی جب ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث نہیں ہوئے تھے۔

۲۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ: جب ان کی طرف رسول آیا تو سوائے ان کی نفرت کے اور کسی چیز

میں اضافہ نہیں ہوا۔ اس مضمون کی آیت سورہ انعام آیت ۱۵۷ میں بھی آ گئی ہے۔

۳۔ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ: ان میں آنے والے رسول سے نفرت کی دو وجوہات کا ذکر ہے: ایک وجہ تکبر ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس رسول سے بہتر، بالاتر اور افضل سمجھتے تھے۔ ان کے تکبر اور نخوت نے انہیں تکذیب کرنے پر اکسایا ہے۔ دوسری وجہ ان میں موجود بری چال ہے جس کے تحت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کو شہید کرنے پر ان کا اتفاق ہوا تھا۔

۴۔ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ: اس آیۂ شریفہ میں مشرکین کی بری چال کے ذکر کے بعد ایک اصول ارشاد فرمایا: بری چال، خود چال چلنے والے کو ہی لے ڈوبتی ہے۔ ہر عمل اور ہر چال کا ایک قدرتی نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں دیر ہے، اندھیر نہیں ہے۔ اس بارے میں عربوں میں بھی ایک ضرب المثل ہے: من حفر لاخیہ جبا وقع فیہ منکبا۔ جو اپنے برادر کے خلاف گڑھا کھودے گا وہ خود اسی میں منہ کے بل گر جائے گا۔

امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے:

لَوْ لَا اَنَّ الْمَكْرَ وَ الْخَدِيعَةَ فِي النَّارِ لَكُنْتُ اَمْكَرَ النَّاسِ۔[1]

اگر مکار اور فریبی جہنمی نہ ہوتا تو میں عربوں میں سب سے زیادہ مکار ہوتا۔

دوسری حدیث میں آیا ہے۔

خمسة فی کتاب اللّٰہ تعالیٰ من کن فیہ کن علیہ قیل و ما ھی یا رسول اللّٰہ قال: النکث، والمکر، والبغی، والخداع، والظلم۔[2]

پانچ چیزیں اگر کسی میں ہوں تو وہ خود اس کے خلاف ثابت ہوں گی۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہؐ وہ پانچ چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: عہد شکنی، مکر، بغاوت، دھوکہ اور ظلم۔

۵۔ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ: کیا یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے جس برے انجام سے سابقہ قومیں دوچار ہوئی ہیں یہ بھی اسی انجام سے دوچار ہو جائیں۔ گزشتہ اقوام کی عبرتناک تاریخ ان کے سامنے ہے کہ انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ اللہ نے انہیں ایک وقت تک مہلت دی پھر اس کے بعد وہ ایسی تباہ ہوئیں کہ نام و نشان تک مٹ گیا۔

۶۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا: سنت اللہ سے مراد وہ قانون الٰہی ہے جو مجرمین کے لیے ہے۔ اس قانون میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آ سکتی کہ سزا کی جگہ انعام دیا جائے یا بغیر توبہ و انابت کے بلاوجہ سزا معاف ہو جائے۔ اللہ کا یہ قانون اٹل ہے۔

۷۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا: نہ ہی قانون الٰہی میں انحراف ہو گا کہ مجرم قوم کی جگہ ایک

---

[1] الکافی ۲: ۲۳۶ [2] معدن الجواہر: ۴۸

بے گناہ قوم کو سزا دے بلکہ اللہ کا قانون اٹل ہے اس قانون کی زد میں صرف مجرم ہی آئیں گے۔

اہم نکات

۱۔ امتحان سے عملاً گزرے بغیر صرف دعویٰ سے حقیقت حال معلوم نہیں ہوتی۔
۲۔ تکبر بہت سی برائیوں کے لیے بنیاد ہے۔
۳۔ انسان بری چال میں خود پھنس جاتا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝۴۴

۴۴۔ کیا یہ لوگ زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ جب کہ وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے، اللہ کو آسمانوں اور زمین میں کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی، وہ یقیناً بڑا علم رکھنے والا، بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ: اس جملے کی تشریح سورہ روم آیت ۹ میں ہو چکی ہے۔

۲۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ: وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف تدبیر میں یہ سوچ رہے ہوں کہ ہم اللہ کے اس منصوبے کو ناکام بنا دیں گے تو یہ ان کی بھول ہے۔ اللہ کے ارادے کو کوئی طاقت ناکام نہیں بنا سکتی۔ اگر وہ زمیں پر چل پھر کر دیکھ لیتے تو ان کو علم ہو جاتا کہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور قوموں نے بھی اللہ کے رسولوں کے خلاف سازشیں کیں۔ آج ان کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ گیا ہے۔

اہم نکات

۱۔ گزشتہ اقوام کی تاریخ میں عبرت کے بہت سے اسباق ہیں۔
۲۔ اللہ کے منصوبوں کو کوئی چال ناکام نہیں بنا سکتی۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا　　۴۵۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کی حرکات کی پاداش میں

مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اپنی گرفت میں لے لیتا تو وہ روئے زمین پر کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے چنانچہ جب ان کا مقررہ وقت آ جائے گا تو اللہ اپنے بندوں پر خوب نگاہ رکھنے والا ہے۔

اس مضمون کی آیت کی تشریح سورہ نحل آیت ۶۱ میں ہو چکی ہے۔


سُورَةُ يٰسٓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ کی پہلی آیت کے الفاظ پر اس سورۃ کا نام یٰسٓ رکھا گیا ہے۔

سورۃ کے مضامین سے واضح ہے کہ یہ مکی سورۃ ہے۔ اس کے اولین مخاطبین اہل مکہ ہیں اور انداز بیان استدلالی ہے۔ ممکن ہے اس سورۃ کا تعلق مکی زندگی کے اواخر سے ہو۔

فضیلت سورۃ یٰسٓ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ہیں:

۱۔ اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ قلباً وَ قَلْبُ الْقُرآنِ یٰسٓ۔[1] — ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰس ہے۔

۲۔ سُورَۃُ یٰسٓ تُدْعَی فِی التَّوْرَاۃِ الْمُعِمَّۃَ قِیْلَ وَمَا الْمُعِمَّۃُ قَالَ ص تَعُمُّ صِاحِبَهَا خَیْرَ الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃِ ....۔[2] — سورۃ یٰس کو توریت میں المعمۃ کہتے ہیں۔ پوچھا گیا: المعمۃ کیا ہے؟ فرمایا: جس کے پاس سورۃ یٰس ہو گی اس کے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی ہو گی۔

۳۔ عَلِّمُوا اَوْلَادَکُمْ یٰسٓ فَاِنَّهَا رَیْحَانَۃُ الْقُرآنِ ۔[3] — اپنی اولاد کو سورۃ یٰس کی تعلیم دو، یہ قرآن کا گلدستہ ہے۔

اس سورت کے مضامین پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں:

۱۔ روایت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم یٰسٓ ہے۔ سورت کی ابتدا آپؐ کی رسالت کے توثیقی قسمیہ جملے سے ہوتی ہے: وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۔

۲۔ اس قوم کا ذکر ہے جس کی طرف آپؐ مبعوث ہوئے۔ ایسی قوم کی طرف جن میں آپؐ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا: لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ ....

۳۔ تاریخ انبیاء ل کا ایک ورق: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَۃِ ۔ اس کے بعد انبیاء ل کی تکذیب کرنے والوں کا انجام: یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ ۔

---

[1] مستدرک الوسائل ۴: ۳۲۳ [2] مستدرک الوسائل ۴: ۳۲۲ [3] مستدرک الوسائل ۴: ۳۲۵

۴۔ اللہ تعالیٰ کے رازق اور مدبر ہونے پر چند نشانیوں کی نشاندہی: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا....

۵۔ تدبیر کائنات کے ایک اہم نکتہ ''زوجیت'' کے آفاقی نظام کا ذکر: سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا....

۶۔ تدبیر کائنات سے متعلق شب و روز کی آمد و رفت، سورج اور چاند کی گردش میں پوشیدہ نکات: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا....

۷۔ اللہ کے مدبر کائنات ہونے کی ایک اور نشانی کا ذکر۔ سمندر اور کشتی رانی کے نظام کا ذکر: وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ۔

۸۔ انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں کفار کا احمقانہ موقف: اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ....

۹۔ قیامت کے دفعتاً قائم ہونے کا ذکر: مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً ....

۱۰۔ اہل جنت کا احوال: اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ۔

۱۱۔ اہل جہنم کا احوال: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔

۱۲۔ ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کے تدبیر کائنات کے شواہد۔

۱۳۔ اعادۂ حیات پر ایک دلیل: قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ....

۱۴۔ ہر شے ارادۂ الٰہی کی گرفت میں: بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بنام خدائے رحمٰن رحیم

يٰسٓ ① ا۔ یا، سین۔

تفسیر آیات

ا۔ یٰسٓ: حروف مقطعات کے بارے میں ہمارا موقف سورۂ بقرہ کی ابتدا میں بیان ہوا ہے کہ یہ ایک رمز ہیں۔ خالق اور اپنے حبیب کے درمیان ان حروف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور سے خطاب مقصود نہیں ہے۔

البتہ روایات میں آیا ہے کہ یٰسٓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں سے ہے۔ چنانچہ السید الحمیری اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

یا نفس لا تمحضی بالود جاهدة
علی المودة الا آل یا سینا [1]

اے نفس! آل یاسین کے علاوہ کسی کی خالص محبت کرنے کی سعی نہ کر۔

روایت کے مطابق اس پر دلیل یہ بھی ہے کہ یٰسٓ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہوا ہے۔ جیسے کہا ہو: یا محمد انك لمن المرسلين۔ چنانچہ حضرت علی اور امام محمد باقر علیہما السلام سے روایت ہے: یٰسٓ اسم نبی ہے۔ [2]

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② ۲۔ قسم ہے قرآن حکیم کی

---

[1] روح المعانی [2] مجمع البیان

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿۳﴾
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۭ﴿۴﴾
تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۵﴾

۳۔ کہ آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں،
۴۔ راہ راست پر ہیں۔
۵۔ (یہ قرآن) غالب آنے والے مہربان کا نازل کردہ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ: قسم ہے قرآن حکیم کی کہ آپؐ رسولوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے برحق ہونے پر قرآن کی قسم اس لیے کھا رہا ہے کہ قرآن آپؐ کی رسالت کا ایک معجزہ ہے۔ یہ معجزہ عصائے موسیٰ کی طرح ایک جامد شے نہیں ہے بلکہ یہ معجزہ حکیم بھی ہے۔ حکیم کے ہم نے روایات کے مطابق معنی کیے ہیں: حقائق بیں، صائب رائے۔ اس کے مقابلے میں ''خطا'' ہے۔

۲۔ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ: اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتا ہے کہ یٰسٓ اس حکیمانہ معجزے (قرآن) کی قسم آپؐ مرسلین میں سے ہیں۔ یہ قرآن آپؐ کی رسالت کا ثبوت ہے کہ ناقابل تردید حقائق پر مشتمل ایک دستور حیات پیش کرنے والا یقیناً اللہ کا رسول ہے۔

۳۔ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: آپؐ راہ راست پر ہیں۔ جس میں ذرہ برابر انحراف نہیں کہ اس انسان کو جس قسم کی ہدایت و رہنمائی کی ضرورت تھی آپؐ وہی پیش کر رہے ہیں۔ اس بھٹکے ہوئے انسان کو جو دستور زندگی آپ دے رہے ہیں وہ اس کے دنیوی و اخروی مفادات کے لیے بہترین تحفظ فراہم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ پانی، خاک، دھوپ، ہوا، انسان، درخت، سبزہ اور حیوانات وغیرہ آپس میں نہ صرف یہ کہ متصادم نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کے معاون، مربوط اور کرۂ ارض میں حیات کی بنیاد ہیں۔

اسی طرح رسول اسلام ﷺ نے جو دستور حیات پیش کیا ہے اس دستور کے اوامر و نواھی، محرمات، مستحبات اور مکروہات و مباحات اور انسانی فطری تقاضوں میں نہ صرف تصادم نہیں ہے بلکہ ایک جامع نظام حیات کی تشکیل میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۴۔ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ: یہ قرآن ایسی ذات کا نازل کردہ ہے جو دو صفات کی مالک ہے: وہ عزیز ہے، ہر قوت پر غالب آنے والا ہے۔ اس میں کوئی ایسی کمزوری نہیں ہے جس سے کوئی اسے مغلوب کر سکے، اس کی سزا سے بچ سکے اور اس کے نافذ کردہ فیصلوں کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

وہ رحیم ہے۔ اس ذات کی مہربانی کا مظہر یہ قرآن ہے کہ انسانوں کی دنیا و آخرت کی سعادت کے لیے ایک مہربان رسول ﷺ مبعوث فرمایا اور سعادت دارین کی ضامن کتاب عنایت فرمائی۔

اہم نکات

۱۔ قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا بولتا ثبوت ہے۔
۲۔ یہ رسولؐ انسانی فطرت و سعادت کی طرف سیدھا راستہ دکھانے والا ہے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶

۶۔ تا کہ آپ ایک ایسی قوم کو تنبیہ کریں جس کے باپ دادا کو تنبیہ نہیں کی گئی تھی لہٰذا وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

تفسیر آیات

یہ قرآن اس لیے نازل کیا گیا تا کہ آپؐ اس قوم کی تنبیہ کریں جس کے باپ دادا کو تنبیہ نہیں کی گئی۔ رسول صلی اللہ ﷺ کے معاصر لوگوں کے قریبی آبا و اجداد کی تنبیہ نہیں ہوئی۔ یہ تنبیہ نہ ہونے کی وجہ نذیر کا نہ ہونا نہیں ہے بلکہ تحریفات اور خیانتوں کی وجہ سے انبیاء ل کی تنبیہ ان تک نہیں پہنچی۔ یہ اس فترہ اور وقفہ کے دوران کی بات ہے جس میں پانچ سو سال تک کوئی نبی معبوث نہیں ہوا۔

سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے سورۂ فاطر آیت ۲۴ میں فرمایا: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۔ اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ یہاں فرمایا: مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ ان کے باپ دادا کی تنبیہ نہیں کی گئی۔ ان دونوں آیات میں تصادم نہیں ہے؟

جواب یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ما ارسلنا الیھم نذیراً ہم نے ان کی طرف کسی تنبیہ کرنے والے کو نہیں بھیجا کہ اعتراض درست ہو جائے بلکہ فرمایا: مَّآ اُنْذِرَ ان کی تنبیہ نہیں کی گئی۔ تنبیہ نہ ہونا نذیر اور نبی نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی تعلیمات میں تحریف اور خود لوگوں کی طرف سے رکاوٹ ڈالنے کی وجہ سے تنبیہ نہیں ہوئی۔ ورنہ ان کی طرف حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، ھود، صالح اور شعیب ل مبعوث ہوئے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۷

۷۔ بتحقیق ان میں سے اکثر پر اللہ کا فیصلہ حتمی ہو چکا ہے پس اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

تفسیر آیات

ان میں سے اکثر پر اللہ کا فیصلہ حتمی ہو چکا ہے۔ اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

۱۔ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ: اللہ کا فیصلہ حتمی ہو گیا۔ قرآن مجید اس تعبیر حَقَّ الْقَوْلُ کو اپنے حتمی اور اٹل فیصلے کے لیے استعمال کرتا ہے:

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ [1]

لیکن میری طرف سے فیصلہ حتمی ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے ضرور بھر دوں گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ [2]

جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا فیصلہ قرار پا چکا ہے وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سامان ہدایت فراہم اور حجت پوری ہونے کے باوجود لوگ ایمان نہیں لائے اور علم خدا کے مطابق یہ آیندہ ایمان لانے والے بھی نہیں ہیں تو ان پر اللہ کا فیصلہ عذاب اٹل ہو جاتا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کا ایمان نہ لانا علم خدا میں اٹل ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧

۸۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے) ہیں اسی لیے ان کے سر اوپر کی طرف الٹے ہوئے ہیں۔

تشریح کلمات

مُّقْمَحُوْنَ: (ق م ح) فراء اور زجاج کے مطابق المقمح سر اٹھانے اور آنکھ بند کرنے کو کہتے ہیں۔ لسان العرب میں مادہ قمح میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے:

وفی حدیث علی کرم اللّٰہ وجھہ قال لہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ستقدم علی اللّٰہ تعالی انت و شیعتك راضیین مرضیین و یقدم علیك عدوك مقمحین ثم جمع یدہ الی عنقہ یریھم کیف الاقماع۔

حضرت علی کرم اللہ وجھہ کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: آپ اور آپ کے شیعہ اللہ کی بارگاہ میں، اللہ پر راضی اور اللہ ان سے راضی کی حالت میں پیش ہوں گے اور آپ کے دشمن آپ کے سامنے سر اوپر کی طرف الٹے ہوئے پیش ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ گردن کی طرف جمع کر کے دکھایا کہ اقماع کس طرح ہو گا۔

تفسیر آیات

جو لوگ ایمان نہیں لائیں گے ان کی ہٹ دھرمی اور نخوت و تکبر کو ہم ان کی گردن کا طوق بنائیں

---

[1] ۳۲ سجدہ: ۱۳　　[2] ۱۰ یونس: ۹۶

گے جس سے ان کے سر گردن کے اوپر کی طرف الٹے ہوئے ہوں گے۔ نہ صرف یہ کہ سامنے کا راستہ نہیں دیکھ پائیں گے بلکہ اپنے جسم تک کو بھی نہیں دیکھ سکیں گے کہ ان کے جسم کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹

۹۔ اور ہم نے ان کے آگے دیوار کھڑی کی ہے اور ان کے پیچھے بھی دیوار کھڑی کی ہے اور ہم نے انہیں ڈھانک دیا ہے لہٰذا وہ کچھ دیکھ نہیں پاتے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا: جب لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے ایمان نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ ان سے ہاتھ اٹھا لیتا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ جب ہدایت کا سرچشمہ ان سے ہاتھ اُٹھا لے تو کون ہے جو انہیں ہدایت دے:

فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ...۔[1] پس جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝[2] اور اللہ جسے گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے جنہیں اللہ نے ان کی حالت پر چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ گمراہی کی تاریکی میں اس طرح مبتلا ہیں جس طرح کوئی شخص ایک حصار میں بند ہو۔ نہ آگے کا راستہ دکھائی دیتا ہے، نہ منزل کی طرف واپس آنے کا راستہ نظر آتا ہے۔ نہ گزشتہ اقوام کے سبق آموز واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہیں، نہ آنے والے خطرات سے بچنے کا کوئی چارہ سوچتے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ انبیاء ل کا پیغام نہ پہنچنے کی وجہ سے لوگ غافل ہو جاتے ہیں: فَهُمْ غٰفِلُوْنَ۔

۲۔ اللہ کا فیصلہ اٹل ہونے کی نوبت آنے کے بعد ہدایت کے راستے بند ہو جاتے ہیں: لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ ...۔

۳۔ جس سے اللہ ہاتھ اٹھا لے اس کے لیے سارے راستے بند ہو جاتے ہیں۔

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

۱۰۔ اور ان کے لیے یکساں ہے کہ آپ انہیں تنبیہ کریں یا نہ کریں وہ (ہر حالت میں) ایمان نہیں لائیں گے۔

---

[1] ۳۰ روم: ۲۹ [2] ۱۳ رعد: ۳۳

تفسیر آیات

اس مضمون کی آیت کی تشریح سورہ بقرہ آیت ۶ کے ذیل میں ہوگئی ہے۔

اشاعرہ نے اس قسم کی آیات سے استدلال کیا ہے کہ تکلیف بالمحال جائز ہے۔ کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ ایمان نہیں لائیں گے تو پھر ان کا ایمان لانا ممکن نہیں ہے۔ اس کے باوجود انہیں ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ایک ناممکن چیز کا حکم دینا جائز ہے۔

جواب یہ ہے کہ اللہ کو علم ہے کہ وہ ایمان پر قادر ہوتے ہوئے ایمان نہیں لائیں گے۔ علم خدا کی وجہ سے وہ ایمان نہ لانے پر مجبور نہیں ہوتے۔ دوسرے لفظوں میں علم تابع ہے معلوم کا۔ معلوم مقدور ہے اور تابع اپنے متبوع کی علت نہیں ہوتا۔

اگر اشاعرہ کا یہ استدلال صحیح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے قدرت سلب ہو جاتی ہے چونکہ کائنات میں جو کچھ رونما ہونے والا ہے وہ سب اللہ کے علم میں ہے اور علم کی وجہ سے معلوم غیر مقدور ہو جاتا ہے تو تمام کائنات میں جو کچھ رونما ہونے والا ہے وہ سب اللہ کے لیے غیر مقدور ہو جائے گا۔ فتدبر۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ آپ تو صرف اسے تنبیہ کر سکتے ہیں جو اس ذکر کی اتباع کرے اور بن دیکھے رحمٰن کا خوف رکھے ایسے شخص کو مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دے دیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ: اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے لیے تنبیہ سود مند ہے۔ دو خصلتیں ایسی بیان فرمائی ہیں جن کی وجہ سے تنبیہ موثر ہو جایا کرتی ہے:

الف: مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ: جن میں قرآن کی پیروی کرنے کی صلاحیت موجود ہو یا تذکر و نصیحت پر کان دھرنے کی قابلیت ہو تو ایسے باضمیر لوگوں کو تنبیہ کی جائے تو وہ آپ کی تنبیہ و نصائح سے اثر لیں گے۔

ب: وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ: بن دیکھے رحمٰن کا خوف ہو تو وہ لوگ آپ کی تنبیہ سے اثر لیں۔ ان کا ضمیر بیدار ہو اور وہ اس ذات کا خوف کریں جو رحمٰن ہے۔ رحمت والی ذات سے خوف کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے ظلم سے نہیں بلکہ اس کے عدل سے خوف ہو گا۔

یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی فطرت ابھی بیدار ہے اور وجدان پر پردہ نہیں ہے۔ اس بیداری ضمیر و فطرت

کی وجہ سے وحی کی آواز ان کے وجدان سے ٹکراتی ہے تو دل میں خوف آتا ہے چونکہ فطرت اس آواز کو پہچان لیتی ہے۔

۲۔ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ: ایسے باوجدان، بیدار فطرت لوگوں کو مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دیں۔ کریم سے مراد وہ شیء ہے جو قابل ستائش ہو۔ الکریم اسم جامع لکل مایحمد۔ جس میں کسی نامطلوب چیز کا شائبہ نہ ہو وہ اجر کریم ہے۔

اہم نکات

۱۔ جن کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے وہ حق کی آواز نہیں سن سکتے۔ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ ....

۲۔ اتباع اور خوف، ارادہ وشعور کی علامت ہیں جو زندہ ضمیروں کے پاس ہوا کرتا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۲

۱۲۔ ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے ہیں اور جو آثار پیچھے چھوڑ جاتے ہیں سب کو ہم لکھتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے ایک امام مبین میں جمع کر دیا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى: مشرکین کا عقیدہ تھا:

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝[1]

بس یہی دنیاوی زندگی ہے جس میں ہمیں مرنا اور جینا ہے اور ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔

مشرکین اور اہل توحید کے درمیان بنیادی اختلاف حیات بعد الموت پر ہے۔ اسی لیے اسی سورہ میں معاد پر مختلف دلائل دیے ہیں۔

۲۔ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ: اور ہم لکھتے ہیں ان سب اعمال کو خواہ وہ اچھے ہوں یا برے جو وہ آگے بھیج چکے ہیں اور جو آثار پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

نَكْتُبُ: ہم لکھتے ہیں کا مطلب اعمال کا ثبت ہونا ہے کہ عمل (انرجی) ایک مرتبہ وجود میں آنے کے بعد مٹتا نہیں ہے۔

مَا قَدَّمُوْا: وہ اعمال جو اس نے اپنی زندگی میں انجام دیے ہیں:

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ....[2]

اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (روز قیامت) کے لیے کیا بھیجا ہے....

---

[1] ۲۳ مومنون: ۳۷ [2] ۵۹ حشر: ۱۸

وَاٰثَارَهُمْ: اور جو آثار پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنے دفتر قدرت میں ثبت کرتا ہے۔ وہ اعمال بعینہ محفوظ کیے جاتے ہیں۔ اس سے مراد وہ صدقات جاریہ ہیں جو انسان کے مرنے کے بعد جاری رہتے ہیں۔ جیسے حدیث میں آیا ہے:

من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اجورهم شيئا و من سن سنة سيئة كان عليه ورزها و وزر من عمل بها من بعده لا ينقص من اوزارهم شيئا۔ ثم تلا هذه الاية۔[1]

جو کسی اچھی روایت کو رواج دے تو اس کے لیے اسے رواج دینے کا ثواب ہے اور جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا اس سب کا ثواب ملے گا اس پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کسی قسم کی کمی کے بغیر اور کسی بری روایت کو رواج دے گا تو اسے رواج دینے کا وبال بھی اس کے سر پر ہو گا اور جو اس کے بعد اس بری روایت پر عمل کرے گا ان سب کا وبال بھی اس پر ہو گا بغیر اس کے کہ اس کے وبال میں کسی قسم کی کمی کی جائے۔

دوسری حدیث ہے:

اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث، علم ينتفع به، او ولد صالح يدعو له، او صدقة جارية من بعده۔[2]

ابن آدم جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے (اس کی فائل بند ہو جاتی ہے) سوائے تین چیزوں کے: علم چھوڑ جائے جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ نیک اولاد چھوڑ جائے جو اس کے لیے دعا کرتی رہے یا ایسا صدقہ چھوڑ جائے جو اس کے مرنے کے بعد جاری رہے۔

۳۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ: ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں جمع کیا ہے۔ بعض کے نزدیک آیت کا موضوع حیات بعد الموت اور انسان کا عمل ہے۔ اس اعتبار سے سیاق آیت یہ بنتا ہے کہ امام مبین، نامہ اعمال کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے فرمایا:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ○○[3]

اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے سب نامہ اعمال میں درج ہے اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا:

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَ

ہائے ہماری رسوائی! یہ کیسا نامۂ اعمال ہے؟ اس نے کسی چھوٹی اور بڑی بات کو نہیں چھوڑا (بلکہ) سب کو درج کر لیا ہے اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ ان

---

[1] صحیح مسلم۔ وسائل الشیعة باب اقامة السنن۔ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔
[2] صحیح مسلم۔ مستدرك الوسائل باب اقامة السنن
[3] ۵۴ قمر: ۵۲۔۵۳

وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ...[1] سب کو حاضر پائیں گے۔

نامۂ اعمال کو امام اس لیے کہا ہے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کی پیروی کرنی پڑے گی۔ خواہ جنت جانے کا فیصلہ ہے یا جہنم جانے کا۔

دوسرے بعض مفسرین کے نزدیک امام مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔ لوح محفوظ کو کتاب مبین بھی کہتے ہیں:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○[2] — کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○[3] — اور زمین اور آسمان کی ذرہ برابر اور اس سے چھوٹی یا بڑی کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے رب سے پوشیدہ ہو اور روشن کتاب میں درج نہ ہو۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ ○[4] — اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور وہ جانتا ہے کہ اس کی جائے قرار کہاں ہے اور عارضی جگہ کہاں ہے، سب کچھ روشن کتاب میں موجود ہے۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○[5] — اور آسمان اور زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ بات نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو۔

اس موقف کے مطابق جس چیز میں سب چیزوں کو جمع کیا گیا ہے وہ لوح محفوظ ہے۔ لوح محفوظ کو امام اس لیے کہا ہے کہ مقدرات عالم اس کے تابع ہیں۔

شیخ طوسیؒ نے البیان، طبرسی نے مجمع البیان، کاشانی نے زبدۃ التفاسیر، علامہ طباطبائی نے المیزان میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔

فضائل: بعض مصادر میں متعدد روایات موجود ہیں کہ امام مبین حضرت علی علیہ السلام کی ذات والا صفات ہے۔

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ ان سے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

انا واللّٰه الامام المبين ابين الحق من الباطل ورثته من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وآله وسلم۔[4] — قسم بخدا! میں امام مبین ہوں۔ حق کو باطل سے جدا کر کے بیان کرنے والا میں ہوں، جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثت میں لیا ہے۔

---

[1] ۱۸ کہف: ۴۹ [2] ۶ انعام: ۵۹ [3] ۱۰ یونس۔ ۶۱
[4] ۱۱ ھود: ۶ [5] ۲۷ نمل: ۷۵
[4] سلیمان قندوزی حنفی ینابیع المودۃ طبع استنبول۔ بحار الانوار ۳۵: ۴۲۷۔ تفسیر قمی ذیل آیت

دوسری روایت معانی الاخبار میں ہے۔ابو جارود نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے، آپؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے، انہوں نے اپنے جد بزرگوار سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے:

انه قال فی علی انه الامام الذی احصی اللّٰه تبارك و تعالیٰ فیه علم کل شیء۔[1]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: یہ وہ امام ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز کا علم جمع کیا ہے۔

علامہ طباطبائی ان دونوں روایات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:

یہ دونوں احادیث اگر صحیح ہوں تو یہ آیت کی تفسیر نہیں ہیں بلکہ ان کا مضمون بطن قرآن و اشارات قرآن سے ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے کہ ایک عبد خدا نے اگر وحدانیت کا اقرار کیا ہو اور وہ اللہ کی بندگی میں اخلاص کی منزل پر فائز ہوا ہو، اسے اللہ کتاب مبین کا علم عنایت کرے جب کہ وہ نبی کے بعد سید الموحدین ہو۔

بعض دیگر شیعہ مفسرین اسے تفسیر نہیں، تطبیق کہتے ہیں۔

آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

بعض شیعہ غالیوں کی یہ بات مجھے بتائی گئی کہ ان کے ہاں امام مبین سے مراد علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ ہیں اور ہر شے کا علم ان میں جمع کر دینا شاعر کے اس قول کے مطابق لیتے ہیں۔

لیس علی اللّٰه بمستنکر
ان یجمیع العالم فی واحد

اللہ کے لیے یہ بات کوئی انوکھی نہیں ہے کہ عالم کو ایک ہی ذات میں جمع کر دے۔

ان میں سے بعض تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہ کو لوح محفوظ کی طرح معلومات کا خزانہ بنایا ہے۔ اس بات میں کتاب جلیل کے بارے میں جو جہالت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ سے عفو اور عافیت کا طالب ہوں اور ممکن ہے ان کی مراد وہی ہو جو اہل تصوف مراد لیتے ہیں کہ وہ اپنی اصطلاح میں انسان کامل کو کتاب مبین کہتے ہیں۔ اس سے جہالت کا معاملہ کچھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ امام علی کرم اللہ وجہ کے کمال کا تو صرف ناقص العقل اور بے دین ہی انکار کر سکتا ہے۔

آلوسی صاحب خود بھی جانتے ہیں ناقص العقل، بے دین لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ شیعہ اس مسئلے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ یہ آپ کو معلوم ہو گیا اور جو لوگ تفسیر اور تطبیق میں فرق جانتے

---

[1] المیزان ذیل آیہ

ہیں ان کے لیے جواب ہو گیا۔

کسی شیعہ روایت میں نہیں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو لوح محفوظ کی طرح بنایا گیا ہے۔ لوح محفوظ خزانۂ علم الٰہی کی ایک تعبیر ہے جس کا کسی کے ساتھ مقابلہ قابل تصور نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام ہر اس علم کا خزانہ ہیں جس کی بشر کو احتیاج ہے۔ چنانچہ سب کا علی علیہ السلام کی طرف رجوع کرنا اور علی علیہ السلام کا کسی کی طرف رجوع نہ کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ علی علیہ السلام وارث علم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اگر کوئی صوفی یہ دعویٰ کرے کہ اسے علم علی علیہ السلام کے سمندر میں سے ایک قطرہ حاصل ہے اور وہ انسان کامل کہلائے اور امام مبین کا اطلاق اس پر درست بھی ہے تو آپ کی نظر میں جہالت کا معاملہ ہلکا ہو جاتا ہے۔ ہماری نظر میں اس سے جہالت کا معاملہ سنگین ہو جاتا ہے کہ قطرے کو امام مبین کہنا جہالت نہ ہو اور سمندر کو امام مبین کہنا جہالت ہو۔ مَالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ. دیکھیے مشہور صوفی مفسر العلامة اسماعیل حقی برسوی اپنی تفسیر روح البیان میں اس جگہ کیا لکھتے ہیں:

واعلم ان قلب الانسان الكامل امام مبين ولوح الهى فيه انوار الملكوت منتقشة و اسرار الجبروت منطبعة۔	جان لے: انسانِ کامل کا قلب امام مبین اور لوح الٰہی ہے جس میں ملکوتی روشنیاں منقش ہوتی ہیں اور جبروتی اسرار ثبت ہوتے ہیں۔

اس عبارت سے پہلے وہ التاویلات النجمیة ہی کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں:

(وكل شىء) مما يتقربون الينا اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ اى اثبتنا آثاره وانواره فى لوح محفوظ قلوب احبابنا.	امام مبین میں جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال صالحہ کے آثار اور انوار کو ہمارے احباب کے دلوں کے لوح محفوظ میں ہم نے جمع کیا ہے۔

اس قسم کی عبارت پڑھنے کے بعد جہالت کا معاملہ جس قدر آپ کے لیے ہلکا ہو جاتا ہے اسی قدر ہمارے لیے سنگین تر ہو جاتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ انسان کے تمام اعمال خود اور اس پر مترتب ہونے والے آثار سب اللہ کے ہاں ثبت ہیں: وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ....

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ	۱۳۔ اور ان کے لیے بستی والوں کو مثال کے طور پر پیش کرو جب ان کے پاس پیغمبر آئے۔ ۱۴۔ جب ہم نے ان کی طرف دو پیغمبر بھیجے تو انہوں

فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

نے دونوں کی تکذیب کی پھر ہم نے تیسرے سے (انہیں) تقویت بخشی تو انہوں نے کہا: ہم تو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ: آپ مکہ والوں کو بستی والوں کا قصہ مثال کے طور پر سنا دیں۔ انبیاء ل کی تکذیب کرنے والوں کی تاریخ میں اہل مکہ کے تکذیبی عناصر کے لیے بہتر مثال موجود ہے۔ اہل مکہ کی ہٹ دھرمی تعصب اور حق کے منکر ہونے کے بارے میں یہ لوگ اسی روش پر چل رہے ہیں جس پر اس بستی کے رہنے والے چل رہے تھے اور ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو اس بستی والوں کا ہوا ہے۔

اکثر مفسرین نے اس روایت کو اپنی تفاسیر میں ایک مسلمہ واقعہ کی طرح جگہ دی کہ اس بستی سے مراد شام کا شہر انطاکیہ ہے اور جن رسولوں کا بھی ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے مبلغین تھے لیکن بعض مفسرین اس روایت کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے۔ اس روایت اور سیاق اور تاریخی حقائق میں اختلاف نظر آتا ہے اور قرآن نے اس بستی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

سیاق آیت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان رسولوں کو اللہ نے مبعوث فرمایا تھا اور ان کا انکاری لہجہ بھی وہی ہے جو اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کے خلاف استعمال ہوا کرتا ہے۔ اہل مکہ کو اس بستی کی مثال پیش کرنے کا حکم اس لیے ہوا ہے کہ تکذیب و تعذیب میں اسی بستی والوں کی طرح تھے اور انجام بد بھی اس بستی جیسا ہوگا۔

۲۔ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ: ان کی طرف دو رسولوں کو بہ یک وقت بھیجا گیا تھا جیسے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن اہل قریہ نے ان دونوں کی تکذیب کی۔

۳۔ فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ: اللہ نے تیسرا رسول اس لیے مبعوث فرمایا کہ سابقہ دونوں رسولوں کی تقویت ہو جائے۔

۴۔ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ: اب تینوں رسولوں نے مل کر کہا: ہم سب کو اللہ نے تمہاری طرف مبعوث فرمایا ہے۔

اہم نکات

۱۔ انسانی تاریخ میں عبرت آموز اسباق ہوتے ہیں: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ....

۲۔ صرف ہدایت ایسی چیز ہے جسے فراہم کرنے والے محتاج کے پاس جاتے ہیں: اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ....

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ (بستی والوں نے) کہا: تم تو صرف ہم جیسے بشر ہو اور خدائے رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، تم تو محض جھوٹ بولتے ہو۔

تفسیر آیات

بستی والوں کا موقف وہی تھا جو اللہ کی طرف سے آنے والے رسولوں کے بارے میں کافروں کا ہوتا ہے۔ وہ انسان کو اللہ کا رسول نہیں مانتے تھے۔ اگر یہ مبلغین ہوتے تو یہ اعتراض نہ آتا۔ مکہ والے بھی یہی کہتے تھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ انسان ہیں لہٰذا وہ رسول نہیں بن سکتے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ...[1]

اور وہ کہتے ہیں: یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟

دیگر تکذیب کرنے والی قوموں نے بھی یہی کہا ہے:

اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ...[2]

کیا ہم اپنوں میں سے ایک بشر کی پیروی کریں؟

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ رسولوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف ہی بھیجے گئے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور ہم پر تو فقط واضح طور پر پیغام پہنچانا (فرض) ہے اور بس۔

تفسیر آیات

۱۔ ان کی تکذیب کے جواب میں علم خدا کا حوالہ دیا کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم اسی کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ اگر ہم اپنے رب کی طرف سے نہ آئے ہوتے تو یہ معجزات ہم خود اپنی طرف سے نہیں دکھا سکتے تھے۔

۲۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ: انبیاء ل کے ذمے پیغام الٰہی کو غیر مبہم اور واضح انداز میں پہنچانا ہے قبولوانا ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔ نہ ہی اتمام حجت سے آگے طاقت کا استعمال ایمان کی منطق کے ساتھ سازگار ہے چونکہ ایمان کا تعلق دل سے ہے اور دل صرف منطق اور دلیل کی بات سمجھتا ہے۔ طاقت کی زبان

---

[1] ۲۵ فرقان: ۷ [2] ۵۴ قمر: ۲۴

نہیں سمجھتا۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ بستی والوں نے کہا: ہم تمہیں اپنے لیے برا شگون سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ دین الٰہی سے دور رہنے والے حقائق سے بھی دور اور اوہام کی وادی میں سرگرداں رہتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی کسی رسول نے لوگوں کو اللہ کی طرف اور ان کے مصنوعی معبودوں کو ترک کرنے کی دعوت دی تو وہ اپنے اوہام کی دنیا کے مطابق اس وہم میں مبتلا ہوئے تھے کہ تمہاری وجہ سے ہمارے معبود ناراض ہو گئے اور آفت ہم پر اسی وجہ سے آ رہی ہے۔

واضح رہے اسلامی تعلیمات میں بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ صرف توہم پرستی ہے۔

حدیث رسولؐ ہے:

لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا شُؤْمَ...[1]　　سرایت کرنے، بدشگونی اور شومی کی حقیقت نہیں ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

كَفَّارَةُ الطِّيَرَةِ التَّوَكُّلُ۔[2]　　بدشگونی کا کفارہ توکل ہے

۲۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ: اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ منکر کے پاس جب منطق نہیں ہوتی تو طاقت استعمال کرنے پر اتر آتا ہے۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ رسولوں نے کہا: تمہاری بدشگونی خود تمہارے ساتھ ہے، کیا یہ (بدشگونی) اس لیے ہے کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

---

[1] الکافی ۸: ۱۹۶ حدیث ۳۰۴　　[2] الکافی ۸: ۱۹۸ حدیث ۳۳۶

تفسیر آیات

۱۔ کوئی کسی کے لیے بدشگون نہیں ہوتا ہر شخص کی بدشگونی اس کا اپنا عمل ہوتا ہے۔ اس وقت تمہاری بدشگونی خود تمہارے اپنے اعمال کی روشنی میں تمہارے ساتھ ہے۔ اللہ کے رسولوں کی تکذیب ہی بدشگونی ہے جس کا عنقریب تمہیں علم ہوگا۔

۲۔ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ: کیا اس میں بدشگونی ہے کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ تمہیں برے انجام سے نجات دلانے کی بات کی جاتی ہے تو الٹا اسے بدشگونی کہتے ہو۔

۳۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ: بلکہ تمہاری بدشگونی یہ ہے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو اور اس تجاوز کی وجہ سے تم پر وہ آفت آنے والی ہے جو تمہارے وہم و گمان میں نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ بدشگونی کا توہم، جاہلانہ سوچ ہے۔

۲۔ حقائق سے دور ہونے والے توہمات میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ نصیحت کو بدشگونی سمجھتے ہیں۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۰

۲۰۔ شہر کے دور ترین گوشے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، بولا: اے میری قوم! ان رسولوں کی پیروی کرو۔

تفسیر آیات

۱۔ شہر کے دور ترین گوشے کا ذکر اور یہ فرمانا کہ وہ دوڑتا ہوا آیا اس بات کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ یہ شخص ایمان و اخلاص کے کس درجے پر فائز تھا۔ یہی درجہ مؤمن آل فرعون کا بھی تھا۔ وہ بھی شہر کے دور ترین گوشے سے موسیٰ علیہ السلام کو بچانے کے لیے دوڑتا ہوا آیا: وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ....[1]۔

یہ مومن دوڑتے ہوئے اس لیے آیا ہوگا کہ لوگ ان مرسلین کو قتل کرنے والے تھے۔ اس مومن کے بارے میں زیادہ اختلاف ہے کہ ان کا نام کیا تھا۔ ان کے والد کا نام کیا تھا، ان کا پیشہ کیا تھا۔ روایات مضطرب ہونے کی وجہ سے ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے۔

فضائل: حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

سباق الامم ثلاثة لم يكفروا بالله طرفة — امتوں میں سبقت لے جانے والے تین ہیں جنہوں

[1] ۲۸ قصص: ۲۰

عین۔علی بن ابی طالب و صاحب آل یٰسٓ و مؤمن آل فرعون، فهم الصديقون و علی افضلهم۔

نے ایک لمحے کے لیے بھی کفر اختیار نہیں کیا: علی ابن ابی طالب، صاحب آل یاسین اور مؤمن آل فرعون۔ یہی صدیقین ہیں اور علی ان میں افضل ہیں۔

اس حدیث کو مختلف لفظوں میں ابن عباس اور ابو لیلی نے روایت کیا ہے۔ ابن عباس سے ایک روایت عمرو بن جمع کی وجہ سے ضعیف ہے جسے ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ دیگر طرق سے عقیلی، طبرانی اور ابن مردویہ نے مجاهد سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو الکشاف ۴: ۱۰، تفسیر قرطبی ۱۶: ۲۰، روح المعانی ذیل آیت، الدرالمنثور ۵: ۲۱۲، کنز العمال ۱۱: ۱۰۱

دوسری حدیث ابوداؤد، ابو نعیم، ابن عساکر اور دیلمی نے ابو لیلی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

الصديقون ثلاثة، حبيب النجار مؤمن آل ياسين الذی قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ و حزقيل مومن آل فرعون الذی قال اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ و علی بن ابی طالب وهو افضلهم۔[1]

صدیقین تین ہیں: حبیب النجار مومن آل یاسین جس نے کہا تھا: ''اے میری قوم ان مرسلین کی پیروی کرو۔'' حزقیل مومن آل فرعون جس نے کہا تھا: ''کیا تم اس شخص کو قتل کرو گے اس کہنے پر کہ اللہ میرا رب ہے۔'' اور علی بن ابی طالب جو ان سب میں افضل ہیں۔

ان ہستیوں کو فضیلت اس لیے ملی کہ انہوں نے راسخ ایمان کے ساتھ اپنے وقت کے رسول کو بچانے کے لیے اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور علی علیہ السلام ان میں افضل ہیں کہ علی علیہ السلام نے اپنے وقت کے خاتم الرسل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کئی بار اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔

شب ہجرت اپنی جان نثاری کا ذکر خود بیان فرماتے ہیں:

وقيت بنفسی خير من وطی الحصی
و من طاف بالبيت العتيق و بالحجر

میں نے اپنی جان دے کر اس ہستی کو بچایا جو روئے زمین پر چلنے والوں اور قدیم گھر اور حجر کا طواف کرنے والوں میں سب سے افضل ہے۔

اہم نکات

۱۔ مؤمن پوری قوم میں تنہا ہونے کے باوجود حق کی آواز بلند کرتا ہے: رَجُلٌ ....

---

[1] الدرالمنثور ۵: ۲۱۲

۲۔ مجاہد حمایت حق کے لیے سرعت کے ساتھ آگے آتا ہے: یَّسْعٰی ....

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔

تفسیر آیات

اس مجاہد مؤمن نے اپنے رسول کی حمایت اور ان کی پیروی کرنا لازم ہونے پر دو باتوں سے استدلال کیا ہے:

i۔ ایسے داعیان حق کی پیروی لازم ہے جن کی دعوت میں اپنے کوئی مادی مفادات نہیں ہیں۔ وہ جو باتیں کرتے ہیں ان میں اگر اپنا کوئی مفاد ہو تو خود غرضی کا امکان ہوتا ہے۔

ii۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ داعی خود ہدایت پر ہو اور خود ہدایت پر ہونے کی دلیل بھی ساتھ ہو۔

اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى ....[1]

جو حق کی راہ دکھاتا ہے وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود اپنی راہ نہیں پاتا جب تک اس کی رہنمائی نہ کی جائے ؟

وَمَا لِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور میں کیوں نہ اس ذات کی بندگی کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے۔

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾

۲۳۔کیا میں اس ذات کے علاوہ کسی کو معبود بناؤں؟ جب کہ اگر خدائے رحمٰن مجھے ضرر پہنچانے کا ارادہ کر لے تو ان کی شفاعت مجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہیں۔

اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾

۲۴۔تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا ہوں لہٰذا میری بات سن لو۔

---

[1] ۱۰ یونس: ۳۵

تفسیر آیات

۱۔ وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ: اس آیت میں مومن آل یاسین اپنا ایمانی موقف اور منطق عقلی دلیل کی بنیاد پر بیان کرتا ہے۔

الف: عبادت صرف اس ذات کی ہونی چاہیے جس نے پیدا کیا ہے۔ مشرکین اللہ کو خالق تسلیم کرتے تھے تو ان کے مسلمات سے استدلال ہوا ہے کہ جس ذات کو خود تم خالق تسلیم کرتے ہو، عبادت اور بندگی اسی کی ہونی چاہیے۔

ب: نیز عبادت اس ذات کی ہونی چاہیے جس کی طرف تمہاری بازگشت ہے۔ اس کے حضور تم نے حساب دینا ہے اور اپنی دائمی قسمت کا فیصلہ اسی سے سننا ہے

ج: ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً: کیا میں ایسی بے حس جامد چیزوں کو اپنا معبود بناؤں کہ اگر میرا معبود حقیقی مجھ سے ناراض ہو جائے اور مجھے میرے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں ڈالنا چاہے تو یہ معبود نہ اللہ کی بارگاہ میں میری سفارش کر سکتے ہیں نہ عذاب سے چھڑا سکتے ہیں۔ مشرکین کے اس عقیدے کی رد ہے کہ ان کے معبود اللہ کے ہاں شفاعت کریں گے۔

۲۔ اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ: اگر رحمٰن مجھے ضرر پہنچانے کا ارادہ کر لے۔ رحمٰن سے ضرر کا تصور کیسے؟ اگر وہ رحمٰن رحم سے لبریز ذات ہے تو اس سے ضرر کیسا؟ جواب یہ ہے خدائے رحمٰن کی طرف سے عدل و انصاف ہوگا ظلم اور ضرر نہ ہوگا لیکن انسان سے اگر گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس صورت میں عدل الٰہی کے تحت انسان کو خود اپنی بداعمالی کی وجہ سے ضرر پہنچے گا۔

۳۔ اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ: اگر میں اس عادل کی عدالت میں اس حالت میں پہنچ جاؤں کہ نہ میری شفاعت کرنے والا کوئی ہوگا، نہ مجھے عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی ہوگا تو میں کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ لہٰذا خدائے واحد کی عبادت کرتا ہوں تا کہ رحمٰن کی رحمت میرے شامل حال ہو۔

۴۔ اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ: خطاب مشرکین سے ہے۔ جیسے اتَّبِعُوْا اور تُرْجَعُوْنَ کا خطاب مشرکین سے ہے۔ یعنی میں تمہارے خالق اور تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں لہٰذا میری بات سن لو۔ ان مرسلین کی پیروی کرو، ان پر ایمان لے آؤ۔ جو مفسرین اس جملے کا مخاطب مرسلین کو قرار دیتے ہیں وہ قطعاً سیاق و مضمون آیت کے خلاف ہے کہ ایک امتی اپنے رسولوں سے فَاسْمَعُوْنِ " میری بات سنو" کہے۔ قرآن مشرکین کے لیے ربکم کے خطاب سے پر ہے:

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ ...[1]

تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آ چکی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔

---

[1] ۷ اعراف: ۷۳

اہم نکات

۱۔ دعوت کا ایک اسلوب اپنا عقیدہ دلیل کیساتھ بیان کرنا ہے: وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ...۔

۲۔ خالق ہونے کی وجہ سے لائق عبادت سمجھ کر، اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ اور خوف عدالت کی وجہ سے عبادت درست ہے۔

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾
بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾

۲۶۔ اس سے کہدیا گیا: جنت میں داخل ہو جاؤ، اس نے کہا: کاش! میری قوم کو اس بات کا علم ہو جاتا۔
۲۷۔ کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں شامل کیا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ : سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اس مومن کو شہید کر دیا اور شہید ہوتے ہی فرشتوں نے اسے جنت میں داخل ہونے کا حکم دے دیا۔ بظاہر یہ عالم برزخ کی جنت ہے، جیسے شہداء کے لیے برزخی حیات و رزق ہے:

بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝[1] بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔

جیسے سورہ نحل میں فرمایا کہ قبض روح کے وقت جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے:

الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝[2] جن کی روحیں فرشتے پاکیزہ حالت میں قبض کرتے ہیں (اور انہیں) کہتے ہیں: تم پر سلام ہو! اپنے (نیک) اعمال کی جزا میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔

۲۔ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ: وہ اپنی شہادت کے بعد جب داخل جنت ہوتے ہیں اور جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر فوراً اپنی منکر قوم کے انجام بد کا خیال آتا ہے اور آرزو کرتے ہیں کہ کاش میری قوم کو علم ہوتا کہ حیات اخروی کی سعادت ان مرسلین کی باتوں پر ایمان لانے میں ہے۔

۳۔ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ: شہادت کی وجہ سے گزشتہ تمام گناہوں کی مغفرت ہو گئی۔

۴۔ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ: کاش میری قوم کو اس بات کا بھی علم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے

---

[1] ۳ آل عمران: ۱۶۹ [2] ۱۶ نحل: ۳۲

عزت و اکرام والوں میں شامل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مکرمین کا لفظ اپنے مقرب فرشتوں کے لیے استعمال فرمایا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ ۱　　اور وہ کہتے ہیں: اللہ نے بیٹا بنایا ہے، وہ پاک ہے (ایسی باتوں سے) بلکہ یہ تو اللہ کے محترم بندے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ شہادت اور جنت کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے: قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ....

۲۔ مومن موت کے بعد زندوں کی فکر میں ہوتا ہے: يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝۲۸　　۲۸۔اور اس کے بعد اس کی قوم پر ہم نے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم کوئی لشکر اتارنے والے تھے۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝۲۹　　۲۹۔وہ تو محض ایک ہی چیخ تھی پس وہ یکا یک بجھ کر رہ گئے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ: اس مؤمن کے قتل کے بعد اس کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے ہم نے آسمان سے لشکر نہیں اتارا اور ہم اس طرح کسی قوم کی ہلاکت کے لیے ایسا نہیں کرتے بلکہ دوسری جگہ فرمایا:

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا.... ۲　　ان میں سے کچھ پر تو ہم نے پتھر برسائے اور کچھ کو چنگھاڑ نے گرفت میں لیا اور کچھ کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو ہم نے غرق کر دیا۔

بنابر قول بعض مفسرین یہ صرف خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنے والوں کی تباہی کے لیے آسمان سے فرشتوں کا لشکر نازل ہوا:

بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ ۳　　پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

۲۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً: بلکہ اس قوم کی تباہی کے لیے صرف ایک چنگھاڑ تھی جس سے وہ بجھ کر رہ

---

۱ انبیاء: ۲۶　　۲ عنکبوت: ۴۰　　۳ آل عمران: ۱۲۵

گئے۔ زمین پھٹنے کی آواز ہو یا آسمان سے بجلی گرنے کی آواز۔ ایک آواز نے ان کی زندگی کی شمع بجھا دی۔
اگر یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد کا ہوتا تو یہ عظیم واقعہ تاریخ میں ثبت ہوتا۔

اہم نکات

۱۔ ایک مومن کے قتل کے جرم میں پوری قوم کو تباہ کر دی گئی۔

قد افلح

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ ہائے افسوس! ان بندوں پر جن کے پاس جو بھی رسول آیا اس کے ساتھ انہوں نے تمسخر کیا۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا؟ اب وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

ع ۲ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور ان سب کو ہمارے روبرو حاضر کیا جائے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ: اے حسرت و ندامت! اگر تجھے حسرت و ندامت کرنا ہے تو اس کے لیے سزاوار ترین قوم وہ لوگ ہیں جن کی ہدایت و سعادت کے لیے اللہ کی طرف سے رسول آتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ اس عظیم رحمت الٰہی کو ٹھکرا دیتے ہیں بلکہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان رسولوں سے اپنی ابدی زندگی کو سعادت مند بنانے کی جگہ ان کا تمسخر اڑا کر اپنے لیے ہمیشہ کی تباہی اختیار کرتے ہیں۔

۲۔ اَلَمْ يَرَوْا: کیا ان تمسخر کرنے والوں نے نہیں دیکھا۔ یعنی علمی بصیرت سے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کتنے تمسخری عناصر کو ہم نے ایسے ہی جرائم کی پاداش میں تباہ کر دیا۔ ان تمسخری عناصر میں اہل مکہ شامل ہیں۔ اسی شمولیت کی بنا پر کلام کا رخ ان کی طرف ہے کہ ان کی ہلاکت تاریخ کا حصہ بننے والی ہے۔

۳۔ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ: اَنَّهُمْ یعنی اقوام اِلَيْهِمْ اہل مکہ کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی۔ کیا اہل مکہ کو علم نہیں ہے کہ تمسخری عناصر اپنی نابودی کے بعد پھر دوبارہ آباد ہونے والے نہیں ہیں؟

۴۔ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ: یہ ہلاک شدہ قومیں اہل مکہ کی طرف لوٹ کر واپس نہیں آئیں گی بلکہ وہ اللہ کی عدالت میں اپنے جرائم کے محاسبہ کے لیے حاضر کی جائیں گی جہاں انہیں

اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

اہم نکات

۱۔ داعیان حق ہمیشہ زبان کے زخموں کی زد میں رہے ہیں: اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔
۲۔ حسرت و ندامت ان لوگوں کے لیے ہے جو راہنماؤں کا تمسخر اڑاتے ہیں۔
۳۔ اللہ کے قہر و غضب میں ہلاک ہونے والے کبھی واپس نہیں آ سکتے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور مردہ زمین ان کے لیے ایک نشانی ہے جسے ہم نے زندہ کیا اور اس سے غلہ نکالا جس سے یہ کھاتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ: ان منکرین معاد کے لیے وجود معاد کی ایک نشانی، نظیر اور مثال یہ ہے کہ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا مردہ زمین کو ہم زندہ کرتے ہیں اور حیات بعد از موت کا نظارہ وہ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ....[1]

اور جب ہم اس پر پانی برسائیں تو وہ یکا یک جنبش میں آتی ہے اور پھلنے پھولنے لگتی ہے، تو جس نے زمین کو زندہ کیا وہی یقیناً مردوں کو زندہ کرنے والا ہے

اس موضوع پر گزشتہ متعدد آیات میں تفصیل سے گفتگو ہوگئی ہے۔

۲۔ وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ: آیت کے اس جملے میں دو نکات پوشیدہ ہیں: ایک یہ کہ ہم نے مردہ زمین سے دانہ نکالا۔ اس دانے سے تم اپنی زندگی کا تسلسل باقی رکھ رہے ہو۔ اس زمین کی حیات سے تم اپنی حیات کی بقا کا سامان فراہم کر رہے ہو۔ پھر کہتے ہو اللہ موت کے بعد زندگی کیسے دے گا؟ اللہ اس دانے سے تمہارے مردہ خلیوں کو ہر آن زندہ کرتا ہے پھر کہتے ہو اللہ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ تمہاری حیات کی تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے اور تمہیں روزی فراہم کرنے والا اللہ ہے۔ چنانچہ ہم نے قرآن کے ساتھ کئی بار اس بات کا ذکر کیا ہے کہ رزق تخلیق مسلسل کا نام ہے۔ اس آیت میں یہی فرمایا کہ ہم نے زمین سے دانہ نکالا جس سے تم کھاتے ہو۔ زمین سے دانہ نکالنا تخلیق اور ترزیق ہے۔ لہٰذا خالقیت اور رازقیت قابل تفریق نہیں ہے۔

---

[1] ۴۱ حم سجدہ: ۳۹

وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۙ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے اور ہم نے اس (زمین) میں کچھ چشمے جاری کیے۔

لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ تاکہ وہ اس کے پھلوں سے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائیں، تو کیا یہ شکر نہیں کرتے؟

تفسیر آیات

۱۔ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ: اس زمین سے زندگی کو تسلسل دینے کا ذکر ہے۔ ان میں اہم ترین حیات بخش غذا کھجور ہے جو غذائیت سے بھرپور ہونے کے ساتھ سب سے زیادہ سرعت کے ساتھ خون میں جذب ہونے والی غذا ہے۔ دوسرے نمبر پر انگور ہے۔ اس کی افادیت تو اس مضمون کے ماہرین بہتر بتا سکتے ہیں۔

۲۔ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ: چشموں سے نکلنے والے پانی سے بھی حیات کو دوام ملتا ہے۔ خود پانی کا حیات بخش ہونا کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۳۔ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ: تاکہ اس کا پھل کھائیں۔ وہ پھل جو اللہ نے بنایا۔ ثَمَرِهٖ کی ضمیر بعض کے نزدیک مجعول کی طرف جاتی ہے جسے جعلنا سے سمجھا گیا ہے۔ یعنی لیاکلوا من ثمر المجعول، بعض دیگر کے نزدیک من ثمر المذکور، بعض کے نزدیک من ثمر النخل ہے۔

۴۔ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ: اور وہ چیز بھی کھائیں جو ان کے ہاتھوں کی محنت اور کمائی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ "ما" نافیہ ہے۔ وہ چیز کھائیں جو ان کے ہاتھوں کی پیداوار نہیں ہیں۔ اللہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ شاید اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ۔ کیا وہ شکر نہیں کرتے۔ اس دوسری تفسیر کے لیے قرینہ بن جائے چونکہ انسان کے ہاتھوں کی کمائی وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اللہ کی بنائی ہوئی، جَعَلْنَا کے مقابلے میں نہیں ہے۔ انسان اسی پھل کو حاصل کرتا ہے جو اللہ کا بنایا ہوا ہے۔

اہم نکات

۱۔ جو ذات دنیا میں پھلوں اور دانوں کے ذریعے ہر آن تمہاری تجدید حیات کر رہی ہے کیا وہ اس زندگی کو دوبارہ خلق نہیں کر سکتی؟

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا ۳۶۔ پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جنہیں یہ جانتے ہی نہیں۔

تفسیر آیات

ساری کائنات زوجیت کے نظام پر قائم ہے۔ انسان کو عالم نباتات اور عالم انفس میں زوجیت کا نظام نافذ ہونے کا تو قدیم سے علم تھا اور عالم مجہولات میں بھی یہی نظام نافذ ہے۔ یعنی جہاں انسان کی علمی رسائی نہیں ہوتی وہاں بھی زوجیت کا نظام ہے۔ چنانچہ کل تک انسان کے علم میں نہ تھا کہ ایٹم کیا چیز ہے۔ آج انسان کو جب ایٹم کا پتہ چلا تو علم ہوا اس میں بھی زوجیت کا اصول کارفرما ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ ....[1]　　اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں۔

عناصر کی زوجیت کے بغیر کوئی ترکیب وجود میں نہیں آتی۔ حتیٰ خود مادے کی ترکیب منفی اور مثبت برقی توانائی کی زوجیت کی مرہون منت ہے۔ غرض اس کا وجود اور اس کی رنگارنگی انہی عناصر میں ازدواج و ترکیب کی کرشمہ سازی ہے۔

کائنات کو ازدواجی نظام پر قائم رکھنے کا کام غیر اللہ کے لیے ممکن نہیں ہے چونکہ اس غیر اللہ کا وجود ایجاداً و بقاء ازدواج کا محتاج ہے۔ چنانچہ ایک فکرانگیز توحیدی خطبے میں حضرت علی سے مروی ہے:

مُؤْلِّفٌ بَيْنَ مُتَعَادِيَاتِهَا وَ مُفَرِّقٌ بَيْنَ مُتَدَانِيَاتِهَا دَالَّةً بِتَفْرِيقِهَا عَلَى مُفَرِّقِهَا وَ بِتَالِيفِهَا عَلَى مُؤَلِّفِهَا وَ ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالىٰ وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ فَفَرَقَّ بَيْنَ قَبْلٍ وَ بَعْدٍ لِيُعْلَمَ اَنْ لَا قَبْلَ لَهُ وَلَا بَعْدَ لَهُ،شَاهِدَةً بِغَرَائِزِهَا اَنْ لَا غَرِيزَةَ لِمُغْرِزِهَا، مُخْبِرَةً بِتَوْقِيتِهَا اَنْ لَا وَقْتَ لِمُوقِّتِهَا حَجَبَ بَعْضَهَا عَنْ بَعْضٍ لِيُعْلَمَ اَنْ لَا حِجَابَ بَيْنَهُ وَ

اللہ تعالیٰ ان اشیاء میں متضاد چیزوں کو جوڑنے والا ہے اور مربوط چیزوں کو توڑنے والا ہے۔ یہ توڑ، توڑنے والے پر دلالت کرتی ہے اور جوڑ جوڑنے والے پر جیسا کہ فرمایا: ”ہر چیز کے ہم نے دو جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“ اللہ نے قبل اور بعد میں امتیاز پیدا کیا تاکہ معلوم ہو خود اس کے لیے قبل اور بعد نہیں ہے۔ ان اشیاء میں موجود طبیعتیں یہ گواہی دے رہی ہیں کہ خود اس خالق کی کوئی طبیعت نہیں ہے۔ ان کو وقت اور زمانے کے ساتھ مقید کرنا بتاتا ہے خود اس کے لیے کوئی وقت اور زمانہ نہیں ہے۔ ان چیزوں کو ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھا، یہ بتانے کے لیے کہ اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

---

[1] ۵۱ ذاریات: ۴۹

بَیْنَ خَلْقِهٖ کَانَ رَبّاً اِذْ لَا مَرْبُوبَ وَ اِلَهاً اِذْ لَا مَاْلُوهَ وَ عَالِماً اَذْ لَا مَعْلُومَ وَ سَمِیعاً اِذْ لَا مَسْمُوعَ۔[1]

وہ اس وقت بھی رب تھا جب کوئی مربوب نہ تھا اور اس وقت بھی معبود تھا جب کوئی عبادت گزار نہ تھا اور اس وقت بھی عالم تھا جب کوئی معلوم نہ تھا۔ اس وقت بھی سننے والا تھا جب سننے کی کوئی چیز نہ تھی۔

واضح رہے کہ زوجیت کا مطلب نر و مادہ کے درمیان ازدواج نہیں ہے کہ کہا جائے سیلز اور ابتدائی حیوانات اور بعض کیڑے بغیر نر و مادہ کے ازدواج کے پیدا ہوتے ہیں بلکہ زوجیت کا مطلب جفت ہے کہ کائنات کو اللہ تعالیٰ نے جفت کے نظام میں خلق فرمایا ہے۔

اہم نکات

۱۔ کائنات کو جفت کے تحت بنایا کہ خود خالق کا کوئی جفت نہیں۔

۲۔ ہر چیز اپنے وجود اور بقاء میں جفت کی محتاج ہے۔ خالق کسی شریک کا محتاج نہیں۔

وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔اور رات بھی ان کے لیے ایک نشانی ہے جس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ: اس بات کی ایک نشانی کہ تدبیر کائنات خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اسے کسی شریک کے سپرد نہیں کیا ہے، دن اور رات کا آنا جانا ہے۔

یہ ایک طرف کائنات کے نظام کا حصہ ہے جو اجرام کی گردش پر قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ نظام ہے۔ اس نظام کا بھی وجود اور بقا ارادۂ الٰہی پر موقوف ہے۔

دوسری طرف زمین پر انسان، حیوانات اور نباتات کا وجود اور نشو و نما، اسی گردش اور اس کے نتیجے میں وجود میں آنے والے روز و شب کے مرہون منت ہے۔

نَسْلَخُ کے لغوی معنی کھال کھینچنے کے ہیں۔ کرۂ ارض بذات خود تاریک ہے۔ اس پر سورج کا نور ایک لباس کی طرح پہنایا جاتا ہے۔ جب یہ لباس ہٹا دیا جاتا ہے تو تاریکی چھا جاتی ہے اور خود تاریکی بھی اس نظام کی تدبیر کے لیے ضروری ہے کہ اگر شب کی تاریکی نہ ہوتی تو ہمیشہ دن ہی دن ہوتا تو بھی تابش آفتاب کی وجہ سے یہ نظام درہم برہم ہو جاتا۔

اہم نکات

۱۔ جہاں دن کی روشنی ضروری ہے، وہاں شب کا وجود بھی ضروری ہے۔

---

[1] الکافی ۱: ۱۳۸ باب جوامع التوحید

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور سورج اپنے مقررہ ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ بڑے غالب آنے والے دانا کی تقدیر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا: جب یونانی نظریات مسلمانوں میں منتقل ہوئے تو بطلیموس کا یہ نظریہ بھی مسلمانوں کے ہاں رائج ہوا کہ زمین مرکز ہے اور سورج، چاند اور دیگر سیارے زمین کے گرد گھومتے ہیں۔ جب بطلیموسی نظریہ باطل ثابت ہوا اور معلوم ہوا کہ زمین نہیں بلکہ سورج مرکز ہے اور اپنی جگہ ساکن ہے باقی سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں تو الحادی نظریہ رکھنے والوں اور اسلام دشمنوں نے نعرہ لگانا شروع کیا کہ جدید حقائق کے سامنے قرآن کا نظریہ باطل ثابت ہوا کیونکہ جدید انکشافات سے معلوم ہوا کہ سورج مرکز ہے اور باقی سیارے اس کے گرد گھومتے ہیں جبکہ قرآن کہتا ہے: وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ سورج گھومتا ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ سورج مرکز ہونے کے باوجود اپنی فیملی کے افراد (سیاروں) کے ساتھ ۲۰ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہے اور تَجْرِیْ ایک سمت کی طرف رواں دواں ہونے کے معنوں میں ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کرۂ ارض کے رہنے والے فضائے عالم میں محو سفر ہیں اور سال میں چھ سو ملین کلومیٹر کی رفتار سے ہم اپنے سورج کے ساتھ اپنی نامعلوم منزل و مستقر کی طرف جا رہے ہیں۔

لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا میں لام بمعنی الی ہو سکتا ہے۔ یہ سورج اپنے ٹھکانے یعنی اپنے خاتمے تک حرکت کرتا رہے گا۔ چنانچہ سورج سے چار ملین ٹن انرجی فی سیکنڈ کم ہو رہی ہے تاہم یہ سورج کئی ملین سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔

ائمہ اہل بیت ل کی ایک قرائت لا مستقرلها ہے۔ یعنی سورج جاری ہے۔ اس کا کوئی مستقر نہیں ہے۔ اپنے خاتمے تک حرکت کرتا رہے گا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ مستقر کا صحیح مفہوم انسان اس وقت سمجھ سکتا ہے جب انسان کے پاس کائنات کے بارے میں ناقابل تبدیل علم موجود ہو جبکہ انسانی علم ہر زمانے میں بدلتا رہتا ہے اور انسان کو جو حاصل ہے وہ علم نہیں، اکثر مفروضہ ہے اور یہ مفروضہ قابل تبدیل ہے۔

۲۔ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ: یہ مقدرات اس ذات کے ترتیب دادہ ہیں جو قوت و طاقت کے اعتبار سے ہر قوت پر غالب آنے والی ہے اور علم کے اعتبار سے فوق کل ذی علم علیم ہے۔ وہی ذات اس بات سے باخبر ہے کہ ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

اہم نکات

۱۔ ہم ایک نامعلوم منزل کی طرف محو پرواز ہیں: وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ....

۲۔ مقدرات عالم کا راز ابھی پردۂ خفا میں ہے: ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾

۳۹۔اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح لوٹ جاتا ہے۔

تفسیر آیات

چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی منازل صفحۂ آسمان پر ہر ایک کو نظر آنے والی ایک قدرتی تقویم ہے۔ یہ تقویم اربوں سال سے جاری ہے اور ان منزلوں میں کبھی ایک سیکنڈ کے لیے فرق نہیں آیا۔

قَدَّرْنٰهُ: اللہ تعالیٰ کی تکوینی تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور اللہ کے ضابطہ تخلیق میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ چنانچہ چاند پہلی تاریخ کو ہلال، چودھویں کو بدر کامل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ آخر میں پھر ہلال کی شکل میں واپس آ جاتا ہے جسے اللہ نے کھجور کی پرانی شاخ کے ساتھ تشبیہ دی کہ ہلال جب پہلی تاریخ نمودار ہوتا ہے تو چمک دمک کے ساتھ اور یہی ہلال مہینے کے آخری دنوں میں زرد رنگ کا بے رونق ہو جاتا ہے، جیسے کھجور کی خشک ٹہنی۔

اہم نکات

۱۔ صفحہ آسمان پر چاند اللہ تعالیٰ کی تدبیر کی ایک اہم نشانی ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ نہ سورج کے لیے سزاوار ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے سکتی ہے اور وہ سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔

تشریح کلمات

یَّسْبَحُوْنَ: (س ب ح) السباحۃ پانی میں تیرنے کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ: سورج اور چاند کے مدار جدا ہیں۔ ہر ایک کو اپنے مدار میں پابند رکھا

گیا ہے۔ نہ سورج چاند کے مدار میں آ سکتا ہے، نہ ہی چاند سورج کے مدار میں داخل ہوسکتا ہے۔ چاند زمین کے گرد ایک مختصر مدار میں گھومتا ہے جب کہ سورج اپنے ایک وسیع مدار میں گھوم رہا ہے۔ لہٰذا سورج اور چاند کے مدار میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اس لیے فرمایا: سورج کے لیے سزاوار نہیں کہ وہ اپنے تابع سیارات میں سے ایک سیارے (زمین) کے تابع چاند کے مدار میں آ جائے۔ یعنی اپنے تابع کے تابع کے مدار میں آ جائے۔ اسی لیے فرمایا: سورج کے لیے سزاوار نہیں ہے۔ لہٰذا نظام کائنات میں سورج اور چاند دونوں کے لیے ممکن نہیں ہے کہ دوسرے کے مدار میں آ جائیں کہ سورج کے طلوع کے موقع پر چاند اور چاند کے طلوع کے موقع پر سورج نکل آئے۔

۲۔ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ: نظام کائنات میں سورج اور چاند دونوں کے لیے ممکن نہیں کہ دوسرے کے مدار میں آ جائیں اور نہ ہی ایسا ممکن ہے کہ دن کی مقررہ مدت ختم ہونے سے پہلے یا دن کے آنے کے مقررہ وقت سے پہلے رات آ جائے۔ اربوں سال سے دن اور رات اپنے اپنے مقررہ وقت پر آ رہے ہیں۔ یعنی شب و روز کا آنا جانا ایک دقیق حساب کے مطابق ہے۔ اس میں کروڑوں سال میں ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آ سکتا۔ جب فرق آئے گا تو یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا:

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ　　۷۔ پس جب آنکھیں پتھرا جائیں گی، اور چاند بے نور
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ يَقُوْلُ　　ہو جائے گا، اور سورج اور چاند ملا دیے جائیں گے تو
الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝[1]　　انسان اس دن کہے گا: بھاگ کر کہاں جاؤں؟

یہ محکم نظام ایک نظم دہندہ پر دلالت کرتا ہے۔ کسی غیر اللہ کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ایسا نظام اور تدبیر بنائے۔

۳۔ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ: یعنی کل من الشمس والقمر فی فلك یسبحون۔ سورج اور چاند میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔ سورج مرکز ہونے کے باوجود حرکت میں ہے جس طرح چاند حرکت میں ہے۔ اس جملے میں دیگر اجرام کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا وَكُلٌّ سے مراد تمام اجرام لینا خلاف ظاہر ہے اگرچہ تمام اجرام حرکت میں ہیں۔

سورج اور چاند کی حرکت کو پانی میں تیرنے کے ساتھ تعبیر کرنا قابل توجہ ہے کہ یہ اجرام فضائے آسمان میں اس طرح گھوم رہے ہیں جس طرح مچھلی پانی میں تیر رہی ہوتی ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝　　۴۱۔ اور یہ بھی ان کے لیے ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔

---

[1] ۷۵ قیامت: ۷ تا ۱۰

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ کی تدبیری نشانیوں میں سے ایک نشانی اور دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ نے انسان کی نسلوں کو ایک کشتی کے ذریعے محفوظ فرمایا۔ بنا بقول بعض مفسرین اشارہ طوفان نوح کی طرف ہے کہ اس طوفان سے انسانی نسل کو نابودی کا خطرہ تھا۔ ایک بھری کشتی کے ذریعے اسے بچایا۔ اس جگہ حملنا ابائھم کی جگہ ذُرِّيَّتَهُمْ اس لیے فرمایا کہ اس کشتی کے ذریعے کرۂ ارض پر انسانی نسلوں کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ بعض مفسرین اس سے مراد مطلق کشتی لیتے ہیں چونکہ کشتی اللہ کی آیات تدبیری میں سے ہے لیکن الْمَشْحُوْنِ پہلی تفسیر کے لیے قرینہ بن سکتا ہے۔

وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔اور ہم نے ان کے لیے اس (کشتی) جیسی اور (سواریاں) بنائیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔

تفسیر آیات

ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ نوح کی کشتی کے بعد ہم نے اُس جیسی کشتیاں بنائیں۔ پہلی کشتی نوح علیہ السلام نے بنائی تو انسان کو کشتی کے ذریعے دریا عبور کرنے کا طریقہ معلوم ہوا جس سے کشتی سازی شروع ہوگئی۔

دوسری تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ مِّثْلِهٖ سے مراد اونٹ و دیگر سواریاں ہیں جن پر انسان سوار ہو کر مسافات طے کرتا ہے۔ کہتے ہیں مِّنْ مِّثْلِهٖ میں وہ تمام ذرائع حمل و نقل آ گئے جنہیں انسان اللہ کی عطا کردہ صلاحیت اور فراست سے ایجاد کرتا ہے۔

وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پھر ان کے لیے نہ کوئی فریاد رس ہوگا اور نہ ہی وہ بچائے جائیں گے۔

تفسیر آیات

اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی کہ اس نسل کو غرق کر کے نابود کر دیا جائے تو ان کا کوئی فریاد رس نہ تھا کہ انہیں غرق ہونے سے بچائے لیکن اللہ کی مشیت یہ تھی کہ کرۂ ارض پر انسان کو آباد رکھا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے شامل حال ہوگئی۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ مگر ہماری طرف سے رحمت ہے اور (جس سے) انہیں ایک وقت تک متاع (حیات) مل جاتی ہے۔

تفسیر آیات

اس نسل کو آباد رکھنے میں دو باتیں مؤثر تھیں: پہلی بات اللہ کی رحمت ہے جو اس نسل انسانی کے شامل حال رہی اور رحمت الٰہی کی وجہ سے یہ نسل تباہی سے بچ گئی۔ دوسری بات اللہ کا فیصلہ تھا کہ اس نسل کو ایک مدت تک باقی رکھنا ہے۔ اللہ کا یہ فیصلہ اٹل تھا اس لیے اس نسل کو غرق ہونے سے بچا لیا۔

اہم نکات

۱۔ کشتی انسانی نسل کو بچانے کا ذریعہ رہی ہے اور آج سامان زیست مَتَاعًا کا ذریعہ ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس (گناہ) سے بچو جو تمہارے سامنے ہے اور اس (عذاب) سے جو تمہارے پیچھے آنے والا ہے شاید تم پر رحم کیا جائے۔

تفسیر آیات

جب ان مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ تم جس جرم کے مرتکب ہو رہے ہو اس کا مکافاتِ عمل دنیا میں دیکھنے والے ہو اور آخرت میں تو دائمی عذاب تمہارے انتظار میں ہے، اس سامنے آنے والے اور آخرت کے دائمی عذاب سے بچنے کا سامان کرو، اس طرح تم رحمت الٰہی کے اہل بن جاؤ گے اور یہ عذاب تم سے ٹل جائے گا تو وہ اس نصیحت کو قبول کرنے کی جگہ اللہ کی طرف سے آنے والی دلیلوں اور نشانیوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی ان کے پاس آتی ہے وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

تفسیر آیات

ان مشرکین کے سامنے اللہ کی وحدانیت اور عدم شریک کے بارے میں جو دلائل و معجزات پیش کیے گئے ان سب کو ان لوگوں نے ٹھکرا دیا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

۴۷۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق تمہیں اللہ نے عنایت کیا ہے اس سے کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرو تو کفار مومنین سے کہتے ہیں: کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ تم تو بس صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا: جب ان مشرکین سے کہا جاتا ہے ان غریبوں کو کچھ دے دو۔ کہنے والے کا ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کچھ باضمیر لوگوں نے یہ بات کہی ہو۔ بہرحال مشرکین میں سے متمول لوگوں سے کہا گیا ان مسلمان فقیروں کو کچھ دے دو تو ان کا یہ جاہلانہ جواب تھا:

۲۔ اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ: ہم اسے کیوں کھلائیں جسے اللہ چاہتا تو کھلا دیتا۔ اس کا مطلب یہ کہنا ہے کہ جسے اللہ نے نہیں کھلایا ہم اسے کیوں کھلائیں؟

مشرکین ہمیشہ اپنے موقف کے جواز کے لیے خلقت اور نظام شریعت میں خلط کرتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں: لو شاء اللّٰہ ما اشرکنا۔ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔ ہم سے شرک صادر ہونا دلیل ہے اللہ نے شرک کو چاہا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ چاہتا تو یہ فقیر نہ ہوتے۔ اس کا فقیر ہونا دلیل ہے اللہ نے اسے چاہا ہے۔ ہم اللہ کی مشیت کے خلاف انہیں مال کیوں دیں؟ جس طرح شرک ترک کرنے کا حکم اللہ کی مرضی کے خلاف ہے اسی طرح غریبوں پر خرچ کرنے کا حکم اللہ کی مرضی کے خلاف ہے۔

جواب یہ ہے: انسان کا عمل اس کی خود مختاری کے تحت وجود میں آتا ہے، نہ اللہ کی مرضی کے مطابق۔ امیر و فقیر اسباب و علل کے تحت وجود میں آتے ہیں، نہ اللہ کی مرضی کے مطابق۔

اللہ خود مختاری کے تحت شرک ترک کرنے کا حکم دیتا ہے اور علل و اسباب کے مارے غریبوں کی کمک کرنے کا حکم دیتا ہے۔

۳۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: بعض کے نزدیک یہ جملہ مشرکین کا ہے کہ وہ مومنین کو گمراہ سمجھتے

ہیں۔ دوسرے بعض کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے مشرکین سے۔ سیاق کلام کے مطابق پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

اہم نکات

۱۔ دولت مند اپنی ناجائز دولت کو فضل ربی سمجھتا ہے اور غریبوں کو اس سے محروم۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) یہ وعدہ (قیامت) کب (پورا) ہو گا؟

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ (درحقیقت) یہ ایک ایسی چیخ کے منتظر ہیں جو انہیں اس حالت میں گرفت میں لے گی جب یہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۲ ۱۸ ۲

۵۰۔ پھر نہ تو وہ وصیت کر پائیں گے اور نہ ہی اپنے گھر والوں کی طرف واپس جا سکیں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت میں حیات بعد الموت اور قیامت کو بنیادی اہمیت حاصل ہونے کی وجہ سے منکرین قیامت مشرکین تمسخر کیا کرتے تھے کہ جس قیامت سے ہمیں ڈراتے ہو وہ کب آنے والی ہے؟ جب قیامت کے دن کا تعین نہیں ہوتا تھا تو وہ اسے دلیل بناتے تھے کہ قیامت کا تصور ایک غلط واہمہ ہے ورنہ اس کے وقت کا تعین ہوتا حالانکہ وقت کا عدم تعین اس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں ہے۔ انسان کو اپنی موت پر یقین ہے لیکن موت کے وقت کا تعین نہیں ہے تو کیا یہ عدم موت کی دلیل ہے؟

۲۔ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً: قیامت ایسی نہیں ہو گی کہ تدریجاً آئے بلکہ یہ ایسے وقت میں آئے گی جب لوگ اپنے دنیوی اُمور میں الجھ رہے ہوں گے۔ اپنی محفلوں میں بیٹھ کر ادھر اُدھر کی باتیں کر رہے ہوں گے چونکہ قیامت موجودہ نظامِ کائنات کے خاتمے کا نام ہے اور یہ دفعتاً میں وقوع پذیر ہو گی:

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ...۔[1]

اور قیامت کا معاملہ تو ایسا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی قریب تر۔

---

[1] ۱۶ نحل: ۷۷

صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً ایک دھماکہ ہوگا۔ پہلا صور پھونکنے کی وجہ سے پوری کائنات میں اس کی زور دار آواز گونجے گی جس سے ہر ذی روح موت کی آغوش میں چلائے گا۔

۳۔ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَۃً: اس صور کے پھونکنے کے بعد ایک ہی لمحے میں قیامت برپا ہوگی۔ کوئی کسی کو وصیت نہیں کر سکے گا۔ وصیت کس کو کرے گا؟ کوئی پیچھے زندہ نہیں بچے گا۔

۴۔ وَّلَآ اِلٰٓی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ: اگر وہ اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر ہوں گے تو اپنے گھر والوں کے پاس واپس جانے کی فرصت نہیں پائیں گے۔

اہم نکات

۱۔ قیامت کس گھڑی برپا ہوگی؟ صرف اللہ جانتا ہے۔

۲۔ قیامت ایک لمحے میں ایک صور پھونکنے پر برپا ہوگی۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا ھُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو وہ اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

تشریح کلمات

اَلْاَجْدَاثِ: (ج د ث) جدث کی جمع۔ قبر کے معنوں میں ہے۔

یَنْسِلُوْنَ: (ن س ل) نَسَلَ تیزی کے ساتھ دوڑنے کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ: یہ نفخۃ الثانیۃ دوسرا صور ہے۔ اس صور کے پھونکنے سے سب زندہ ہو جائیں گے۔ صور ایک آواز ہے جو تمام مردوں کے اعماق اور گہرائیوں میں سرایت کر جائے گی جس سے سب مردے بیدار ہو جائیں گے۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح پھونکنے کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ...[1] — پھر جب میں اس کی تخلیق مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں۔

لہٰذا نفخ ایجاد حیات کا ایک خالقانہ عمل ہے جس کی حقیقت سے انسان واقف نہیں ہے۔ البتہ سلب حیاۃ کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا ایجاد حیات اور سلب حیات دونوں کے لیے ایک لفظ

---

[1] ۱۵ حجر: ۲۹

استعمال ہوا ہے۔ فرق ارادۂ الٰہی کا ہے۔ اس سے بیشتر اس کی حقیقت سے بشر آگاہ نہیں ہے۔

نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہوگا؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ تفسیر صافی کی ایک روایت میں تو یہ فاصلہ تصور سے بھی زیادہ بتایا گیا ہے۔

۲۔ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ: نفخ صور کے نتیجے میں جیسے ہی ان میں زندگی آ جائے گی، اللہ کی بارگاہ میں حساب دینے اور اپنی ابدی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے دوڑ پڑیں گے۔ یہ وہ لمحہ ہوگا جس میں اللہ کی حکومت سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہوگا لہٰذا خود اللہ کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوں گے۔ وَ لَا مُفَرَّ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ۔[1] (اے اللہ) تجھ سے فرار کا کوئی راستہ نہیں مگر یہ کہ خود تیری طرف بھاگے۔

اہم نکات

۱۔ قبروں سے اٹھتے ہی اللہ کی طرف بھاگنا پڑے گا: اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ۔

۲۔ مومن کو وہ دن یاد رکھنا چاہیے جس میں اللہ سے نہیں، اللہ کی طرف بھاگنا پڑے گا۔

قٰلُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ کہیں گے: ہائے ہماری تباہی! ہماری خوابگاہوں سے ہمیں کس نے اٹھایا؟ یہ وہی بات ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔

تفسیر آیات

۱۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا: ویل تباہی اور رسوائی کے معنوں میں ہے۔ جب منکرین قیامت قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اس دن کو اپنے سامنے دیکھ لیں گے جسے دنیا میں جھٹلاتے رہے ہیں اور بے ساختہ کہہ اٹھیں گے: يٰوَيْلَنَا ہائے ہماری رسوائی۔

۲۔ مَنْۢ بَعَثَنَا: ہمیں کس نے اٹھایا؟ مارے دہشت کے زندہ ہونے کے بعد ابتدائی لمحوں میں یہ سوال ذہنوں میں آئے گا کہ ہمیں کس نے قبروں سے اٹھایا ہے؟

۳۔ مِنْ مَّرْقَدِنَا: ہماری خوابگاہوں سے ہمیں کس نے اٹھایا؟ ممکن ہے قیامت کی ہولناک صورت حال کے مقابلے میں قبر کو خوابگاہ سے تعبیر کیا گیا ہو کیونکہ کافر قبر، عالم برزخ میں بھی عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ بعض کے بقول دونوں صور پھونکنے کے درمیانی وقفے میں یہ لوگ عالم خواب میں ہوں گے۔ بعض لوگوں کے لیے عالم برزخ میں نیند کی حالت طاری رہے گی۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

---

[1] الفقیہ ۱: ۳۰۳ (حدیث)

وَمَا بَيْنَ الْمَوْتِ وَ الْبَعْثِ اِلَّا كَنُوْمَةٍ نِمْتَهَا ثُمَّ اسْتَيْقَظْتَ مِنْهَا...۔[1]

موت اور قیامت کی درمیانی مدت نیند کی مانند ہو گی جس کے بعد تو بیدار ہو جائے گا۔

حیات برزخی کی مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ المؤمنون آیت ۱۰۰۔

۴۔ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ: ہمیں کس نے اٹھایا کے جواب میں فرشتے ان سے کہیں گے یا خود انہیں علم ہو جائے گا: یہ وہی دن ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا۔

یہ دن اللہ نے اپنے رحمتوں سے نوازنے کے لیے مقرر کیا تھا، اس لیے رحمٰن سے تعبیر کیا مگر کافروں نے اس رحمت کا انکار کر کے اپنے آپ کو اس سے دور کر لیا۔

اہم نکات

۱۔ قبروں سے اٹھنے کے لمحات کو فزع اکبر کہتے ہیں۔

۲۔ قیامت کی ہولناکی کے مقابلے میں برزخ کی زندگی خواب کی مانند لگے گی۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ وہ تو صرف ایک چیخ ہو گی پھر سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔

تفسیر آیات

قیام قیامت صرف ایک زور دار آواز سے ہو گا اور اسی وقت اللہ کے حضور پیش ہونا ہو گا: لَّدَيْنَا ہمارے سامنے کی تعبیر سے ظاہر ہے کہ حساب براہ راست اللہ تعالیٰ خود لے گا اور ہر شخص کو اللہ کے سامنے جوابدہی کا سامنا کرنا ہے۔

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اس روز کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں بس وہی بدلہ دیا جائے گا جیسا تم عمل کرتے رہے ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ: آج کی اس عدالت گاہ میں کسی پر شَيْـًٔا کسی قسم کا ظلم نہ ہو گا چونکہ حساب لینے والی ذات وہ ہے جو کسی چیز کی محتاج نہیں ہے کہ ظلم کے ذریعے اسے حاصل کیا جائے۔

۲۔ وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ: دوسری بات عدم ظلم کی یہ ہے کہ اس عدالت میں

---

[1] اصول الکافی ۲: ۱۳۴

ثواب وعقاب خود انسان کا اپنا عمل ہوگا۔عمل سے ہٹ کر کوئی فیصلہ ہونا ہوتا تو ظلم کا سوال پیدا ہوسکتا ہے۔ چونکہ انسان کا عمل اگر اچھا ہے تو وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اگر برا ہے تو وہ بھی اس کی جان نہیں چھوڑتا۔

اہم نکات

۱۔ ہر ایک کو خود اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے: لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ۔

۲۔ انسان کا اپنا عمل اس کے حق میں یا خلاف فیصلہ دے گا۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝۵۵　۵۵۔ آج اہل جنت یقیناً کیف وسرور کے ساتھ مشغلے میں ہوں گے۔

تشریح کلمات

شُغُلٍ: (ش غ ل) ایسی مصروفیت جس کی وجہ سے دوسرے کاموں کی طرف توجہ نہ دی جا سکے۔

فٰكِهُوْنَ: (ف ك ہ) الفكاهة خوش طبعی کی باتیں۔خوش گپی۔

تفسیر آیات

۱۔ اس دن اہل جنت شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ مصروفیت میں ہوں گے۔نعمتوں میں مشغول ہوں گے۔ ہر چیز سے بے پرواہ اور بے فکر ہو کر نہایت آسودگی کے ساتھ کیف وسرور فٰكِهُوْنَ میں ہوں گے۔

یہ حالت اللہ کی بارگاہ میں حاضری دینے اور حساب سے فارغ ہونے کے بعد کی ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝[1]　اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوشی سے پلٹے گا۔

مومن سے ایک آسان حساب لیا جائے گا اور حساب سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے خاندان کے پاس خوشی سے واپس جائے گا۔

۲۔ فٰكِهُوْنَ: مزے لینا۔ہنسی مزاح میں مشغول ہونا:

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ....[2]　ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا کیا ہے اس پر وہ خوش ہوں گے۔

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝۵۶　۵۶۔ وہ اور ان کی ازواج سایوں میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔

---

[1] ۸۴ انشقاق: ۹　[2] ۵۲ طور: ۱۸

تفسیر آیات

۱۔ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ : ازواج سے مراد ممکن ہے وہ ازواج ہوں جو جنت میں حورالعین کی شکل میں ان کے ساتھ ہوں گی اور دنیا میں جو ازواج ہوں گی ان کا ان کے ساتھ جنت میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کے بارے میں قرآن میں صراحت سے فرمایا:

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا...[1] یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر ان دونوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی۔

۲۔ فِيْ ظِلٰلٍ: یہ اپنی ازواج کے ساتھ زیر سایہ ہوں گے۔ سایہ سے یہ مراد ہوسکتا ہے کہ وہ کسی قسم کی گرمی میں نہیں ہوں گے۔ سایہ سے مراد ہماری دنیا والا سایہ نہیں ہوسکتا چونکہ جنت میں دھوپ کی تپش نہ ہوگی کہ سایہ کی ضرورت پڑے:

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا[2] جس میں نہ دھوپ کی گرمی دیکھنے کا اتفاق ہو گا اور نہ سردی کی شدت۔

۳۔ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ: مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھنا جنت کی آسائش کی طرف ایک ایسا اشارہ ہے جو ہمارے لیے قابل فہم ہے ورنہ جنت کی زندگی کا دنیاوی آسائش کے ساتھ موازنہ نہیں ہوسکتا۔

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝۵۷ ۵۷۔ وہاں ان کے لیے میوے اور ان کی مطلوبہ چیزیں موجود ہوں گی۔

تفسیر آیات

۱۔ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ: جنت میں ان کے لیے میوے ہوں گے۔ ان میووں کا دوسری آیات میں ذکر آیا ہے۔ جب قرآن جنت کی نعمتوں کا نام لے کر ذکر فرماتا ہے تو عیناً وہی نہیں ہوں گی جو دنیا میں ہیں:

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا...[3] حالانکہ انہیں ملتا جلتا دیا گیا ہے۔

۲۔ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ: ان کے لیے ان کی مطلوبہ چیزیں موجود ہوں گی۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ دنیوی زندگی اور جنت کی زندگی میں بنیادی فرق جو ہمارے لیے قابل فہم ہے وہ یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں انسان اپنی مطلوبہ چیزوں کو وسائل و ذرائع، علل و اسباب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ یہ چیزیں فراہم

---

[1] ۶۶ تحریم: ۱۰ [2] ۷۶ انسان: ۱۳ [3] ۲ بقرہ: ۲۵

ہونے پر مطلوبہ مقصد پورا ہو جاتا ہے اور فراہم نہ ہونے پر انسان کی خواہش پوری نہیں ہوتی۔

مگر جنت کی زندگی میں خواہشات صرف ارادے سے پوری ہو جاتی ہیں: وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ان کے لیے وہ سب فراہم ہوگا جو وہ طلب کریں گے:

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ○ [1]　　وہاں ان کے لیے جو وہ چاہیں گے حاضر ہے اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ [2]　　اور یہاں تمہارے لیے تمہاری من پسند چیزیں موجود ہیں اور جو چیز تم طلب کرو گے وہ تمہارے لیے اس میں موجود ہو گی۔

اہم نکات

۱۔ اہل جنت کا ارادہ نافذ ہوگا۔

سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝۵۸　　۵۸۔ مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔

تفسیر آیات

جنت کی سب سے بڑی نعمت جس سے انسان کیف و سرور کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اللہ کی خوشنودی ہے:

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ... [3]　　اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو ان سب سے بڑھ کر ہے۔

جب جنت والوں کے لیے اللہ کی طرف سے سلام آئے گا تو اہل جنت کے کیف و سرور کی حالت و صفت بیان کی حدود سے خارج ہو گی۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝۵۹　　۵۹۔ اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۶۰　　۶۰۔ اے اولاد آدم! کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پرستش نہ کرنا؟ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

---

[1] ۵۰ ق: ۳۵　　[2] ۴۱ حم سجدہ: ۳۱　　[3] ۹ توبۃ: ۷۲

وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾ ۶۱۔ اور یہ کہ میری بندگی کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ: دنیا میں تم مؤمنین کی صفوں میں داخل ہو کر اپنے کفر و نفاق پر پردہ ڈال سکتے تھے، لیکن آج تمہیں الگ ہونا پڑے گا:

وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ [1] اور جس دن قیامت برپا ہو گی اس دن لوگ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔

آج مجرم لوگ جب اہل ایمان سے جدا کیے جائیں گے تو اہانت، حقارت اور مایوسی کی ایک ناقابل وصف و بیان حالت میں پڑے ہوں گے۔

۲۔ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ: اس عہد سے مراد وہ عہد ہو سکتا ہے جو اللہ نے ہر انسان کی فطرت و جبلت میں رکھا ہے۔ جیسا کہ سورۂ شمس آیت ۸ میں فرمایا:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی۔

اور فطرت سے بھٹکنے والوں کو دوبارہ فطرت کی راہ پر لگانے اور اس عہد کی یاد تازہ کرنے کے لیے انبیاء ل وقتاً فوقتاً تذکر دیتے رہے۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ ....[2] اے اولاد آدم! شیطان تمہیں کہیں اس طرح نہ بہکا دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا۔

شیطان کی عبادت یہ ہے کہ اس کے کہنے پر عمل کیا جائے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

مَنْ اَصْغٰی اِلٰی نَاطِقٍ فَقَدْ عَبَدَهٗ۔ فَاِنْ كَانَ النَّاطِقُ عَنِ اللّٰهِ فَقَدْ عَبَدَ اللّٰهَ وَاِنْ كَانَ النَّاطِقُ عَنْ اِبْلِیْسَ فَقَدْ عَبَدَ اِبْلِیْسَ۔ [3] جو کسی بولنے والے کی بات کو کان دھر کے سن لے تو اس نے اس کی عبادت کی۔ اگر بولنے والا اللہ کی طرف سے بول رہا ہے تو اللہ کی عبادت ہوئی۔ اور اگر بولنے والا ابلیس کی طرف سے بول رہا ہے تو ابلیس کی عبادت ہو گی۔

وقف غفران ۳۔ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ: تمام غیر اللہ کی اطاعت کو مسترد کر کے صرف اور صرف اللہ کی اطاعت اور اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت دینے والوں کی اطاعت کر کے صرف اللہ کی

---

[1] ۳۰ روم: ۱۴ [2] ۷ اعراف: ۲۷ [3] وسائل الشیعۃ ۱۷: ۱۵۳ اعتقادات صدوق

بندگی، راہ مستقیم ہے جس پر چلنے والے تمام پیچیدگیوں سے آزاد ہوں گے۔

اہم نکات

۱۔ قیامت کے دن مجرموں کو الگ تھلگ دھتکار دیا جائے گا: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ....

۲۔ عہد الٰہی کی پاسداری کرنے والے صراط مستقیم پر ہیں۔

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور بتحقیق اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ یہ وہی جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ آج اس جہنم میں جھلس جاؤ اس کفر کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔

تشریح کلمات

جِبِلًّا: (ج ب ل) بڑی جماعت۔

اِصْلَوْ: (ص ل ی) الصلی آگ میں تپا دینا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا: اس عدو مبین نے تم میں سے ایک خلق کثیر کو گمراہ کر دیا ہے۔ اگر تمہارے پاس چشم عبرت موجود ہے تو گزشتہ گمراہ قوموں کی سیاہ تاریخ تمہارے سامنے ہے کہ اس کے گمراہ کن حربے سے کتنی قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

۲۔ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ: عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس تباہ کن دشمن سے اپنے آپ کو بچائے۔ مگر ان لوگوں نے عقل سے کام نہیں لیا اور اسی تباہی کے راستے پر چل پڑے۔

۳۔ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ: انہیں جہنم کے سامنے لایا جائے گا اور جب جہنم کی آتش فشانی نظر آئے گی تو ان سے کہا جائے: یہ وہی جہنم ہے جس کے بارے میں تم سے کہا تھا اور تم اس کا انکار کرتے تھے۔

۴۔ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ: آج تپ جاؤ اسی آتش میں اور دنیا میں جس کا تم انکار کرتے تھے اس میں جلتے جاؤ۔ اس میں ایک قسم کی اہانت اور طعنہ بھی ہے۔

اہم نکات

۱۔ عقل سے کام لینے والے شیطان کے دام میں نہیں پھنستے: تَعْقِلُوْنَ۔

۲۔ منکروں کو عذاب جہنم کے ساتھ نفسیاتی عذاب بھی دیا جائے گا: اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ ....

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیتے ہیں اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے اس کے بارے میں جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ: جس منہ سے دنیا میں اللہ کی وحدانیت اور روز قیامت کا انکار ہوتا رہا اور جس زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب ہوتی رہی وہ آج بند رہے گی چونکہ یہ منہ، یہ زبان حق اور حقیقت بیان کرنے کی عادی نہیں ہے۔

چنانچہ روایت میں ہے کہ وہ اس دن بھی اپنے گناہوں کا انکار اور جھگڑا کریں گے۔ چنانچہ قرآن نے بھی اس کا ذکر کیا ہے:

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ [1]

پھر ان سے اور کوئی عذر بن نہ سکے گا سوائے اس کے کہ وہ کہیں: اپنے رب اللہ کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔

۲۔ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ: ان کے ہاتھ ہم سے بات کرنے لگیں گے۔ ہاتھ انسان کا وہ اوزار ہیں جو سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے لہٰذا ممکن ہے کہ ہاتھ کے پاس کرنے کی بہت ساری باتیں ہوں۔ ہاتھ کے تکلم کا موضوع گواہی ہے کہ میرے مالک نے مجھے کن کن جرائم میں استعمال کیا۔

۳۔ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ: پاؤں بھی گواہی دیں گے۔ ان جرائم کی جن کے ارتکاب کی طرف چلنے کے لیے پاؤں سے کام لیا گیا۔

اس آیت میں صرف ہاتھ اور پاؤں کا ذکر من باب المثال مذکور ہے۔ دیگر آیات میں باقی اعضاء کا بھی ذکر ہے:

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ [2]

یہاں تک کہ جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔

اور سورہ نور آیت ۲۴ میں فرمایا:

---

[1] ۶ انعام: ۲۳ [2] ۴۱ حم سجدہ: ۲۰

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (۲۴ نور: ۲۴)

اس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان سب اعمال کی گواہی دیں گے جو یہ کرتے رہے ہیں۔

نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی کہ خود اپنے ارادے سے نہیں بول سکیں گے۔

تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی اللہ کے حکم و ارادے سے، نہ صاحب زبان کے ارادے سے۔ لہٰذا ان دونوں آیات میں تصادم نہیں ہے۔

رہی یہ بحث ان اعضاء کی گواہی کس صورت میں ہو گی؟ کیا اللہ تعالیٰ ان میں قوت گویائی پیدا کرے گا یا ان کے جرائم ازجی کی شکل میں باقی رہیں گے اور قیامت کے دن ظاہر ہو جائیں گے؟ یہ ہمارے دائرہ علم و بحث سے خارج ہے چونکہ عالم آخرت کے حالات کو عالم دنیا کی روشنی میں سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ قیامت کے دن مجرم کو اپنے اعضاء پر اختیار نہیں ہو گا۔

۲۔ سب سے سچا گواہ آلۂ جرم ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝۶۶

۶۶۔ اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیں پھر یہ راستے کی طرف لپک بھی جائیں تو کہاں سے راستہ دیکھ سکیں گے؟

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝۶۷

۶۷۔ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ان ہی کی جگہ پر اس طرح مسخ کر دیں کہ نہ آگے جانے کی استطاعت ہو گی اور نہ پیچھے پلٹ سکیں گے۔

تشریح کلمات

لَطَمَسْنَا: (ط م س) کسی چیز کا نام و نشان مٹا دینا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ: آخرت کی بات دور کی ہے۔ خود دنیا میں اگر اللہ کی مشیت

میں ہوتا تو تم سے تمہاری بینائی سلب ہو سکتی تھی۔

۲۔ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ: بینائی سلب ہونے کے بعد وہ اگر صحیح راستہ کی طرف لپک کر شوق سے جانا بھی چاہیں تو ان کو راستہ نظر نہیں آتا۔

استبقوا کے ایک معنی سبقت لے جانا، لپک جانا ہیں۔ دوسرے معنی یہ کیے ہیں: تجاوز کر جانا۔ بینائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ راستے سے تجاوز کر جائیں۔ راستہ دیکھ نہیں پاتے۔

لسان العرب نے استبق کا ایک معنی تجاوز کیا ہے۔

۳۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ: اگر اللہ انہیں مسخ کر کے اپنی جگہ پر جامد کر دے تو یہ خود اپنی ذاتی قوت سے کسی قسم کی حرکت پر قادر نہ ہوتے، نہ آگے بڑھ سکتے، نہ واپس اپنے گھر آ سکتے مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا۔

تو یہ لوگ از خود نہ بینائی کے مالک ہیں، نہ حرکت و جنبش کے، نہ ہی ان کے معبود ان کو بینائی اور حرکت دے سکتے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ انسان کی یہ زندگی ہر لحہ اللہ کی محتاج ہے۔ اگر اللہ ہاتھ اٹھا لے تو یہ خود یا اس کے خود ساختہ معبود نہ بینائی دے سکتے ہیں، نہ حرکت کی قوت۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور جسے ہم لمبی زندگی دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں، کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے؟

تشریح کلمات

نُنَكِّسْهُ: (ن ك س) نکس کے معنی کسی چیز کے الٹا دینے کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ: جسے ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے پھر ناتوانی کی طرف الٹ دیتے ہیں۔ بڑھاپے میں انسان ناتوانی اور بے بسی میں شیر خوار بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ وہ کھانے پینے چلنے پھرنے میں دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ یہاں تک وہ اپنے بستر پر ہی رفع حاجت کرنے لگتا ہے۔

یہ حقیقت اس جگہ بیان کرنے کی غرض کیا ہے؟ اکثر مفسرین نے لکھا ہے:
اس کی غرض یہ بیان کرنا ہے جب ہم ایک توانا انسان کو ناتوان بنا سکتے ہیں تو تمہاری بینائی ختم کرنا اور تمہیں مسخ کر کے جامد کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔
دوسری تفسیر مجمع البیان میں بیان فرمائی ہے:
غرض یہ بتانا ہے کہ جب ہم یہ کام کر سکتے ہیں تو اعادۂ حیات کا بھی کام کر سکتے ہیں۔
صاحب تفسیر التحریر و التنویر اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں:
جسے مہلت دیتے ہیں اسے ہم مخلوقات میں ذلیل کرتے ہیں۔
وہ نُعَمِّرْهُ کو مہلت کے معنوں میں لیتے ہیں جیسے اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ....[1] میں یہ لفظ مہلت کے معنوں میں ہے اور الْخَلْقِ مخلوقات کے معنوں میں ہے۔
شاید ان سب میں بہتر تفسیر سابقہ آیات کے ساتھ مربوط کر کے اس طرح کی جائے:
اگر ہم چاہتے تو ان سے ان کی بینائی سلب کر لیتے اور انہیں اپنی جگہ مسخ کر کے جامد کر دیتے تو ایسا کر سکتے تھے لیکن ہم نے اپنی رحمت کی بنا پر ایسا نہیں کیا۔ البتہ ایک کام ہم کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جسے ہم لمبی عمر دیتے ہیں انہیں اوندھا کر کے الٹ دیتے ہیں۔
ان سے بینائی بھی سلب ہو جاتی ہے اور تقریباً جوانی کی بہ نسبت مسخ ہو جاتے ہیں:
لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ ۔ اپنی جگہ سے نہ ہل نہیں سکتے ہیں، نہ آگے جا سکتے ہیں، نہ واپس اپنی جگہ آ سکتے ہیں۔
اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ: کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے کہ ان کی زندگی کے تمام امور ہمارے ہاتھ میں ہیں اور خود بے بس ہیں:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ....[2]	پھر وہ ہمارے لیے مثالیں دینے لگتا ہے اور اپنی خلقت بھول جاتا ہے

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾	۶۹۔ اور ہم نے اس (رسول) کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ اس کے لیے شایان شان ہے، یہ تو بس ایک نصیحت (کی کتاب) اور روشن قرآن ہے۔
لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾	۷۰۔ تاکہ جو زندہ ہیں انہیں تنبیہ کرے اور کافروں کے خلاف حتمی فیصلہ ہو جائے۔

---
[1] ۳۵ فاطر: ۳۷　　[2] ۳۶ یٰس: ۷۸

تفسیر آیات

۱۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ: قرآنی تعلیمات کے تین اہم اصولوں توحید و قیامت پر دلیل قائم کرنے کے بعد رسالت کے موضوع کا ذکر ہے۔

رسالت کے منکرین رسول اللہ ﷺ کو کاہن، مجنون اور ساحر بھی کہتے تھے اور شاعر بھی:

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ○[1] اور کہتے تھے: کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟

اس آیت میں شاعر ہونے کے الزام کی تردید ہے۔ چونکہ اس الزام کا تعلق قرآن سے ہے اور قرآن رسول کریم ﷺ کا معجزہ ہے۔ اہل زبان عرب قرآن سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہو رہے تھے لہٰذا منکرین کا زیادہ زور اس بات پر تھا کہ قرآن کلام اللہ نہیں بلکہ شاعرانہ کلام ہے۔

اس الزام کی تردید میں فرمایا: یہ قرآن شاعرانہ کلام نہیں ہے۔ اس کا اسلوب شعری نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے علاوہ کسی سے کچھ نہیں سیکھا اور اللہ نے اپنے رسول کو شعر سکھایا ہی نہیں ہے۔ کیوں نہیں سکھایا؟

۲۔ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ: چونکہ شاعری انہیں زیب نہیں دیتی اور ان کے شایان شان نہیں ہے۔ اس لیے قرآن اور شعر میں بنیادی فرق ہے۔ قرآن انسانیت کے لیے سب سے اہم ترین حقیقت اور واقع کی نشاندہی اور ابدی سعادت کی ہدایت کرتا ہے جب کہ شعر واقع کی نشاندہی سے دور خلاف واقع تخیلات پر مبنی باتیں کرتا ہے۔ شعر دل نشین ہوتا ہے، واقع بین نہیں ہوتا۔ شعر کے بارے میں مشہور ہے: الشعر اعذبه اكذبه۔ شعر میں سب سے میٹھا وہ ہے جو سب سے بڑا جھوٹ ہو۔

چنانچہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ امر واقع بیان کرنے کے لیے برھان سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ برھان، یقینیات پر مشتمل ہوتا ہے اور سامعین کو قائل کرنے کے لیے خطاب سے استفادہ کیا جاتا ہے اور خطاب سامعین کے مسلمات پر مشتمل ہوتا ہے۔ لوگوں کے جذبات ابھارنے کے لیے شعر سے استفادہ کیا جاتا ہے اور شعر تخیلات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس طرح برھان، یقینیات پر، خطاب مسلمات پر اور شعر تخیلیات پر مشتمل ہوتا ہے۔

۳۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ: یہ کتاب ذکر و نصیحت ہے۔ ابدی سعادت کی طرف دعوت دیتی ہے۔ حقائق کی نشاندہی کرتی ہے۔ کسی اور کلام میں یہ خصوصیت نہیں ملتی۔ یہ قرآن ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو پڑھی جائے گی۔ کسی زمانے میں اس کی تلاوت متروک نہیں ہو گی۔ اس کی قرائت پرانی نہیں

---

[1] ۳۷ صافات: ۳۶

ہوگی۔ اسے بار بار پڑھنے سے ذہن خستہ نہ ہوگا۔

۴۔ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا: یہ قرآن ایسے لوگوں کی تنبیہ و نصیحت کرتا ہے جن میں زندگی کے آثار موجود ہوں۔ گوش شنوا، چشم بینا اور قلب دانا رکھتے ہوں۔ جن میں زندگی کے آثار نہ ہوں بلکہ قبر میں مدفون مردوں کی طرح کسی بات کے سمجھنے کی قابلیت نہ رکھتے ہوں ان کی نصیحت کرنا صرف اتمام حجت کے لیے ہے:

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ [1]　　اور آپ قبروں میں مدفون لوگوں کو تو نہیں سنا سکتے۔

۵۔ وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ: تنبیہ و نصیحت کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ دلیل و برہان قائم کرنے کے بعد بھی وہ اپنے کفر پر ڈٹے رہتے ہیں تو ان کافروں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ اٹل اور حتمی ہو جاتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ قرآن برہان اور یقینیات پر مشتمل دستور ہدایت ہے۔
۲۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اللہ سے تعلیم لی ہے۔ اللہ نے آپ کو شعر نہیں سکھایا۔
۳۔ قرآن حیات آفرین ہے۔ مردے اس حیات کے اہل نہیں ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے چنانچہ اب یہ ان کے مالک ہیں؟

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور ہم نے انہیں ان کے لیے مسخر کر دیا چنانچہ کچھ پر یہ سوار ہوتے ہیں اور کچھ کو کھاتے ہیں۔

وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور ان میں ان کے لیے دیگر فوائد اور مشروبات ہیں تو کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے؟

تفسیر آیات

۱۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ: ان آیات میں اپنی توحید اور نفی شرک کے بارے میں دلائل دیے ہیں۔ اس آیت میں فرمایا: یہ بات تو ان مشرکین کے مشاہدے میں ہے کہ ان کے زیر تسخیر مویشیوں کو ان کے

---

[1] ۳۵ فاطر: ۲۲

معبودوں نے نہیں، ہم نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے اور ہمارے خلق کردہ مویشیوں سے تم اپنی زندگی کے بیشتر لوازمات فراہم کرتے ہو۔ اس کے باوجود تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ تمہاری زندگی چلانے والے وہ ہیں جو ان چیزوں کے خالق نہیں ہیں۔

۲۔ عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ : اپنے دست قدرت سے۔ کہنے سے مراد نفی شرک ہے کہ ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے خلق کیا اور اَیْدِیْنَآ ہاتھوں سے مراد قدرت ہے۔ ید کہہ کر قدرت مراد لینا ایک محاورہ ہے۔

۳۔ فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ: چنانچہ اب وہ ان کے مالک ہیں۔ اس جملے سے فردی ملکیت ثابت ہے۔ اگرچہ حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن اللہ کی طرف سے انسان کو ملکیت یعنی فائدہ اٹھانے کا حق اس شرط کے تحت دیا گیا ہے کہ اس سے دوسروں کی حق تلفی نہ ہوتی ہو۔ آپ کو اپنی زمین پر درخت لگانے کا حق ہے لیکن اگر آپ کے درخت کی شاخیں دوسرے کی زمین کی فصل خراب کرتی ہیں تو ان شاخوں پر آپ کی ملکیت سلب ہو جاتی ہے۔

۴۔ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ: اور ہم نے انہیں رام و مسخر کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں لوگ ان پر سوار ہو کر ان سے مسافتوں کو طے کرنے کا کام لیتے ہیں۔ جیسے اونٹ، خچر، گھوڑے اور کچھ مویشی ایسے ہیں کہ ان کا گوشت کھاتے ہیں۔ سواری اور کھانا دونوں انسان کی زندگی کے اہم امور سے ہیں۔ انہیں اللہ نے فراہم کیا ہے مگر یہ لوگ دوسروں کی پوجا کرتے ہیں۔

۵۔ وَ لَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ: سواری اور کھانے کے علاوہ بھی ان کے لیے ان مویشیوں میں ان کی لوازم زندگی کی آٹھ چیزیں موجود ہیں۔ جیسے ان کی کھال، بال، دودھ وغیرہ سے ان کی زندگی چلتی ہے۔

۶۔ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ: اس کے باوجود وہ اللہ کا نہیں، ایسوں کا شکر کرتے ہیں جن کا ان چیزوں کی فراہمی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو معبود بنا لیا ہے کہ شاید انہیں مدد مل سکے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ (حالانکہ) وہ (نہ صرف) ان کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ الٹے ان معبودوں کے (تحفظ کے) لیے آمادہ لشکر ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ ان تمام حقائق کے باوجود ان مشرکوں نے اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو اپنا معبود بنایا۔ یہ نعمتیں اللہ کی

طرف سے ہونے کے باوجود وہ اپنے جامد معبودوں کے آگے نذریں پیش کرتے ہیں اور ان سے مزید نعمت مانگتے ہیں۔ جبکہ یہ مشرکین خود اس بات کے قائل ہیں کہ ان مویشیوں کی خالق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مشرکین کے عقائد میں یہ ایک عجیب منطق ہے کہ مویشی کو پیدا اللہ کرتا ہے، اس کے تھن سے دودھ دوسرے دیتے ہیں۔

۲۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ : حالانکہ یہ بے شعور معبود ان کی کوئی کمک نہیں کر سکتے۔ چونکہ یہ کسی قسم کی کمک کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

۳۔ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ: البتہ ان بتوں کے عبادت گزار اپنے معبودوں کی حفاظت کے لیے ایک آمادہ اور حاضر باش لشکر ضرور ہیں۔ یہ معبود اپنی بقا کے لیے ان عبادت گزاروں کے محتاج ہیں، وہ ان کی کیا مدد کریں گے؟ اگر یہ لوگ انہیں نہ تراشیں اور سجا کر بتکدے میں حفاظت سے نہ رکھیں، دن رات ان کی دیکھ بھال نہ کریں، ان کی معبودیت کا چرچا نہ کریں تو ان کی معبودیت ایک دن کے لیے بھی باقی نہ رہے۔ پس ان کے یہ معبود ان پوجا کرنے والوں کو کیا تحفظ دیں گے۔ الٹا یہ اپنے معبودوں کو تحفظ دیتے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ انسانی زندگی چلانے والی وہ ذات ہے جس نے ان مویشیوں کو انسان کے لیے مسخر کیا۔

۲۔ مشرکین کی فکری بے مائیگی ہے کہ جو معبود خود ان کے محتاج ہیں ان کے پاس اپنی حاجتیں لے جاتے ہیں۔

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ لہٰذا ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں، ہم سب باتیں جانتے ہیں جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ : ایسے لوگوں کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں جن کی فکری سطح اس قدر گری ہوئی ہے کہ ایسے معبودوں سے مدد کی توقع رکھتے ہیں جو خود ان کے محتاج ہیں۔ ان کی ہرزہ گوئی سے آپ کو کوئی نقصان پہنچنے والا نہیں ہے۔

۲۔ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ: ایک ایسی ذات آپ کی پشت پر ہے جو ان کی بیہودہ باتوں کے پیچھے موجود عزائم سے آگاہ ہے۔ آپ ایک ایسی ذات کے زیر نظر ہیں جس کی نظر میں آپ کے دشمنوں کی ہر پوشیدہ اور اعلانیہ باتیں ہیں۔ آپ کو ان سے، کسی قسم کا گزند پہنچانے اور آپ کے مشن کو ناکام

کرنے کا خطرہ نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ الٰہی مشن کی حامل ہستیوں کو دشمن کا طعنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ کیا انسان یہ نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے اتنے میں وہ کھلا جھگڑالو بن گیا؟

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ پھر وہ ہمارے لیے مثالیں دینے لگتا ہے اور اپنی خلقت بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے: ان ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟

تفسیر آیات

۱۔ اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ: کیا اعادۂ حیات پر اعتراض کرنے والے اس بات پر نظر نہیں ڈالتے کہ ایک حقیر بوند سے پیدا ہونے والا انسان رب العالمین کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے۔ ان بوسیدہ ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرسکتا ہے۔ ایک ناتواں جرثومے سے پیدا ہونے والا یہ انسان اس قابل ہوسکتا ہے کہ اپنے خالق سے اعادۂ حیات کے بارے میں بحث اور مخاصمت کر سکے تو اس کا خالق اس بوسیدہ ہڈی کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کرسکتا؟

۲۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ: وہ ہمارے لیے مثالیں دیتا ہے کہ ہڈی کے خاک ہونے کے بعد اسے کون زندہ کرسکتا ہے اور اپنی خلقت کو بھول جاتا ہے کہ وہ بھی تو اسی خاک سے پیدا ہوا ہے۔ اس کے جسم کے تمام عناصر ارضی ہیں۔ چنانچہ بیج کا دانہ زیر زمین جا کر زمین کے مختلف عناصر جذب کر کے غذا تیار کرتا ہے۔ زمینی عناصر پر مشتمل غذا سے خون اور خون سے نطفہ اور نطفہ سے انسان بنتا ہے۔ کیا انسان اس بات کو بھول گیا کہ اس کا وجود اسی رَمِیْمٌ خاک کا مرہون منت ہے۔

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ کہہ دیجیے: انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کی تخلیق کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ: کہدیجیے: جس ذات نے پہلی بار انشا کیا ہے وہ احیاء پر بہتر قادر ہے۔ انشا عدم محض سے وجود دینے کو کہتے ہیں اور احیاء موجود چیز میں زندگی پیدا کرنے کو۔ جو ذات عدم سے ایجاد پر قادر ہے وہ رَمِیْمٌ کو زندہ کرنے پر بہتر قادر ہے۔ عدم سے رَمِیْمٌ ہزار درجہ بہتر ہے چونکہ عدم اور رَمِیْمٌ میں عدم اور وجود کا فرق ہے۔

روایت میں آیا ہے:

> شام کے ایک یہودی عالم نے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے کہا: حضرت ابراہیم نے کافر کو اپنی نبوت پر دلیل و برہان قائم کرکے مبہوت و متحیر کر دیا تھا!! حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسا کیا ہے۔ ایک منکر قیامت ابی بن خلف الجمحی آپ کے پاس آتا ہے۔ اس کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی تھی۔ اس نے اسے کو ریزہ کر دیا اور کہا: اے محمد! مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ؟ اس ہڈی کے خاک ہونے کے بعد اسے کون زندہ کرے گا؟ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی اپنی محکم آیات جاری فرماتے ہوئے ان کی نبوت پر برہان قائم فرمائی اور فرمایا: یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلے پیدا کیا تھا تو وہ بھی مبہوت اور متحیر ہو کر واپس گیا۔[1]

۲۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ: خلق کی ابتدا ہو یا اعادۂ تخلیق، راز خلقت کے مالک کو کسی قسم کی تخلیق میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ بِكُلِّ خَلْقٍ میں تخلیق کی اربوں کی تعداد میں موجود اقسام شاہد ہیں کہ وہ ہر قسم کی تخلیق جانتا ہے۔ چنانچہ سمندری اور خشکی کی مخلوقات، پرندوں کی اقسام جو انسان کے دائرہ معلومات میں آئی ہیں، ان کا ایک طائرانہ جائزہ لینے والا انتہائی شگفت انگیزی کے ساتھ کہدے گا: وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ۔ صدق اللّٰہ العلی العظیم اور ان اربوں موجودات میں انشا و احیا کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ دیکھ کہہ اٹھے گا: سبحان الخلاق العلیم۔

اہم نکات

۱۔ انسان کی اپنی خلقت میں معاد کی دلیل و نمونہ موجود ہے: وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ۔

۲۔ انشا و ایجاد سے اعادہ حیات اللہ کے لیے زیادہ آسان ہے۔

---

[1] نورالثقلین ذیل آیت

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔

تفسیر آیات

معاد اور اعادہ حیات کی ایک مثال ہرے بھرے درختوں سے آتش نکل آنا ہے کہ اگر دو ہری ٹہنیوں کو آپس میں رگڑ دیا جائے تو ان میں حرارت پیدا ہوتی ہے پھر آتش نکل آتی ہے۔

جنگلوں میں آگ اسی سے لگتی ہے کہ ہوا کی وجہ سے ٹہنیاں آپس میں رگڑ کھاتی ہیں اور آگ بھڑکتی ہے۔

اس جگہ قابل توجہ یہ ہے کہ ہرے درخت میں پانی کی رطوبت موجود ہوتی ہے۔ اس رطوبت میں آتش کی پیدائش، کیا اس بات کا ایک نمونہ نہیں ہے کہ اس بوسیدہ ہڈی سے زندگی کی حرارت پیدا ہو جائے گی؟

استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
پانی میں آگ، آگ میں پانی خدا کی شان

میر انیس

اہم نکات

۱۔ ہری ٹہنی کی رطوبت سے آتش نکل آتی ہے تو بوسیدہ ہڈی سے زندگی بھی نکل سکتی ہے۔

اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰی ۙ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، آیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کرے؟ کیوں نہیں! وہ تو بڑا خالق، دانا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ: کیا جس ذات نے آسمانوں اور زمین پر مشتمل ایک کائنات بنائی ہے اسے اعادۂ حیات میں کیا مشکل پیش آ سکتی ہے جب کہ کائنات کی تخلیق کے مقابلے میں انسان کی تخلیق کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔ فرمایا:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے خلق کرنے

مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ....[1]　　سے زیادہ بڑا کام ہے۔

کائنات کا وہ حصہ جو انسان کے احاطۂ علمی میں آیا ہے، محیر العقول ہے۔ کل کائنات کا انسان کو نہ علم ہے نہ اندازہ۔ جس کہکشاں میں ہمارا نظام شمسی موجود ہے، کہتے ہیں اس میں تین ارب ستارے موجود ہیں۔ یعنی تین ارب آفتاب موجود ہیں۔ ان میں ایک ہمارا آفتاب ہے۔ اب تک بیس لاکھ کہکشاؤں کا اندازہ ہو سکا ہے۔ ان میں ہم سے قریب ترین کہکشاں کا فاصلہ دس لاکھ نوری سال ہے اور دور ترین کہکشاں کی روشنی ہم تک دس کروڑ سال میں پہنچی ہے۔ بعض کہکشاؤں کی روشنی اربوں سال سے چلی آرہی ہے ابھی ہم تک نہیں پہنچی۔ واضح رہے کہ روشنی کی رفتار ۱۸۸۲۸ میل فی سیکنڈ ہے۔

۲۔ اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ: اس جملے میں مِثْلَهُمْ ''ان جیسے'' کا ذکر آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود وہی نہیں، ان کی مثل پیدا ہو گے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ معاد جسمانی ہے۔ ہم دنیا کے اسی جسم کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اور اسی ڈھانچے میں روح دوبارہ پھونکی جائے گی۔ واضح رہے یہ ڈھانچہ دنیا میں بھی ہر چھ سال بعد خلیات کی شکست و ریخت کے نتیجے میں بدل جاتا ہے۔ لہٰذا ہم اس دنیا میں ہمیشہ ایک ڈھانچے میں نہیں ہوتے۔ ہمیشہ مِثْلَهُمْ میں ہوتے ہیں۔ البتہ جو نہیں بدلتا وہ روح ہے۔ اس بات سے آخرت کی مِثْلَهُمْ کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

۳۔ بَلٰى ۚ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ: کیوں نہیں قادر!! وہ خلاقیت میں اور کس طرح خلق کرنا ہے؟ اس کے علم میں بے مثل ہے۔ وہ تمام رازہائے تخلیق پر قدرت اور علم رکھتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ ایک لامتناہی کائنات کے خالق کے لیے ایک ڈھانچے میں دوبارہ زندگی پھونکنا نہایت آسان کام ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو بس اس کا امر یہ ہوتا ہے کہ اسے یہ کہے: ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی سلطنت ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا: جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کر لیتا ہے تو صرف

---

[1] ۴۰ غافر: ۵۷

ارادے سے وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ ارادے سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ لفظ کُنْ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ایجاد سے پہلے کوئی مخاطب نہیں ہوتا جس سے کُنْ کا خطاب کیا جائے۔ بنابرایں کُنْ انسان کو سمجھانے کے لیے ایک لفظی تعبیر ہے جو عالم ایجاد کی باتوں کو تمثیلی تعبیر کے بغیر سمجھنے سے قاصر ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے:

يَقُولُ لِمَنْ اَرَادَ كَوْنَهُ كُنْ فَيَكُونُ لَا بِصَوْتٍ يَقْرَعُ وَلَا بِنِدَاءٍ يُسْمَعُ وَ اِنَّمَا كَلَامُهُ سُبْحَانَهُ فِعْلٌ مِنْهُ اَنْشَاَهُ...[1]

جسے پیدا کرنا چاہتا ہے اسے ''ہو جا'' کہتا ہے جس سے وہ ہوجاتی ہے بغیر کسی ایسی آواز کے جو کان (کے پردوں) سے ٹکرائے اور بغیر ایسی صدا کے جو سنی جا سکے بلکہ اللہ سبحانہ کا کلام بس اس کا ایجاد کردہ فعل ہے۔

واضح رہے اگر کوئی کام وسائل اور علل و اسباب کے ذریعے انجام دینا ہو تو آسان اور مشکل کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ سادہ اور کم علل و اسباب والا کام آسان اور زیادہ اور پیچیدہ علل و اسباب والا کام مشکل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی علل و اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ وہ کسی کام کو انجام دینا چاہتا ہے تو صرف ایک ارادہ کافی ہے اور اللہ کا ارادۂ تکوینی حتمی طور پر نافذ العمل ہو جاتا ہے۔ ممکن نہیں اللہ کسی کام کا ارادہ کرے اور وہ ارادہ نافذ نہ ہو۔

اس آیت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اعادۂ حیات کے لیے اللہ کا ایک ارادہ کافی ہے۔

۲۔ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ: ملکوت صیغہ مبالغہ ہے ملك کا۔ جیسے رحموت، رحمة کا صیغہ مبالغہ ہے۔ آیت کا مطلب یہ بنتا ہے: پاکیزہ ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے کی حقیقی ملکیت ہے اور اللہ پر شے پر ہر قسم کا تصرف کرسکتا ہے۔ اسے وجود میں لاسکتا ہے، ختم کرسکتا ہے اور دوبارہ زندہ کرسکتا ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ توحید


سُورَةُ الصَّافَّاتِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورۃ کا نام اس کی ابتدا میں مذکور الصّٰفّٰتِ سے ماخوذ ہے۔

یہ مکمل سورۃ مکہ میں نازل ہوئی اس کی آیات کی تعداد ایک سو بیاسی ہے (۱۸۲) ہے۔ اس سورۃ المبارکہ کا اسلوب کلام اس طرح ہے کہ آیات مختصر ہیں۔ جس سے مکی زندگی میں لوگوں کے لیے حفظ کرنے میں آسانی ہوتی اور اسلوب میں معجزانہ لہجہ باقی سورہ ہائے قرآن کی بہ نسبت زیادہ نمایاں ہے۔ مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشرکین کی مخالفت، طعنے اور استہزاء عروج پر تھا۔ اسی مناسبت سے ان باتوں کی رد بھی پوری قوت سے ہو رہی ہے۔

اس سورہ مبارکہ میں خاص طور پر معجزہ یہ ہے کہ اس کی آیات ۱۷۱ تا ۱۷۳ میں فرمایا:

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝	اور بتحقیق ہمارے بندگان مرسل سے ہمارا یہ وعدہ ہو چکا ہے۔ یقیناً وہ مدد کیے جانے والے ہیں، اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب آ کر رہے گا۔

آیات میں یہ پیشگوئی ایسے حالات میں ہو رہی ہے کہ کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ مٹھی بھر مسلمان نہایت بے سروسامانی میں مشرکین کے طعنے سن رہے تھے۔ ممکن ہے اس وقت مکے میں چالیس سے پچاس تک مسلمانوں کی نہایت بے بسی کی حالت میں قرآن یہ اعلان فرما رہا ہے: وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب آ کر رہے گا۔ اس آیت کے نزول کے وقت کوئی لشکر موجود نہ تھا۔ چند بے بس لوگ تھے۔

مشرکین کہتے تھے: وہ عذاب جس سے ہمیں ڈراتے ہو کب آئے گا؟ جواب میں آیت ۱۷۷ میں ارشاد فرمایا:

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝	پس جب یہ (عذاب) ان کے دالان میں اترے گا تو تنبیہ شدگان کی صبح بہت بری ہو گی۔

چنانچہ چشم فلک نے دیکھ لیا دس ہزار پر مشتمل لشکر نے فتح مکہ کے موقع پر ان کے گھروں کے دالان میں ذلت و رسوائی اور ننگ و عار اتار دیا ہے اور عمر بھر رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے والے بظاہر حکم اسلام زبان پر جاری کر کے اپنی جان بچانے پر مجبور ہو گئے۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

وَ الصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾

۱۔ قسم ہے پوری طرح صف باندھنے والوں کی،

فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۙ﴿۲﴾

۲۔ پھر بطور کامل جھڑکی دینے والوں کی،

فَالتّٰلِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ﴿۳﴾

۳۔ پھر ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی،

اِنَّ اِلٰہَکُمۡ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾

۴۔ یقیناً تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ الصّٰٓفّٰتِ صَفًّا: یہ قرآن کا پہلا سورہ ہے جس کی ابتدا قسم سے ہو رہی ہے۔ قسم ہے فرشتوں کی اس جماعت کی جو صف بستہ عبادت میں کھڑی ہے۔ چنانچہ فرشتے خود اپنے بارے میں کہتے ہیں:

وَّ اِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ۝[1] — اور ہم ہی صف بستہ رہتے ہیں۔

وَ صَافُّونَ لَا یَتَزَایَلُونَ ...[2] — وہ صف بستہ ہوتے ہیں اور صفیں چھوڑتے نہیں ہیں۔

فرشتے اللہ کی اطاعت میں ہمیشہ صف بستہ کھڑے رہتے ہیں چونکہ اوامر الٰہی کا نفاذ فرشتوں کے ذریعے ہوتا ہے۔

۲۔ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا: قسم ہے فرشتوں کی اس جماعت کی جو سختی سے جھڑکی دینے والی ہے۔ شیطانوں کو بھگانے والی یا انسان کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے ہر قسم کے خطرات کو دور کرنے والی جماعت:

یُرۡسِلُ عَلَیۡکُمۡ حَفَظَۃً ...[3] — اور تم پر نگہبانی کرنے والے بھیجتا ہے۔

اِنۡ کُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَیۡہَا حَافِظٌ ۝[4] — کوئی نفس ایسا نہیں جس پر نگہبان نہ ہو۔

---

[1] ۳۷ صافات: ۱۶۵ [2] نہج البلاغہ: خطبہ اول [3] ۶ انعام: ۶۱ [4] ۸۶ طارق: ۴

یہ فرشتے شیطان کی گمراہی اور اللہ کی نافرمانی سے بچاتے ہیں۔

۳۔ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا: فرشتوں کی اس جماعت کی قسم جو ذکر کی تلات کرتے ہیں۔ ایک تفسیر کے مطابق وہ فرشتے جو وحی الٰہی لے کر نازل ہوتے اور رسولوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں۔

۴۔ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ: تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ عالم بالا، عالم ارضی اور ان دونوں کے درمیان قائم نظام صرف اور صرف ایک ہی معبود کی نشاندہی کرتا ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵

۵۔ جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار اور مشرقوں کا پروردگار ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ اللہ واحد وہی ہے جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان موجودات کو ایک تدبیر کے ساتھ چلا رہا ہے اور ان موجودات کا رَب اور مالک ہے۔

۲۔ وَرَبُّ الْمَشَارِقِ: اور وہ مشرقوں کا مالک۔ مشرقوں کا اس جگہ ممکن ہے اس لیے ذکر ہوا ہو کہ سورج کے طلوع کا تدبیر حیات میں کلیدی کردار ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کی وحدانیت پر کل کائنات کا نظام شاہد ہے۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝۶

۶۔ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا،

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷

۷۔ اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ بھی۔

تفسیر آیات

۱۔ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا: ہم نے قریب ترین آسمان کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو ستارے اور کہکشائیں انسان کے مشاہدے میں آئی ہیں وہ سب سات آسمانوں میں سے صرف آسمانِ اول السَّمَآءَ الدُّنْيَا سے متعلق ہیں بلکہ پہلے آسمان کے بارے میں بھی انسانی مشاہدات اور معلومات نہایت محدود ہیں۔ چنانچہ آسمان اولیٰ کا جو حصہ انسانی مشاہدے میں آیا ہے اس کی وسعت کا یہ عالم

ہے کہ بعض کہکشاؤں کی روشنی اربوں سالوں سے چلی ہوئی ہے لیکن ابھی تک ہم تک نہیں پہنچی۔ یادرہے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار دوسو چوراسی میل فی سیکنڈ ہے۔

۲۔ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ: انہی ستاروں کو جہاں آسمان اول کے لیے زینت بنایا وہاں ان ستاروں کو مردود شیاطین کو بھگانے کا بھی ذریعہ بنایا ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ عالم بالا میں جہاں ان ستاروں کا دائرہ اثر ہے ان ملکوتی فضاؤں میں شیاطین کا داخلہ ناممکن ہے۔

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝۸
۸۔ کہ وہ عالم بالا کی طرف کان نہ لگا سکیں اور ہر طرف سے ان پر (انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔

دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝۹
۹۔ دھتکارے جاتے ہیں اور ان پر دائمی عذاب ہے۔

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝۱۰
۱۰۔ مگر ان میں سے جو کسی بات کو اچک لے تو ایک تیز شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ: الْمَلَاِ جماعت کے معنوں میں ہے اور یہ لفظ شریف جماعت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ان ستاروں کی وجہ سے شیاطین عالم بالا کی شریف جماعت کی باتوں کی طرف کان نہیں لگا سکتے۔ شریف جماعتوں سے مراد وہ ملائکہ ہو سکتے ہیں جو تدبیر امور پر مامور اور اس کائنات میں رونما ہونے والے رازوں سے واقف ہیں۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے:

عربوں میں کہانت کا بڑا چرچا تھا اور کاہنوں سے غیب کی خبریں معلوم کرنے کا رواج عام تھا۔ کاہنوں کا یہ دعویٰ تھا کہ جن اور شیاطین انہیں یہ خبریں بتاتے ہیں۔

مشرکین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی کاہن ہونے کا الزام لگایا جیسا کہ سورۂ شعراء میں اس کی رد آئی ہے:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ [1]

اور اس قرآن کو شیاطین نے نہیں اتارا۔ اور نہ یہ کام ان سے کوئی مناسبت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ استطاعت رکھتے ہیں۔ وہ تو یقیناً (وحی کے) سننے سے بھی دور رکھے گئے ہیں۔

---

[1] ۲۶ شعراء: ۲۱۰ تا ۲۱۲

اس آیت میں بھی اس بات کی رد ہے کہ شیاطین عالم بالا میں موجود ملائکہ کی باتیں سن سکتے ہیں۔ اگر کوشش کرتے ہیں تو ان پر ہر طرف سے حملہ ہوتا ہے۔ممکن ہے ہر طرف سے مراد ان فضاؤں کا ماحول ہو جنہیں عبور کرنا شیاطین کے لیے ممکن نہ ہو۔ جس طرح انسان کو اپنی زمینی فضا سے خارج فضاؤں میں جانے کے لیے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ: مگر ان میں سے جو کسی بات کو سن بھی لے تو شہاب ثاقب اس کا تعاقب کرتا ہے اور اسے یا تو ختم کر دیتا ہے یا وہ بات سننے کی نوبت نہیں آنے دیتا۔

شہاب ثاقب کے بارے میں ہم نے سورۃ الحجر آیت ۱۸۔۱۹ میں تفصیلاً گفتگو کی ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں جمالیاتی قدروں کا بھرپور مظاہرہ ہے۔ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ....

۲۔ شیاطین کے لیے اللہ کے راز ہائے تدبیری میں مداخلت ممکن نہیں ہے۔

فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَهُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمۡ مَّنۡ خَلَقۡنَا ؕ اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ تو ان سے پوچھ لیجیے کہ کیا ان کا پیدا کرنا مشکل ہے یا وہ جنہیں ہم نے (ان کے علاوہ) خلق کیا ہے؟ ہم نے انہیں لیسدار گارے سے پیدا کیا۔

تشریح کلمات

لَّازِبٍ: (ل ز ب) اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی مقام پر ثبت ہو جائے اور چمٹ جائے۔

تفسیر آیات

۱۔ اے رسول! خود منکرین قیامت سے سوال کریں کہ تمہاری نظر میں خود تمہاری تخلیق مشکل کام ہے یا دیگر کائنات کی تخلیق۔ جس ذات نے بیکراں کائنات کو خلق کیا ہے اس کے مقابلے میں خود تمہاری ابتدائی تخلیق یا اعادۂ تخلیق کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

۲۔ اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ: تم کہتے ہو کہ انسان مرنے کے بعد جب مٹی ہو جاتا ہے تو دوبارہ کیسے زندہ ہو جاتا ہے؟ جواب میں فرمایا:

خود ان انسان کی تخلیق بھی مٹی سے ہوئی ہے۔ اگر مٹی میں زندگی نہیں آ سکتی ہے تو خود تم میں زندگی کیسے آ گئی؟ تم بھی تو لیس دار گارے سے پیدا ہوئے ہو۔

لیسدار گارے یعنی مٹی میں پانی پڑنے سے اس میں نباتی حیات آ جاتی ہے۔ اسی نبات سے انسان

اور حیوان اپنی غذا حاصل کرتے ہیں اور اسی غذا سے نطفہ بن جاتا ہے۔ پھر انسان کی تخلیق ہو جاتی ہے۔

اہم نکات

۱۔ انسان کی ابتدائی تخلیق ہو یا اعادہ تخلیق دونوں کا تعلق مٹی سے ہے۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾
وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾
وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

۱۲۔ بلکہ آپ تعجب کر رہے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں۔
۱۳۔ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت نہیں مانتے۔
۱۴۔ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔
۱۵۔ اور کہتے ہیں: یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ: آپ کے اور ان کے موقف میں کتنا زیادہ فاصلہ ہے۔ اعادۂ حیات پر واضح دلائل اور نظیریں پیش کرنے پر یقین کرنے کی بجائے وہ اس کا انکار کرتے ہیں تو ان کے اس انکار سے آپ کو تعجب ہو رہا ہے اور مشرکین اس موضوع کا مذاق اڑاتے ہیں:

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ....[1]

اور اگر آپ کو تعجب ہوتا ہے تو ان (کفار) کی یہ بات تعجب خیز ہے کہ جب ہم خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے؟

اعادۂ حیات کے انکار پر آپ کو تعجب ہو رہا ہے اور مشرکین اسی اعادہ حیات کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔ جو موضوع آپ کے لیے اس قدر واضح ہے کہ اس کے انکار پر تعجب ہوتا ہے، وہی موضوع مشرکین کے لیے اس قدر نامعقول ہے کہ اس کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔

۲۔ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ: وہ اعادۂ حیات کو اس قدر نا معقول سمجھتے ہیں کہ اس موضوع کو سمجھنے اور اس کے بارے میں کسی نصیحت کو قبول کرنے کے لیے آمادہ بھی نہیں ہیں۔

۳۔ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ: اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس معجزے سے اثر لینے کی جگہ اس کا بھی تمسخر اڑاتے ہیں۔ مثلاً شق القمر کا عظیم معجزہ دیکھ کر ایمان لے آنا چاہیے تھا مگر وہ اسے جادو

---

[1] ۱۳ رعد: ۵

کہتے ہیں۔

۴۔ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو کھلا جادو کہنا خود اپنی جگہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے علاوہ بھی معجزے پیش کیے تھے۔ قرآن کو تو وہ شاعرانہ کلام کہتے تھے چونکہ معجزے اور جادو، دونوں کا تعلق بظاہر عام بشری طاقت سے باہر ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جادو حقیقت سے دور، صرف دھوکہ ہوتا ہے اور معجزہ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ مشرکین اعادۂ حیات کو نا معقول سمجھتے ہیں جب کہ اسے قبول نہ کرنا باعث تعجب ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے علاوہ بھی معجزات پیش کیے ہیں جنہیں یہ لوگ جادو کہتے تھے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۶۔ کیا جب ہم مر چکیں گے اور خاک اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے؟ ۱۷۔ کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اٹھائے جائیں گے)؟

تفسیر آیات

۱۔ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا: مشرکین کا یہ قول قرآن مجید نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ سورۂ رعد:۵، مومنون:۳۵، نحل:۶۷، ق:۳، واقعہ:۴۷ اور اس سورہ میں دو مقامات پر اس موقف کا ذکر ہے:

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ....[1]

اور وہ کہتے ہیں: جب ہم زمین میں ناپید ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی خلقت میں آئیں گے؟

دیگر آیات میں بھی ان کے اس موقف کا ذکر کیا ہے: جب ہم خاک ہو جائیں گے تو خاک میں زندگی کیسے آ سکتی ہے۔ ہمارے باپ دادا برسوں سے قبروں میں خاک ہو چکے ہیں۔ کیا وہ بھی زندہ ہو جائیں گے؟

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ

۱۸۔ کہہ دیجیے: ہاں اور تم ذلیل کر کے (اٹھائے جاؤ گے)۔ ۱۹۔ وہ تو بس ایک جھڑکی ہو گی پھر وہ اپنی آنکھوں

[1] ۳۲ سجدہ: ۱۰

يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ سے دیکھیں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ نَعَمْ: کہہ دیجیے: تم زندہ کیے جاؤ گے۔ تم ذلت وخواری کی حالت میں زندہ کیے جاؤ گے۔ جب ان لوگوں کو زندہ کیا جائے گا کہ پوری زندگی اس کا انکار اور اس فکر کا تمسخر اڑاتے رہے ہیں ان کا زندہ کیا جانا خود ایک اہانت ہوگی۔

۲۔ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ: کہہ دیجیے کہ تمہارا دوبارہ زندہ کرنا اللہ کے لیے نہ صرف مشکل نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک جھڑکی سے زیادہ کا کام نہیں ہے۔ اے منکرو! تمہیں زندہ کرنے کا طریقہ بھی ایسا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیض وغضب کے ساتھ آنے والی ایک جھڑکی ہوگی۔

۳۔ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ: اس خوفناک آواز کے نتیجے میں تم اٹھ جاؤ گے اور دیکھنے لگ جاؤ گے کہ یہ کیا ہوگیا۔ محشر کی ہولناکیاں دیکھ کر تمہاری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ دوسری جگہ فرمایا:

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝[1] — پھر دوبارہ اس میں پھونک ماری جائے گی تو اتنے میں وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾
هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

۲۰۔ اور کہیں گے: ہائے ہماری تباہی! یہ تو یوم جزا ہے۔
۲۱۔ یہ فیصلے کا وہ دن ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا: جیسے وہ زندہ ہو جائیں گے اور ہوش میں آ جائیں گے، صورت حال ان پر واضح ہو جائے گی۔ حقیقت سامنے آجائے گی تو بات سمجھ میں آجائے گی اور کہیں گے: هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ہائے ہماری رسوائی یہ تو یوم جزا ہے۔

۲۔ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ: دوسری طرف ان کو بتا دیا جائے گا۔ ہاں اب تم سمجھ گئے۔ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جس کی تم پوری زندگی تکذیب کرتے رہے۔

يَوْمُ الْفَصْلِ سے مراد یہ ہوسکتا ہے کہ آج اس بات کا فیصلہ ہونے والا ہے کہ اہل جنت کون ہیں اور اہل جہنم کون ہیں۔ دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آج مومن کو منکر اور مجرم کو متقی سے جدا کرنے والا

---

[1] ۳۹ زمر: ۶۸

دن ہے۔

اہم نکات

۱۔ منکرین، قیامت کے دن ذلت وخواری کے ساتھ محشور ہوں گے۔

۲۔ قیامت برپا کرنے کے لیے ایک زور دار جھڑکی کافی ہے۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾

۲۲۔ گھیر لاؤ ظلم کا ارتکاب کرنے والوں کو اور ان کے ہم جنسوں کو اور انہیں جن کی یہ پوجا کیا کرتے تھے۔ ۲۳۔ اللہ کو چھوڑ کر۔ پھر انہیں جہنم کے راستے کی طرف ہانکو۔

تفسیر آیات

۱۔ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: مجرمین کی قسمت کا فیصلہ ہونے کے بعد متعلقہ فرشتوں کو یہ حکم ملے گا: درج ذیل گروہوں کو ایک جگہ جمع کرو:

جن لوگوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔ ظلم کا ارتکاب کرنے والوں سے مراد وہ ظالم لوگ ہیں جنہوں نے شرک کا ارتکاب کیا، اس پر ڈٹے رہے اور کفر وشرک کی حالت میں مر گئے۔

۲۔ وَاَزْوَاجَهُمْ: اور ان ظالموں کے ہم جنس لوگوں کو بھی جمع کرو۔ ہم جنس سے مراد وہ شیاطین ہو سکتے ہیں جنہوں نے ان مشرکین کو گمراہ کیا۔

۳۔ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: اور ان کے معبودوں کو بھی ان کے ساتھ جمع کرو۔ ان کے بتوں، فراعنہ ونمرودوں اور وہ جن کی اطاعت کر کے یہ لوگ گمراہ ہوئے ہیں، کو ایک جگہ جمع کرو۔ ان معبودوں میں ملائکہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام شامل نہیں ہیں چونکہ ان ہستیوں نے اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی۔

۴۔ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ: حکم ہو گا کہ ان سب کی آتش جہنم کی طرف ہدایت کرو۔ جہنم کی طرف ہدایت کرو، ایک تحقیری جملہ ہے۔ جس طرح فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ "انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں" کہنے میں تحقیر وتذلیل ہے۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ انہیں روکو ان سے پوچھا جائے گا۔

تفسیر آیات

انہیں جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے رکنے کا حکم ہو گا کہ ان سے سوال ہو گا۔ مضمون سوال کیا ہو گا؟ بعض کے نزدیک مضمون یہ ہو گا:

اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ رَبِّکُمْ ....[1]

کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے، جو تمہارے رب کی آیات تمہیں سناتے....

بعض دیگر مفسرین لکھتے ہیں: ان کے اعمال و عقائد کے بارے میں سوال ہو گا۔

فضائل: اس جگہ از باب تطبیق متعدد روایات موجود ہیں کہ اس مرحلے میں ولایۃ علی علیہ السلام کے بارے میں سوال ہو گا۔ ہم ذیل میں ان روایت کے ساتھ شیعہ سنی مصادر کا ذکر کرتے ہیں:

ابو ھارون العبدی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے: وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَسْئُوْلُوْنَ امامت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اس روایت کو دوسرے طریق سے قیس نے ابو ھارون سے، انہوں نے ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے۔ اس میں کہا ہے: عن ولا یۃ علی بن ابی طالب. ملاحظہ ہو شواھد التنزیل ۲: ۱۶۱،، تاریخ بغداد ۸: ۹۵

اس روایت کو حافظ ابن مردویۃ نے چند ایک طرق سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کشف الغمۃ ۱: ۳۱۵ اور حاکم حسکانی نے سعید بن جبیر کی روایت ابن عباس سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا کان یوم القیامۃ اوقف انا و علیٌّ علی الصراط ، فمایمرُّ بنا احد الاسألناہ عن ولایۃ علی فمن کانت معہ والا القیناہ فی النار و ذلک قولہ: وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ۔[2]

جب قیادت کا دن ہو گا مجھے اور علی کو پل صراط پر بٹھادیا جائے گا۔ پھر جو شخص بھی گزرے گا اس سے ہم ولایت علی کے بارے میں پوچھیں گے اگر اس کے ساتھ ولایت علی موجود ہے تو درست ورنہ اسے آتش میں پھینک دیں گے اور یہ اللہ کا فرمان ہے: انہیں روکو ان سے پوچھا جائے گا۔

ایک اور روایت میں مغیرہ سے، انہوں نے شعبی سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے یہی مضمون روایت کیا ہے۔ دیگر روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا یزول قدم عبد یوم القیامۃ حتی یسئل عن اربعۃ عن عمر فیما افناہ

قیامت کے دن انسان کا کوئی قدم آگے نہیں بڑھے گا جب تک چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو۔ اس

---

[1] ۳۹ زمر: ۷۱ [2] شواھد التنزیل ۲: ۱۱۳

و عن شبابه فيما ابلاه و عن ماله من اين اكتسبه و فيها انفقه و عن حبنا اهل البيت۔[1]

کی عمر کے بارے میں کہ کس چیزیں گزاری۔اس کے جوانی کے بارے میں کہ اسے کس چیز میں ختم کیا۔ اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور ہم اہل بیت کی محبت کے بارے میں.

اہل سنت کے مصادر میں بھی یہ روایت موجود ہے مگر عن حبنا اهل البيت کی جگہ عن عمله ماذا عمل به ہے۔

آلوسی روح العانی میں اس روایت کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

و اولى هذه الاقوال ان السوال عن العقائد والاعمال ورأس ذلك لا اله الا اللّٰه و من اجله ولاية على كرم اللّٰه وجهه وكذا ولاية اخوانه الخلفاء الراشدين رضى اللّٰه تعالىٰ عنهم اجمعين۔

ان اقوال میں بہتر قول یہ ہے کہ سوال عقائد و اعمال سے ہو گا۔ ان میں سب سے اہم لا الہ الا اللہ ہے اور ان میں سب سے جلیل القدر ولایت علی کرم اللہ وجہ ہے اور اسی طرح ان کے برادران خلفائے راشدین کی ولایت ہے۔

ولایت علی علیہ السلام سے سوال تو حدیث کے مطابق ہے مگر دیگر خلفاء کی ولایت مؤلف کی اپنی ذاتی خواہش کے مطابق ہے۔

اہم نکات

۱۔ قیامت کے دن حضرت علی علیہ السلام اور اہل بیت کی ولایت کے بارے میں سوال ہو گا۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿۲۵﴾
بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿۲۶﴾

۲۵۔ تمہیں ہوا کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟
۲۶۔ بلکہ آج تو وہ گردنیں جھکائے (کھڑے) ہیں۔

تفسیر آیات

جب ان جہنمیوں کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو کوئی کسی کی مدد کو نہیں پہنچ رہا ہو گا۔ دنیا میں ان دوستوں، سرداروں، پیروں پر کوئی گزند آنے کا خدشہ ہوتا تو تم لوگ اپنی جان نچھاور کرتے اور مؤمنین کے خلاف ملت واحدہ بن کر ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے، آج ایک دوسرے کی مدد کے لیے آگے کیوں نہیں آتے؟

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ: مگر آج وہ گردن جھکائے بیٹھے ہیں۔ آج تو اپنے آپ کو تباہی کی طرف

---

[1] بحار ۲۷: ۳۱۱

لے جانے والوں کے آسانی سے حوالہ کر رہے ہیں۔ کل دنیا میں اللہ کے سامنے جھکنے میں عار محسوس کرتے تھے۔ اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کو تکبر و نخوت کے ساتھ ٹھکراتے تھے اور آج کی رسوائی سے بچنے کے لیے جو نصیحتیں ہوتی تھیں ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے باہم سوال کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

ان اہل جہنم میں بعض وہ لوگ جو تابع، مرید اور رعیت رہ چکے ہیں، ان بعض سے سوال کریں گے جو سردار، پیر و مرشد اور لیڈر تھے۔

اس سے آگے چند آیات میں اہل جہنم کے باہمی جھگڑے کا ذکر ہے کیونکہ شکست خوردہ لوگ شکست کے بعد ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اور شکست کی ذمے داری ایک دوسرے پر ڈالتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ کہتے ہیں: تم ہمارے پاس طاقت سے آتے تھے۔

تفسیر آیات

الْيَمِيْنِ: آیت کے سیاق کے مطابق یہاں طاقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے چونکہ اگلی آیت میں ان کے جواب میں کہا گیا: وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تابع اور زیر اثر لوگ اپنے سرداروں سے کہیں گے: تم نے طاقت اور اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے ہمیں گمراہ کیا۔

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾

۲۹۔ وہ کہیں گے: بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہ تھے،

۳۰۔ ورنہ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ سرداروں کا جواب میں یہ کہنا ہے کہ تم خود ایمان کی رغبت نہیں رکھتے تھے۔ ایمان سے تمہاری

محرومی کا سبب ہم نہیں تھے۔ تم اگر ایمان لاتے اور اس پر قائم رہتے تو یہ تمہارے لیے ممکن تھا۔

۲۔ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ: ہمارے بس میں نہیں تھا کہ ہم تم سے ایمان سلب کر لیں۔ اگر کوئی بالادستی تھی بھی تو وہ خود تمہاری طرف سے ہمیں بالادستی ملی۔ تم نے خود ہمیں بالادستی دی تھی ورنہ تم ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

۳۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ: تم خود سرکش لوگ تھے ورنہ ہمارے کہنے پر ایمان کو مسترد نہ کرتے، انبیاء کے خلاف محاذ قائم نہ کرتے، ہمارے خلاف محاذ قائم کرتے۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ پس ہمارے بارے میں ہمارے رب کا فیصلہ حتمی ہو گیا، اب ہم (عذاب) چکھیں گے۔

تفسیر آیات

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہمارے خلاف اٹل ہو گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حتمی فیصلے کی زد میں آ گئے۔ وہ حتمی فیصلہ یہ تھا کہ جو لوگ کفر پر ڈٹ جاتے اور کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں ان کے لیے عذاب لازمی ہے۔

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا جب کہ ہم خود بھی گمراہ تھے۔

تفسیر آیات

ہم نے تمہیں اس لیے گمراہ کیا چونکہ خود ہم بھی گمراہ تھے۔ ہم اگر گمراہ نہ ہوتے تو تمہیں گمراہی کی دعوت نہ دیتے۔ تم اگر گمراہ نہ ہوتے تو ہماری دعوت پر لبیک نہ کہتے۔

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ تو اس دن وہ سب کے سب عذاب میں شریک ہوں گے۔

تفسیر آیات

پیر و مرشد بھی مرید بھی، گمراہ کرنے والے بھی اور گمراہ ہونے والے بھی، سب عذاب میں شریک ہوں گے۔ پیر کا یہ عذر نہیں سنا جائے گا کہ مرید خود ایمان لانا نہیں چاہتا تھا اور مرید کا یہ عذر نہیں سنا جائے گا

کہ اسے پیر نے مجبور کیا۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۳۴ ۳۴۔ ہم مجرموں کے ساتھ یقیناً ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

مجرمین کے ساتھ یہ سلوک اس لیے کرتے ہیں:

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ ۝[1] بھلا جو مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

جب ان دونوں کا برابر ہونا ممکن نہیں ہے تو مومن کو ثواب نہ دینا اور کافر کو عذاب نہ دینا ممکن نہیں ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۳۵ ۳۵۔ جب ان سے کہا جاتا تھا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے،

تفسیر آیات

پتھر کے سامنے جھکنے میں عار نہیں آتا تھا۔ رب العالمین کی وحدانیت کا اقرار کرنے میں اس لیے تکبر کرتے تھے کہ عبد اللہ کے یتیم کے کہنے پر ہم کلمہ توحید کا اقرار کیوں کریں!

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝۳۶ ۳۶۔ اور کہتے تھے: کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟

تفسیر آیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہا ماننے سے تکبر ان کے دامن گیر ہوتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں عاجز اور کمتر پاتے تھے۔ اس احساس کمتری، حقارت اور حسد کی وجہ سے وہ جذبہ انتقام سے لبریز رہتے تھے۔ ان جذبات و احساسات کا ردعمل تکبر کی صورت میں سامنے آیا کیونکہ وہ پنپنے والے اپنے احساسِ حقارت کو تکبر کے ذریعے کم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے دیگر حربوں کا استعمال بھی جاری رکھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کلام پیش کیا اسے شعر اور خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر اور مجنون کہنا اس احساس حقارت و کمتری کا انتقامی حربہ تھا ورنہ بہتر طریقے سے جانتے تھے کہ یہ کلام شعر ہے اور نہ یہ رسول مجنون۔

---

[1] ۳۲ سجدہ: ۱۸

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ (نہیں) بلکہ وہ حق لے کر آئے ہیں اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ رسول نہ شاعر ہے، نہ مجنون بلکہ وہ حق لے کر آئے ہیں اور حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ ان کا پیغام خود اس بات کا شاہد ہے کہ یہ حق کا پیغام ہے۔

۲۔ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ: یہ کوئی نرالی بات نہیں سنا رہے ہیں۔ گزشتہ انبیاء کے پیغامات کے تسلسل کی ایک کڑی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ان تمام مرسلین کی تصدیق کرتے ہیں اور وہی بات کر رہے ہیں جو گزشتہ تمام انبیاء کرتے آئے ہیں۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾
وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۸۔ بتحقیق تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو۔
۳۹۔ اور تمہیں صرف اس کی جزا ملے گی جو تم کرتے تھے۔

تفسیر آیات

اے منکرو! تم نے آج دردناک عذاب چکھنا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ اپنے جذبہ انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لیے عذاب دے گا بلکہ اس عذاب کا موجب خود تمہارا عمل ہے جو تمہیں ستا رہا ہے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے۔

تفسیر آیات

سوائے ان بندوں کے جنہیں اللہ نے اپنے لیے برگزیدہ بنایا۔ ان کے عمل، ارادوں اور ان کی خواہش میں غیر اللہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مخلَص، بفتح لام وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے خالص بنایا ہے اور مخلِص بکسر لام وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے خالص بنایا ہے۔

جب انسان مخلِص ہوتا ہے اور اس کے اخلاص کو اللہ قبول فرماتا ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اپنے لیے مخلَص بناتا ہے۔ پہلے مخلِص ہوتا ہے، بعد میں مخلَص۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۴۱﴾
فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ ﴿۴۲﴾

۴۱۔ان کے لیے ایک معین رزق ہے،
۴۲۔ (ہر قسم کے) میوے اور وہ احترام کے ساتھ ہوں گے

تفسیر آیات

رزق کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ان مخلص بندوں کا رزق دوسروں سے مختلف اور متعین ہو۔ وہ اگرچہ فَوَاكِهُ میوے ہوں گے نام اور عنوان وہی ہوگا مگر لذت اور خصوصیات دوسروں سے مختلف ہوں گی۔ مثلاً جنت میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ الکبری سلام اللہ علیہا دونوں ایک ساتھ رہتے ہوئے ایک دسترخوان پر کھانا تناول فرما رہے ہوں گے لیکن لذت اور خصوصیات درجے کے مطابق ہوں گی۔ پھر یہ میوے غذا کے طور پر نہ ہوں گے۔ جنت میں انسانی جسم دنیا کی طرح تحلیل نہ ہوگا کہ غذا کی ضرورت پڑے بلکہ صرف لذت کے لیے ہوں گے۔

فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۴۳﴾

۴۳۔نعمتوں والی جنت میں۔

تفسیر آیات

یہ میوے نعمت بھری جنت میں صرف لذت کے لیے ہوں گے اور یہ نعمتیں کمانا نہیں پڑیں گی جیسے دنیا میں ہے بلکہ صرف ارادہ کرنا ہوگا۔ جنت کی نعمت کی یہ خصوصیت ہوگی کہ صرف ارادے سے میسر آ جائے۔

عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ وہ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

تفسیر آیات

ان نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت کا ذکر ہے کہ دوستوں کی محفل برپا ہو گی اور مسندوں پر ایک دوسرے کے روبرو بیٹھ کر مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے میں بھی ایک خاص لذت ہے۔خصوصاً یہ گفتگو گزشتہ دنیوی زندگی کی تلخیوں اور مختلف آزمائش میں کامیابیوں کے ذکر پر ہو اور دیگر ایسے لوگوں کو کا بھی ذکر آئے جو دنیا میں ان کے ساتھ اس دن کے بارے میں اختلاف اور دشمنی کرتے تھے۔

يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿۴۵﴾

۴۵۔بہتی شراب کے جام ان میں پھرائے جائیں گے۔

تفسیر آیات

بِكَأْسٍ: جس پیالے میں شراب موجود ہو عربی میں اسے کأس کہتے ہیں اور جس میں شراب نہ ہو اسے قدح کہتے ہیں۔ لہٰذا لفظ کأس، ساغر یا جام کہنے سے شراب خود ذہن میں آتی ہے۔ جنت کی پاکیزہ شراب پینے کے لیے کچھ کرنا نہیں پڑے گا صرف اس کا ارادہ کافی ہے جس پر جام بھر بھر کے ان کے درمیان پھرائے جائیں گے۔

مَّعِيْنٍ: جاری کے معنوں میں ہے۔ شراب کے چشمے جاری ہوں گے جن سے جام بھرنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی بلکہ جام پھرائے جا رہے ہوں گے۔

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾　　۴۶۔ جو چمکتی ہوگی، پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ پاکیزہ شراب چمکدار ہوگی۔ ہر قسم کی گندگیوں سے پاک اور شفاف ہوگی۔

۲۔ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ: اپنے پینے والوں کے لیے مجسمہ لذت ہوگی جس میں کسی قسم کی منفی خاصیت کا شائبہ تک نہ ہوگا البتہ سرور حاصل ہوگا۔

لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾　　۴۷۔ جس میں نہ سر درد ہوگا اور نہ ہی اس سے ان کی عقل زائل ہوگی۔

تشریح کلمات

غَوْلٌ: (غ و ل) کسی کو بے خبری میں ہلاک کرنا۔ العین میں آیا ہے الغول: الصداع۔ غول سر درد کو کہتے ہیں۔

يُنْزَفُوْنَ: (ن ز ف) نزف الماء کے معنی ہیں۔ کنویں سے تدریجا سارا پانی کھینچ لینا۔ اس سے مست اور عقل زائل ہونے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر آیات

اس پاکیزہ شراب میں وہ منفی خاصیتیں نہ ہوں گی جو دنیوی شراب میں ہوتی ہیں۔ نہ اس میں بدبو

ہوگی، نہ ذائقہ میں تلخی، نہ صحت پر برے اثرات مترتب ہوں گے، نہ اس سے عقلی نقصانات ہوں گے، نہ یہ کہ نشہ اترنے پر خمار میں مبتلا ہوگا۔ لہٰذا جنت کی شراب میں کیف و سرور ہوگا لیکن نہ جسمانی نقصانات ہوں گے نہ عقلی۔ دنیوی شراب سے تو انسان کی شریانیں، معدہ، گردے اور جگر متاثر ہوتے ہیں۔ ان تمام خرابیوں کو ایک وقتی سرور کی خاطر برداشت کیا جاتا ہے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور ان کے پاس نگاہ نیچے رکھنے والی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔

تفسیر آیات

۱۔ عورتوں کی بنیادی خصوصیت کا ذکر ہے کہ ان کی نگاہیں صرف اپنے شوہر تک محدود ہوں گی۔ یعنی عفت کا تصور جنت میں بایں معنی ہوگا کہ یہ عورتیں اپنے شوہروں کی قدر و قیمت کو خوب جانتی ہوں گی۔

۲۔ عِيْنٌ: بڑی آنکھوں والی۔ یہ ان کے حسن کی طرف اشارہ ہے۔ عفت و چاہت کے ساتھ جمالی اعتبار سے بھی کمال درجے کی ہوں گی۔

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ گویا کہ وہ محفوظ انڈے ہیں۔

تفسیر آیات

عربوں میں یہ محاورہ ہے کہ وہ گوری عورت کو حسن و جمال اور صفائی میں انڈے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ مَّكْنُوْنٌ سے ایک اہم خصوصیت سامنے آتی ہے کہ وہ ایسی محفوظ و مستور ہیں کہ نہ کسی کا ہاتھ لگا ہے، نہ آلودہ ہیں۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ پھر وہ آمنے سامنے بیٹھ کر آپس میں باتیں کریں گے۔

تفسیر آیات

احباب کی محفل میں گفتگو کا انداز یہی ہوا کرتا ہے۔ کسی سے کوئی سوال ہوا، اس نے جواب میں ساری کہانی سنا دی۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّیۡ كَانَ لِیۡ قَرِیۡنٌ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: میرا ایک ہم نشین تھا۔

یَّقُوۡلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الۡمُصَدِّقِیۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ جو (مجھ سے) کہتا تھا: کیا تم (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟

ءَاِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیۡنُوۡنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ بھلا جب ہم مر چکیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں جزا ملے گی؟

تفسیر آیات

اہل جنت باہمی گفتگو میں مصروف ہوں گے۔ اسی دوران ایک جنتی مومن اپنی دنیوی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے ایک کافر ساتھی کا ذکر چھیڑے گا جو اس بات پر اس کا مذاق اڑاتا تھا کہ وہ مؤمن قیامت اور حیات بعد از ممات کا معتقد تھا اور وہ کافر اسی بات کی رٹ لگاتا تھا جو ہر کافر اور منکر لگاتا ہے کہ جب ہم خاک ہو جائیں گے تو کسی جزا سزا کے لیے کیسے اٹھائے جائیں گے۔

قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ ارشاد ہوگا: کیا تم دیکھنا چاہتے ہو؟

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیۡ سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ پھر اس نے جھانکا تو اسے وسط جہنم میں دیکھے گا۔

قَالَ تَاللّٰهِ اِنۡ كِدۡتَّ لَتُرۡدِیۡنِ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ کہے گا: قسم بخدا قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دے۔

وَ لَوۡلَا نِعۡمَةُ رَبِّیۡ لَكُنۡتُ مِنَ الۡمُحۡضَرِیۡنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور اگر میرے رب کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی (عذاب میں) حاضر کیے جانے والوں میں ہوتا۔

تفسیر آیات

اہل جنت اور اہل جہنم کی باہمی گفتگو سے یہ بات سامنے آتی ہے آخرت میں زمان و مکان کا وہ تصور نہ ہوگا جو دنیا میں ہے اور نہ کوئی انسان یہ سوال کر سکتا ہے کہ جہنم جنت کے اس قدر نزدیک ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں اور آپس میں گفتگو کر سکیں؟ جب کہ ہماری دنیا کے پیمانے کے مطابق جنت اور جہنم میں فاصلہ ہمارے تصور سے زیادہ ہوگا بلکہ ایک جنتی کو جتنی جگہ ملتی ہے وہ بھی ہمارے تصور سے زیادہ ہے۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ ۵۸۔ کیا اب ہمیں نہیں مرنا؟

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ ۵۹۔ ہماری پہلی موت کے بعد ہمیں کوئی اور عذاب نہ ہوگا؟

تفسیر آیات

مجمع البیان میں اس آیت کی دو تفسیریں بیان ہوئی ہیں:

i۔ یہ مومن اپنے ہم نشین سے بعنوان ملامت کہے گا: کیا تو دنیا میں نہیں کہا کرتا تھا کہ ہم صرف ایک بار مریں گے۔ وہی موت جو دنیا میں ہمیں آتی ہے اور ہمیں کوئی عذاب نہیں ملے گا۔ اب تجھے معلوم ہوا تیری یہ باتیں درست نہیں تھیں۔

ii۔ یہ اہل جنت کی باہمی گفتگو ہوگی۔ وہ جنت کی دائمی نعمتوں سے اظہار سرور کے طور پر یہ جملے کہیں گے اسی لیے بعد میں کہا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ یقیناً یہ عظیم کامیابی ہے۔ اس باہمی گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس جنت میں مرنے والے نہیں ہیں سوائے اس ایک موت کے جو دنیا میں آ گئی تھی۔ اب ہمیں کوئی عذاب نہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے۔

میرے نزدیک دوسری تفسیر زیادہ قرین واقع ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس گفتگو میں صرف ایک موت کا ذکر ہے جبکہ دوسری آیت میں دو موت کا ذکر ہے:

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ....[1] اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی دی ہے....،

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دنیوی زندگی کا خاتمہ تو ایک موت سے ہوا ہے۔ رہی وہ موت جو برزخی زندگی کے بعد واقع ہوئی ہے، وہ مکمل زندگی نہ تھی، تھوڑی دیر کے لیے تھی۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ ۶۰۔ یقیناً یہ عظیم کامیابی ہے۔

تفسیر آیات

اس کامیابی کی عظمت اس کی ابدیت اور دوام سے معلوم ہوتی ہے۔ اگر وہ مدت لا محدود اور ابدی ہے تو اس صورت میں اس کامیابی کی عظمت بھی لا محدود ہوگی۔

---

[1] ۴۰ غافر: ۱۱

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾　۶۱۔عمل کرنے والوں کو ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنا چاہیے۔

تفسیر آیات

ہر صاحب عقل کے لیے ایک فکر انگیز دعوت ہے کہ اگر مسئلہ ایک مدت سے مربوط ہو تو انسان کہہ سکتا ہے کہ اسے گزار لیں گے۔ بقول سعدی چون میگذرد غم نیست۔ چونکہ گزر جانا ہے، غم نہیں ہے لیکن اگر مسئلہ ابدی اور دائمی اور نہ ختم ہونے والی زندگی سے متعلق ہو تو اس ابدی زندگی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ خاص طور پر دنیا کی اس پُر آشوب زندگی کے ہر لحہ کے مقابلے میں جنت کی زندگی کے اربوں سال کی سعادت ملنا ہو تو لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾　۶۲۔کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت؟

تفسیر آیات

زقوم ایک درخت کا نام ہے جس کا مزہ بہت تلخ ہوتا ہے۔ بدبودار ہے اور توڑنے کی صورت میں دودھ جیسا رس نکلتا ہے۔ جسم کو لگ جائے تو ورم ہو جاتا ہے۔

موازنہ ہے اللہ کے مخلص بندوں اور منکرین کا۔ مخلص بندوں کے لیے جنت کی نعمتوں میں کیف و سرور کی زندگی ہے اور منکرین کے لیے زقوم جیسی چیزوں سے سروکار ہوگا۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾　۶۳۔ہم نے اسے ظالموں کے لیے ایک آزمائش بنا دیا ہے۔

تفسیر آیات

فتنہ اگر آزمائش کے معنوں میں لیا جائے تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ کون اسے سن کر اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب۔ اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم نے اسے ظالموں کے لیے عذاب بنا دیا ہے۔ اس صورت میں فتنہ سے مراد عذاب ہوگا جیسے اس آیت میں ہے:

عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ....[1]　فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف کی وجہ سے کہ کہیں وہ انہیں مصیبت سے دوچار نہ کر دیں۔

---

[1] ۱۰ یونس: ۸۳

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ یہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی تہ سے نکلتا ہے۔

تفسیر آیات

اَصْلِ: سے مراد تہ ہے۔ یعنی درخت جہنم کی تہ میں اُگے گا۔ سوال یہ ہے کہ آتش کے درمیان درخت کیسے؟ جواب یہ ہے کہ یہ درخت ہی آتشیں ہوگا۔ ثانیاً آخرت کے قانونِ طبیعت کو دنیا کے فیزیکل قوانین پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کافروں کو آتش جہنم میں زندہ رکھنا دنیوی اعتبار سے کیسے ممکن ہے؟

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اس کے خوشے شیاطین کے سروں جیسے ہیں۔

تفسیر آیات

اگر چہ شیطان کے سروں کو کسی نے نہیں دیکھا کہ ان کے ساتھ تشبیہ دی جائے تاہم لوگوں کے ذہنوں میں شیاطین کے بارے میں یہ خیال مسلمہ ہے کہ وہ کریہ المنظر ہوتے ہیں اور فرشتے نہایت حسین و جمیل۔ اس لیے یہ تشبیہ درست ہے۔

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ پھر وہ اس میں سے کھائیں گے اور اس سے پیٹ بھریں گے۔

تفسیر آیات

جہنم میں ہر قسم کا عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک عذاب بھوک ہے۔ اپنی بھوک مٹانے کے لیے اس درخت کی طرف لپکیں گے تو اس کی تلخی اور اس کے جھلسا دینے والے رس کی وجہ سے پیاس کی شدت میں اضافہ ہوگا۔

ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ پھر ان کے لیے اس پر کھولتا ہوا پانی ملا دیا جائے گا۔

تفسیر آیات

اس درخت سے کھانے پر جو سوزش ہوگی اسے دور کرنے کے لیے پانی پینا پڑے گا لیکن پانی بھی

کھولتا ہوا ملے گا تو دونوں کی سوزش آپس میں مل جائے گی۔ شوباً (خلط) اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾　۶۸۔ پھر ان کا ٹھکانا بہرصورت جہنم ہوگا۔

تفسیر آیات

شجرہ زقوم اور کھولتے پانی کی سوزش کے بعد انہیں کچھ آرام کا موقع ملے گا؟ نہیں۔ ان کا ٹھکانا تو آتش دوزخ ہی ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ انہیں آتش جہنم سے خلاصی نہیں ملے گی۔ ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہوتے رہیں گے۔

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾　۶۹۔ بلا شبہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔

فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾　۷۰۔ پھر وہ ان کے نقش قدم پر دوڑ پڑے۔

تشریح کلمات

اَلْفَوْا: (ل ف ی) الفیت کے معنی کسی چیز کو پالینے کے ہیں

يُهْرَعُوْنَ: (ھ ر ع) ھرع سختی سے ہانکنے کے معنی میں ہے۔

تفسیر آیات

ان کے اس دردناک عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے باوجود اپنی آبائی اندھی تقلید پر ڈٹے رہے۔ اگرچہ اپنے باپ دادا کو گمراہ راستوں پر پایا مگر وہ ہدایت کی طرف آنے کا نام نہیں لیتے تھے۔

فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ: یہ لوگ ان گمراہ لوگوں کے نقش قدم پر چلنے میں لپک جاتے ہیں۔ انبیاء کی دعوت پر توجہ دینے کی بجائے وہ اس گمراہی کی طرف چل دوڑتے ہیں۔

وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾　۷۱۔ اور بتحقیق ان سے پہلے اگلوں کی اکثریت گمراہ ہو چکی ہے۔

تفسیر آیات

اس آیت سے آگے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ہے کہ کس طرح انبیاء علیہم السلام ان کی طرف

مبعوث ہوئے لیکن امتوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور اپنی گمراہی پر قائم رہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ ۷۲۔اور ہم نے ان میں تنبیہ کرنے والے (رسول) بھیجے تھے۔

تفسیر آیات

حالانکہ ہم نے ان کی رہنمائی کرنے اور گمراہی سے بچنے کی تنبیہ کرنے والے انبیاء بھیجے تھے۔
مشرک اور گمراہ لوگوں کو پہلے تنبیہ کی جاتی ہے۔ اکثر قومیں گمراہی میں ہوتی ہیں لہٰذا انذار کا پلّہ ہمیشہ بھاری ہوتا ہے، بشارت کی نوبت بعد میں آتی ہے اور لوگوں کی قلیل تعداد کو بشارت ملتی ہے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ۷۳۔پھر دیکھو کہ تنبیہ شدگان کا کیا انجام ہوا۔

تفسیر آیات

ان اقوام کی سرگزشت کا مطالعہ کر کے دیکھ لو کہ ان کا کیا انجام ہوا۔ ظاہر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان سب کی عاقبت تباہی پر منتج ہوگئی، سوائے ان بندوں کے جن کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ ۷۴۔سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے۔

تفسیر آیات

سوائے ان بندوں کے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے خالص کیا تو اللہ نے بھی ان کو اپنے لیے مخلَص بنایا۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ ۷۵۔اور نوح نے ہمیں پکارا تو دیکھا کہ ہم کیسے بہترین جواب دینے والے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دوسرے ابو البشر اور پہلے اول العزم رسول حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے

جنہوں نے پوری قوم کو توحید کی دعوت دی:

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝[1]　　لیکن میری دعوت نے ان کے گریز میں اضافہ ہی کیا،

تو جب اپنی قوم سے مایوس ہوئے تو اللہ تعالیٰ کو پکارا

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝[2]　　پس نوح نے اپنے رب کو پکارا: میں مغلوب ہو گیا ہوں پس تو انتقام لے۔

۲۔ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بہتر جواب دیا اور انہیں غرق کر کے ان سے انتقام لیا۔ حضرت آیۃ اللّٰہ شیخ محمد الحسین کاشف الغطاء اس گمان کا اظہار کرتے ہیں کہ طوفانِ نوح آسمان سے ایک بہت بڑا پتھر سمندر میں گرنے سے آیا تھا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝　　۷۶۔ اور ہم نے انہیں اوران کے گھر والوں کو عظیم مصیبت سے بچایا۔

تفسیر آیات

كَرْبِ الْعَظِيْمِ: سے مراد طوفان ہے۔ اور اَهْلَهٗ سے مراد ان کی اولاد ہوسکتی ہے۔ چنانچہ سورہ ھود کی آیات ۴۵۔۴۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان کے گھر کے افراد کو نجات دی جائے گی:

رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ ....　　اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے۔

جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ....　　بے شک یہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔

اس جگہ دوسرے مؤمنین کی نجات کا ذکر نہیں ہے جنہیں نوح علیہ السلام کے ساتھ نجات دی گئی تھی کیونکہ اس جگہ نجات سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ہوں جن سے انسانی نسل آگے بڑھی ہے اور وہ ان کی اولاد ہے۔ اس پر اگلی آیت قرینہ بن سکتی ہے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝　　۷۷۔ اور ان کی نسل کو ہم نے باقی رہنے والوں میں رکھا۔

---

[1] ۷۱ نوح: ۶　　[2] ۵۴ قمر: ۱۰

تفسیر آیات

کہتے ہیں طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ہی کی اولاد باقی رہی اس لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے بعد دوسرا ابو البشر کہتے ہیں۔

ترمذی و دیگر اصحاب سنن نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نوح کی اولاد میں سے سام عرب کا باپ، حام حبش کا باپ، یافث اہل روم کا باپ ہے۔

لیکن ایک رائے یہ ہے کہ زمین پر موجود تمام انسان نوح علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہیں۔[1] حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ ہم نے نوح کی نسل کو باقی رہنے والوں میں رکھا سے مراد یہ ہے کہ حق، نبوت، کتاب اور ایمان ان کی نسل میں رکھا ہے اور روئے زمین پر موجود سب اولاد آدم ہیں، حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد نہیں ہیں۔[2]

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ اور ہم نے آنے والوں میں ان کے لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔

تفسیر آیات

یعنی ترکنا علیه ذکرا جمیلاً آنے والوں میں قیامت تک ان کے لیے ذکر جمیل باقی رکھا اور وہ ذکر جمیل یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہزاروں برس سے آج تک دنیا میں ذکر خیر ہے اور قیامت تک پوری دنیا میں ان کا ذکر جمیل باقی رہے گا۔

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ تمام عالمین میں نوح پر سلام ہو۔

تفسیر آیات

وہ ذکر جمیل جو آخرین میں باقی رکھا گیا ہے، یہ ہے کہ پوری دنیا میں نوح علیہ السلام پر سلام ہو۔ چنانچہ عالمین میں ان کا ذکر باقی ہے اور ذکر کے ساتھ سلام بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام تمام انبیاء علیہم السلام میں سب طویل عرصے، ۹۵۰ سال تک اپنی قوم میں تبلیغ فرماتے رہے۔ اس لیے ان کے ذکر جمیل کو بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت تک باقی رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کو آپ کا شیعہ قرار دیا۔ آپ کے شیعہ ابراہیم خلیل علیہ السلام ابو الانبیاء قرار پائے اور نبوت و ہدایت کا سلسلہ تا قیام قیامت جاری ہے۔

---

[1] البحر المحیط [2] تفسیر قمی

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾　　۸۰۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

تفسیر آیات

حضرت نوح علیہ السلام کو عالمین میں یہ مقام کیسے مل گیا، اس کی وجہ اور سبب کا ذکر ہے۔ جیسے نوح علیہ السلام کا جہاد طویل تھا اللہ نے انہیں عظیم مرتبہ عنایت فرمایا۔ جس طویل مشقت سے آپ علیہ السلام نے توحید کی تحریک چلائی، اس تحریک کو اللہ نے دوام بخشا۔ یہ ایک مثال سب کے لیے ہے کہ جو راہ خدا میں قدم اٹھاتا ہے اسے اللہ جزائے خیر سے نوازتا ہے اگر چہ وہ نوح علیہ السلام کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا تاہم اللہ احسان کرنے والوں کو احسان کے مطابق جزا دیتا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾　　۸۱۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے.

تفسیر آیات

یہ مرتبہ اور فضیلت انہیں اس ایمانی مرتبے کی وجہ سے ملی جس پر وہ فائز تھے۔ ایمان اور یقین وہ بنیاد ہے جس پر عشق، جہاد، فنا فی اللہ کا جذبہ وجود میں آتا ہے۔ ایمان کے جس درجے پر حضرت نوح علیہ السلام فائز تھے اس پر فائز ہونے والی چند ہستیاں اولاد نوح علیہ السلام میں مل جاتی ہیں۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾　　۸۲۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔

تفسیر آیات

نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے علاوہ باقی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے طوفان میں غرق کر دیا جو رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے عبرت بن گے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾　　۸۳۔ اور ابراہیم یقیناً نوح کے پیروکاروں میں سے تھے۔

تفسیر آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے شیعہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے نوح علیہ السلام کا مشن آگے بڑھایا اور اس راستے میں پیش آنے والی مشکلات کا نوح علیہ السلام کی طرح مقابلہ کیا۔ توحید کی راہ میں نوح علیہ السلام کا جہاد طویل ہونے کی وجہ سے منفرد تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کا جہاد کٹھن ہونے کی وجہ سے منفرد تھا۔ پیروکار

اپنے پیرو سے بہتر ہوسکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام سے افضل ہیں۔ شیعہ کی تعریف میں شیخ مفیدؒ کی تعریف جامع ہے۔ فرماتے ہیں:

التشیع ھو فی اصل اللغة الاتباع علی وجه التدین و الولاء للمتبوع علی الاخلاص۔

تشیع اصل لغت میں اس پیروی کو کہتے ہیں جو دیانتداری اور اپنے پیرو سے محبت اور اخلاص کے ساتھ ہو۔

اس بناء ہر پیروی کو تشیع نہیں کہتے بلکہ اپنے پیرو سے محبت کے ساتھ پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ تعریف قرآن مجید کی اس آیت سے نکل آتی ہے:

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ...۔[1]

ایک ان کی قوم میں سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے تھا۔

اس آیت میں شیعہ دشمن کے مقابلے میں ذکر ہوا ہے لہٰذا شیعہ وہ ہے جو دل میں اپنے پیرو سے محبت رکھتا ہے۔ اگلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شیعۂ نوح علیہ السلام ہونے کی وجہ اور علت بیان فرمائی:

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○

جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلب سلیم لے کر آئے۔

اِذْ اس جگہ وجہ اور علت بیان کرنے کے لیے ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ○[2]

اور جب تم ظلم کر چکے تو آج (ندامت) تمہیں فائدہ نہیں دے گی، عذاب میں تم سب یقیناً شریک ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے کوئی مستند رائے قائم نہیں ہوسکتی۔ اکثر نے بغیر کسی سند کے لکھ دیا ہے کہ یہ فاصلہ ۲۶۰۰ سال کا ہے اور صاحب جامع الاصول لکھتے ہیں یہ فاصلہ ۱۱۴۲ سال ہے۔ البتہ قرآنی آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی درمیانی مدت میں حضرت ہود اور حضرت صالح مبعوث ہوئے۔ ہود علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ ...۔[3]

اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اس نے تمہیں جانشین بنایا۔

اور صالح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ ...۔[4]

اور یاد کرو جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں جانشین بنایا۔

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلب سلیم لے کر آئے۔

---

[1] ۲۸ قصص: ۱۵ [2] ۴۳ زخرف: ۳۹ [3] ۷ اعراف: ۶۹ [4] ۷ اعراف: ۷۴

تفسیر آیات

قلب سلیم یعنی وہ دل جس میں غیر اللہ کی کوئی جگہ نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا مظاہرہ اس وقت کیا جب آپ علیہ السلام کو آتش نمرود میں ڈالنے کے لیے منجنیق پر آویزاں کیا گیا تھا۔ اس وقت جبرئیل نے آ کر پوچھا: کوئی حاجت ہے؟ آپؑ نے فرمایا:

اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا ...۔[1]　　حاجت ہے، مگر تجھ سے نہیں۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

القَلْبُ السَّلِیمُ الَّذِی یَلْقَی رَبَّهُ وَ لَیْسَ فِیهِ اَحَدٌ سِوَاهُ ...۔[2]　　قلب سلیم وہ ہے کہ اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس کے دل میں اس کے سوا کوئی نہ ہو۔

دیگر روایت میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا:

دِینٌ بِلَا شَکٍّ وَ هَوًی وَ عَمَلٌ بِلَا سُمْعَةٍ وَ رِیَاءٍ۔[3]　　دین کو بغیر شک و مفاد کے اختیار کرے اور دکھاوے کے بغیر عمل کرے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾　　۸۵۔ جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور قوم سے کہا: تم کس کی پوجا کرتے ہو؟

اس مضمون کی آیت کی تشریح سورۃ الانعام آیت ۷۴ میں ہو چکی ہے۔

اَئِفْکًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ ﴿۸۶﴾　　۸۶۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر گھڑے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟

تفسیر آیات

اس کائنات کے واضح خالق حقیقی اور سچے معبود کو چھوڑ کر خود ساختہ، جھوٹے اور بے حقیقت واہمے کو اپنا معبود بناتے ہو۔ عقل اور شعور کے مالک انسان کے لیے اس بات میں عار و ننگ ہے کہ وہ ایک واہمے کے آگے جھک کر اپنی انسانی حیثیت کا مذاق اڑائے۔

فَمَا ظَنُّکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۷﴾　　۸۷۔ پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

---

[1] مستدرک الوسائل ۳: ۳۰۳　　[2] الکافی ۲: ۱۶　　[3] مستدرک الوسائل ۱: ۱۱۳

تفسیر آیات

جب تم نے ایک واہمے کو معبود بنایا اس عقیدے کے ساتھ کہ وہ تمہاری زندگی چلاتا ہے اس لیے وہ تمہاری عبادت کے لائق ہے تو عالمین کے رب اور مالک کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ لائق عبادت نہیں ہے؟ وہ تمہاری زندگی سے لاتعلق ہے؟ وہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا؟ ایک معجبانہ استفہام ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے: رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ تمہارے شرک پر تمہیں کیا سزا دے گا؟ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ لیکن یہ تفسیر ہمارے نزدیک صائب نہیں ہے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾
فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾

۸۸۔ پھر انہوں نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی،
۸۹۔ اور کہا: میں تو بیمار ہوں۔

تفسیر آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف کیوں نگاہ کی اس کی کئی توجیہات ہیں:

i۔ ستارہ پرستوں کا یہ گمان عام تھا کہ بیماری کسی ستارے کے طلوع سے مربوط ہے۔ اپنے عقیدے کے مطابق نہیں، مشرکین کے عقیدے کے مطابق، بقول تمہارے اس ستارے کے طلوع کے موقع پر بیمار ہوتا ہوں۔

ii۔ آپ کو واقعی ایک بیماری لاحق تھی۔ مثلاً تپ کا دورہ پڑتا تھا۔ ستاروں کی گردش سے اس دورے کے وقت کا تعین ہوتا تھا۔ ستاروں کی طرف دیکھ کر آپ علیہ السلام کو علم ہوا کہ دورہ پڑنے والا ہے تو فرمایا: اِنِّیْ سَقِیْمٌ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ جس طرح اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ۔[1] کہتے ہیں۔

iii۔ سوچنے اور غور کرنے کے لیے یہ عربی کا ایک محاورہ ہے۔ جب انسان کسی مسئلے پر سوچنے لگتا ہے تو کہتے ہیں: نَظَرَةً فِي النُّجُومِ۔

ان سب سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ نہ ہی اس آیت میں کوئی اشارہ ملتا ہے۔

فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ: ستاروں پر نظر ڈالنے کے بعد فرمایا: میں بیمار ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے میلے میں شرکت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیا اس کے لیے یہ بہانہ تھا؟ یا واقعاً اس وقت بیماری لاحق تھی؟ ہمارے پاس ایسے شواہد موجود نہیں ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار نہیں تھے انہوں

---

[1] ۳۹ زمر: ۳۰ (ترجمہ) اے رسول) یقیناً آپ کو بھی انتقال کرنا ہے اور انہیں بھی یقیناً مرنا ہے۔

نے معاذ اللہ جھوٹ بولا ہے۔ اگر بیمار نہیں تھے تو ان کے لوگ اس عذر کو قبول نہ کرتے۔

اس جگہ ابو ھریرہ کی اس روایت کو ہم قبول نہیں کر سکتے جو کہتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے تھے، خواہ ارباب روایت اسے صحیح السند کی سند عنایت کریں۔

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾　　۹۰۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ گئے۔

تفسیر آیات

ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عذر قبول کیا اور انہیں چھوڑ کر اپنے میلے کے لیے چل دیے۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عذر قابل قبول تھا۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾　　۹۱۔ پھر وہ ان کے معبودوں میں جا گھسے اور کہنے لگے: تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟

تشریح کلمات

فَرَاغَ: (ر و غ) کے معنی کسی تدبیر کی خاطر ایک جانب ہونا کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان مشرکین کے معبود بتوں کا رخ کیا۔ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مندر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ان معبودوں کے آگے کھانے کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

۲۔ اَلَا تَاْكُلُوْنَ: ان بتوں کی طرف کلام کا رخ ہے کہ تم کھاتے کیوں نہیں ہو۔ جامد بت قابل خطاب نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض لازمِ خطاب سے یہ ہے کہ یہ کھانے کے بھی قابل نہیں ہیں۔

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾　　۹۲۔ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو؟

تفسیر آیات

کیوں نہیں بولتے ہو، کا خطاب بھی اس غرض سے ہے کہ یہ بول بھی نہیں سکتے، کسی سوال کا جواب بھی نہیں دے سکتے، نہ کسی آنے والے خطرے سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ ۹۳۔ پھر انہیں پوری طاقت سے مارنے لگے۔

تفسیر آیات

منطقی انداز میں ان بتوں کی حقیقت فاش کرنے کے بعد پوری قوت سے ان بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ اس طرح انسانی تاریخ میں شجاعت و دلیری کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے بت شکنی کی تاریخ رقم فرمائی۔ یہ عظیم کامیابی حضرت خلیل علیہ السلام کے حصے میں آئی کہ پہلے منطق سے ان بتوں کو فاش کیا، بعد میں قوت سے ان کو پاش پاش کر دیا۔ مزید تشریح کے لیے سورۃ الانبیاء آیت ۶۹ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ ۹۴۔ تو لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔

تفسیر آیات

میلے سے واپسی پر جب لوگوں نے اپنے معبودوں کو سرنگوں، ریزہ ریزہ دیکھا اور یہ بھی علم ہوا کہ ابراہیم نام کا ایک جواں سال ان بتوں کو برا کہتا تھا اسی سے یہ حرکت صادر ہوئی ہے۔ اس پر غیض و غضب میں پوری قوم تنہا اس جواں کی طرف دوڑ پڑی۔ ظاہر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گھیر لیا ہو گا اور ان سے جواب طلبی کی ہو گی۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ ۹۵۔ ابراہیم نے کہا: کیا تم اسے پوجتے ہو جسے تم خود تراشتے ہو؟

تفسیر آیات

یہ تنہا جواں اپنے کیے پر نادم ہے نہ خائف بلکہ پورے معاشرے کی سرزنش کرتا اور اُن کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے فرماتا ہے: خود تراشیدہ کو معبود بناتے ہو۔ جن بتوں کی شکل و صورت تمہارے تراشنے سے بنی ہو وہ تمہاری زندگی کے کن نقوش کو تراشیں گے؟

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ۹۶۔ حالانکہ خود تمہیں اور جو کچھ تم بناتے ہو (سب کو) اللہ نے پیدا کیا ہے۔

تفسیر آیات

اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے معبود کو پوجتے ہو جب کہ تمہارا خالق اللہ ہے اور جس چیز پر تم کام

کرتے ہو اس کا خالق بھی اللہ ہے۔ جس پتھر کو تراشتے ہو اس پتھر کا خالق اللہ ہے۔ لہٰذا مَا موصولہ ہے اور اگر مَا کو مصدریہ تسلیم کیا جائے، آیت مشرکین کے حق میں دلیل بنتی ہے، نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں چونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: اللہ نے تمہیں اور تمہارے عمل کو خلق کیا ہے۔ عمل کا خالق اللہ ہونے کی صورت میں بتوں کا تراشنا اللہ کا عمل ہے، نہ مشرکین کا۔ اس طرح یہ مشرکین کے حق میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا اشاعرہ کا اس آیت سے نظریہ جبر پر استدلال قطعاً باطل ہے۔

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ انہوں نے کہا: اس کے لیے ایک عمارت تیار کرو پھر اسے آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ پس انہوں نے اس کے خلاف ایک چال چلنے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انہیں زیر کر دیا۔

تفسیر آیات

ایک چاردیواری بنانے کا حکم دیا گیا اور اس میں دہکتی ہوئی آتش کا ڈھیر تیار کر کے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھینکنے کا اہتمام کیا۔ سورہ انبیاء آیت ۶۹ میں اس مضمون کی آیت کے ذیل میں آتش نمرود سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نجات کی تشریح ہو چکی ہے۔

اہم نکات

۱۔ دشمنان خاصان خدا ہمیشہ زیر ہوتے رہے ہیں۔

وَقَالَ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ آتش نمرود سے نجات پانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا وطن کلدان ترک کر کے کنعان ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا۔ یعنی عراق (بابل) سے فلسطین کی سرزمین کی طرف ہجرت فرمائی۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے مہاجر ہیں جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی۔ اپنا وطن اللہ کی خاطر ترک کیا اور اس ہجرت کو اپنے رب کی طرف ہجرت ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ قرار دیا۔

اللہ کی طرف یہ ہجرت، کلدان سے کنعان اور کنعان سے مکہ تک جاری رہی۔ مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں اپنی نسل کو چھوڑا، بیت اللہ کی تعمیر فرمائی اور اپنی اولاد کو اس گھر کا محافظ بنایا۔ اسی ہجرت کا نتیجہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے نبی آخر الزمان، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقدس سرزمین سے مبعوث ہوئے۔

۲۔ سَيَهْدِيْنِ: خدا کی طرف ہجرت کرنے والے کو خدا کامیابی کے راستے دکھاتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ دونوں قبلے، قدس و کعبہ ہجرت ابراہیمی کا نتیجہ ہیں۔

۲۔ ہجرت سنت ابراہیمی ہے جس سے ہدایت کے راستے کھلتے ہیں۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اے میرے پروردگار! مجھے صالحین میں سے (اولاد) عطا کر۔

تفسیر آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کے لیے دعا ہجرت کے وقت تو نہیں کی ہو گی چونکہ اس وقت آپ جوانی کے ابتدائی دنوں میں تھے۔ یہ دعا ازدواج کے مرحلے میں داخل ہونے اور ایک مدت تک اولاد نہ ہونے کی صورت میں کی ہو گی۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ....[1]

ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس نے عالم پیری میں مجھے اسماعیل اور اسحاق عنایت کیے۔

چنانچہ توریت کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ۸۶ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ چنانچہ ہم نے انہیں ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔

تفسیر آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوتی ہے اور ایک بردبار فرزند کی بشارت مل جاتی ہے۔ جس فرزند کی بشارت دی گئی وہ پہلے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلم کے اوصاف حمیدہ کے

---

[1] ۱۴ ابراهيم: ۳۹

ساتھ متصف فرمایا۔

چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے راہ خدا میں ذبح ہونے پر آمادگی ظاہر کر کے اس حلم کا مظاہرہ فرمایا۔

توریت کے سفر تکوین اصحاح ۲۲ میں آیا ہے:

ان امور کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ اللہ نے ابراہیم کا امتحان لیا اور ابراہیم سے فرمایا: اپنے اکلوتے بیٹے کو لے لو۔ جسے آپ بہت چاہتے ہیں۔ اسحاق اور اسے سرزمین مریّا لے جاؤ۔

توریت میں متعدد جگہوں پر اس فرزند کو حضرت ابرہیم علیہ السلام کا اکلوتا بیٹا کہا ہے جسے قربانی کے لیے پیش کیا گیا جب کہ اسحاق علیہ السلام اکلوتے بیٹے نہیں تھے۔ اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کے لیے جب پیش کیا جا رہا تھا اس وقت تک حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کے لیے پیش کیا گیا اس وقت ان کی عمر ۱۳ سال تھی جب کہ حضرت اسحاق علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ۱۴ سال تھی۔ یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے ایک سال قبل ذبح اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا۔ توریت میں یہود کی تحریفات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انہوں نے اسماعیل کی جگہ اپنے جد اعلیٰ اسحاق کا نام درج کر لیا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ پھر جب وہ ان کے ساتھ کام کاج کی عمر کو پہنچا تو کہا: اے بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، پس دیکھ لو تمہاری کیا رائے ہے، اس نے کہا: اے ابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے اسے انجام دیں، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ پس جب دونوں نے (حکم خدا کو) تسلیم کیا اور اسے ماتھے کے بل لٹا دیا۔

تفسیر آیات

۱۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ: جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد کے ساتھ کام کاج کے لیے چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ انہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برائے رضا خدا ذبح کرنے کا حکم ملا۔ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی کا درجہ رکھتے ہیں اور وحی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات میں کوئی تردد نہیں ہوا کہ اپنے لخت جگر کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا حکم

مل رہا ہے۔

شیخ طوسی التبیان میں اس جگہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بیداری میں بذریعہ وحی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ خواب میں جو حکم آئے گا اس پر عمل کرنا ہوگا۔ اگر وحی کے ذریعے پہلے نہ بتایا ہوتا تو صرف خواب پر عمل پیرا نہ ہوتے۔ خواب انبیاء وحی ہیں لیکن بیداری کی وحی کی تاکید سے۔

۲۔ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی: دیکھوں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت خلیل علیہ السلام کا اپنے کمسن بچے کی رائے پوچھنا دلیل ہے کہ بچہ رشد، عقل کے کامل درجہ پر فائز تھا۔ کہتے ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر اس وقت ۱۳، سال تھی۔ اس عمر کے بچے کو اپنی جان کا نذرانہ دینے کے لیے مکلّف بنایا جا سکتا ہے تو علی علیہ السلام کو ایمان کے لیے مکلّف بنانے میں لوگوں کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

۳۔ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ: اے اباجان! آپ کو جو حکم ملا ہے اسے انجام دیں۔ فرزند کا ایثار اور رشد عقلی حیرت انگیز ہے کہ جواب میں کہا جو آپ کو حکم ملا ہے۔ باپ کے خواب پر نہ صرف باپ کو یقین ہے، فرزند کو بھی یقین ہے۔ فرزند یہ بھی جانتا ہے کہ میرے باپ حکم خدا کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔ اس سلسلے میں مہر پدری رکاوٹ نہیں بنے گی۔ مجھے بھی حکم خدا تسلیم کرنا چاہیے اور جان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

۴۔ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ: جس طرح باپ نے مہر پدری ایک طرف رکھ کر حکم الٰہی کو سامنے رکھا ہے فرزند نے بھی اپنی جان ایک طرف رکھ کر حکم الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ صبر کی اس حیرت انگیز منزل پر بیٹا اپنے اولوالعزم باپ سے کم نظر نہیں آتا۔

۵۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا: جب دونوں نے امر الٰہی تسلیم کیا۔ نہایت قابل توجہ ہے مقام تسلیم میں باپ اور بیٹا ایک منزل پر نظر آتے ہیں۔ دونوں کے لیے ایک تعبیر اَسْلَمَا، دونوں نے تسلیم اختیار کی۔ اسلام اسی تسلیم و رضا کا نام ہے:

مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰىکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ....[1] — یہ تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

۶۔ وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ: اسے ماتھے کے بل یعنی اوندھے منہ لٹا دیا تا کہ ذبح کرتے وقت چہرہ فرزند کے اضطراب سے باپ کے عزم میں تزلزل نہ آئے۔

جبین، پیشانی کے دونوں جانب کو کہتے ہیں، خود پیشانی کو جبین نہیں کہا جاتا اور نہ جبین کہہ کر مجازاً پیشانی مراد لی جاتی ہے۔ آیت اور استعمالات عرب میں یہ بات واضح نہیں ہے کہ جبین سے مراد پیشانی

---

[1] ۲۲ حج: ۷۸

لی جاتی ہے۔ بیشتر مفسرین نے دونوں احتمالات کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے جبین سے مراد پیشانی اس روایت کی بنا پر لی گئی ہو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خود یہ درخواست کی، ابّا مجھے منہ کے بل لٹا دیجیے تا کہ ذبح کے وقت میرے چہرے کی حالت دیکھ کر شفقت پدری حکم خدا کی تعمیل میں رکاوٹ نہ بنے۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۴۔ تو ہم نے ندا دی: اے ابراہیم!
۱۰۵۔ تو نے خواب سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

تفسیر آیات

اپنے کم سن بچے کو ذبح کرنے کی نیت سے زمین پر لٹانے کے بعد کیا ہوا؟

قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے اور وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ اور وَنَادَيْنٰهُ کی درمیانی خالی جگہ پُر کرنے کے لیے بہت سی روایات شیعہ سنی مصادر میں ہیں:

i۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کے حلق پر چھری چلا دی مگر چھری کو جبریل نے الٹ دیا۔

ii۔ گلے پر تانبے کا ایک ٹکڑا آ گیا۔

iii۔ گلے کی طرف ہاتھ بڑھا ہی تھا ندا آ گئی۔

iv۔ چھری اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ندا آ گئی۔

ان روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

ایک توجیہ یہ بھی کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کے لیے جو اقدامات کیے، وہی خواب میں آئے تھے۔ خواب میں یہ تو نہیں آیا تھا کہ ذبح کا کام عمل میں آچکا ہے لہٰذا ذبح کے لیے جو اقدامات کیے یہی خواب کی تعمیل تھی۔ اس لیے ندا آئی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا آپ نے خواب سچ کر دکھایا۔

بہرحال یہاں تک تو بات واضح ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں جو حکم ملا اس سے فرزند کو ذبح کرنے کا حکم سمجھا اور اس پر عمل کرنے کے لیے مکمل آمادگی کے ساتھ فرزند کو ذبح کرنے کے پختہ عزم و ارادے سے لٹایا اور ایسے مرحلے میں داخل ہو گئے جس کے بعد ذبح کا عمل وقوع پذیر ہونے میں کوئی فاصلہ باقی نہ رہا۔ آزمائش پوری ہو گئی۔ ذبح کا وقوع پذیر ہونا منظور نہ تھا۔ ندا آئی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا....

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ: ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ جزا مل گئی کہ بیٹے کی قربانی کی عظیم آزمائش میں کامیاب ہو گئے اور فرزند کی نعمت بھی نہ چھینی گئی۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ ۱۰۶۔ یقیناً یہ ایک نمایاں امتحان تھا۔

تفسیر آیات

تاریخ امتحان میں ایک نمایاں امتحان تھا کہ عشق الٰہی کے سامنے دنیا کا سب سے عزیز ترین وجود حائل ہوسکتا ہے!! فرزند بھی وہ جو برسوں کے ارمانوں کے بعد پیدا ہوا۔ امتحان بھی وہ کہ اپنے پارۂ جگر کا گلا اپنے ہاتھ سے کاٹ دو۔ اس عظیم قربانی کا حکم ملنے پر نہ تردد ہوتا ہے، نہ اس میں تاخیر کرنے تک کی درخواست کی جاتی ہے۔ بیٹے کی آزمائش بھی باپ سے کم نہ تھی۔ اپنے باپ کے ہاتھ موت کی آغوش میں جانے کے لیے آمادہ ہونا بھی نمایاں امتحان ہے۔

اہم نکات

۱۔ انسان کی عظمت، امتحان کی عظمت سے وابستہ ہے۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ ۱۰۷۔اور ہم نے ایک عظیم قربانی سے اس کا فدیہ دیا۔

تفسیر آیات

ہم نے ایک عظیم ذبیحہ سے ابراہیم کے فرزند کا فدیہ دیا۔ بظاہر عظیم تو وہ فرزند تھے جن کا فدیہ دیا گیا ہے۔لیکن قرآن اس ذبیحہ کو عظیم قرار دے رہا ہے۔

خصال صدوق میں روایت ہے کہ قیامت تک ہونے والی منیٰ کی قربانیاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ہیں۔

بحارالانوار اور عیون اخبار الرضا میں آیا ہے: حج کے علاوہ ہر قربانی بھی اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے۔ حضرت سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذبح عظیم کے مصداق ہونے پر متعدد روایات موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو تاویل الایات الظاھرۃ صفحہ ۴۸۷ کہ ان تمام قربانیوں سے سبط رسولؐ کی قربانی عظیم ہونے میں کسے تأمل ہوسکتا ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ۱۰۸۔ اور ہم نے آنے والوں میں ان کے لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔

تفسیر آیات

اس سے بہتر اور اعلیٰ ذکر جمیل کیا ہوسکتا ہے کہ تمام ادیان سماوی کے لیے آپؑ کی ذات سند ہے،

ان کے بعد مبعوث ہونے والے تمام انبیاء علیہم السلام ان کی ذریت و اولاد میں سے ہیں، ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو حج کی عبادت قرار دیا اور ان کی قربانی کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں قربانیاں پیش کی جاتی ہیں۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾　　۱۰۹۔ ابراہیم پر سلام ہو۔

تفسیر آیات

سب سے پہلے تو سلام و محبت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اللہ کے بعد سلام ہو ابراہیم پر ان کی نسل کے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف سے، ان کی تمام امتوں کی طرف سے، ان کی قربانی کی یاد تازہ رکھنے والوں کی طرف سے، رہتی دنیا کے دینداروں کی طرف سے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾　　۱۱۰۔ ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

تفسیر آیات

ہزارہا برس سے نسلاً بعد نسلٍ سلام و محبت ایک ایسی جزا ہے جو حضرت خلیل علیہ السلام جیسے احسان کرنے والوں کے لیے سزاوار ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾　　۱۱۱۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

تفسیر آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایمان کے اس درجے پر فائز تھے جس سے اعلیٰ درجے پر ان کی اولاد میں سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام فائز ہو سکتے ہیں۔ ایمان و ایقان ہی کا کارنامہ تھا کہ آتش نمرود میں اطمینان کے ساتھ کود جاتے ہیں۔ اللہ پر توکل کا یہ عالم کہ آتش نمرود میں جاتے ہوئے جبرئیل امین جیسے اللہ کے مقتدر فرشتے کی پیش کش کو اعتنا میں نہیں لاتے۔

اہم نکات

۱۔ ایک اللہ پر ایمان تمام دنیا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾　　۱۱۲۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی بشارت دی کہ وہ صالحین میں سے نبی ہوں گے۔

تفسیر آیات

اس عظیم قربانی کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے پہلے جس فرزند کی قربانی کا ذکر ہوا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ لہٰذا یہ نظریہ درست نہیں ہے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔

مسلمانوں کی روایات میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کا اصل مصدر کعب احبار ہے۔ یہ یہودی حضرت عمر کے زمانے میں مسلمان ہوا اور دربار خلافت میں مقام حاصل کیا۔ یہ روایات سنایا کرتا تھا۔ خود حضرت عمر بھی اس کی روایات سنا کرتے تھے۔ اسے سرکار کی طرف سے رسمیت ملنے پر دوسرے بھی اس شخص کی روایات سننے اور نقل کرنے لگے۔ اس طرح اسرائیلیات کو اسلامی روایات میں داخل ہونے کا موقع میسر آیا۔

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکات نازل کیں اور ان دونوں کی اولاد میں نیکی کرنے والا بھی ہے اور اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والا بھی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ: ہم نے ابراہیم پر اپنی برکتوں کا نزول کیا یعنی ان کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔

۲۔ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ: اور اسحاق علیہ السلام پر بھی برکتوں کا نزول ہوا اور ان کی اولاد میں سینکڑوں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام اولاد اسحاق علیہ السلام ہیں۔

۳۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ: حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی اولاد میں نیک اور صالح افراد ہوں گے اور ظلم بہ نفس کے مرتکب افراد بھی۔ یہودی نظریے کے خلاف نیک ہونا اور نیک نہ ہونا نژادی مسئلہ نہیں ہے، عمل سے مربوط ہے۔ اولاد ابراہیم علیہ السلام ہونے کے باوجود شرک جیسے ظلم بہ نفس کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

اس سے دو مسئلے واضح ہو جاتے ہیں: ایک یہ کہ انسان کا نیک ہونا، نہ ہونا کسی نژاد کے ساتھ مربوط نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ قیادت و رہبری نسل ابراہیمی سے بیرون بھی نہیں ہے۔ نژاد کی وجہ سے نہیں ایثار و قربانی کی وجہ سے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ اور بتحقیق موسیٰ اور ہارون پر ہم نے احسان کیا۔

تفسیر آیات

موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر اللہ کی طرف سے جو احسانات ہوئے ہیں ان کا ذکر ہے۔

وَ نَجَّيْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾　۱۱۵۔ اور ان دونوں کو اور ان دونوں کی قوم کو عظیم مصیبت سے ہم نے نجات دی۔

تفسیر آیات

پہلا احسان یہ ہے کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کو فرعون و فرعونیوں کے عذاب عظیم سے نجات دی جو ان کی اولاد کو قتل کرتے، عورتوں کو خدمت گزاری کے لیے زندہ چھوڑتے، انسانیت سوز مظالم اور تحقیر و تذلیل سے دوچار کرتے تھے۔

وَ نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾　۱۱۶۔ اور ہم نے ان کی مدد کی تو وہی غالب آنے والے ہو گئے۔

تفسیر آیات

دوسرا احسان یہ ہوا کہ فرعون جیسی طاغوتی سپر طاقت پر بنی اسرائیل جیسی اسیر قوم کو فتح و غلبہ عنایت فرمایا اور فرعون و فرعونیوں کو غرقِ آب کر دیا۔

وَ اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾　۱۱۷۔ اور ہم نے ان دونوں کو روشن کتاب دی۔

تفسیر آیات

تیسرا احسان یہ ہوا کہ ان دونوں کو توریت جیسی عظیم کتاب عنایت فرمائی جو بنی اسرائیل کے لیے دونوں جہان کی سعادت لے کر آئی۔

وَ هَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾　۱۱۸۔ اور ان دونوں کو سیدھا راستہ ہم نے دکھایا۔

تفسیر آیات

چوتھا احسان یہ تھا کہ ہر قدم پر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اللہ نے ان دونوں ہستیوں کی سیدھے

راستے کی رہنمائی فرمائی جس کی وجہ سے ایک پسی ہوئی قوم زمانے کے طاغوت کا مقابلہ کر سکی۔

وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ۱۱۹۔ اور ہم نے آنے والوں میں ان دونوں کے لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔

تفسیر آیات

پانچواں احسان یہ ہوا کہ ان کا ذکر جمیل تا قیامت آنے والوں میں زندہ رکھا، ان کی طویل اور صبر آزما تحریک کو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ قرار دیا اور سب سے اہم یہ کہ قرآن جیسی ابدی کتاب ان دونوں بھائیوں کے ذکر جمیل سے پُر ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ ۱۲۰۔ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو۔

تفسیر آیات

چھٹا احسان یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں پر اول تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام و محبت ہے۔ دوم یہ کہ آنے والی تمام نسلوں کی طرف سے تا قیامت سلام و محبت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ ۱۲۱۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

تفسیر آیات

ساتواں احسان یہ ہے کہ قیامت تک آنے والی نسلوں میں سلام و محبت، ذکر جمیل، مشکلات سے نکلنے کا راستہ دکھانا، ایک عظیم کتاب عنایت فرمانا، فتح و نصرت سے نوازنا وغیرہ ایسی جزائیں ہیں جو ان دونوں بھائیوں کے شامل حال رہی ہیں۔

اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ۱۲۲۔ یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

یہ سب کچھ اس ایمانی قوت کی وجہ سے ہوا جو ان دونوں بھائیوں میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

وَ اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ ۱۲۳۔ اور الیاس بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھے۔

تفسیر آیات

حضرت الیاس علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے۔

جب بنی اسرائیل میں بت پرستی عام ہونا شروع ہوگئی تو حضرت الیاس علیہ السلام نے اس بت پرستی کے خلاف قیام کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصے پر آل داؤد قابض تھے جو یہودی ریاست کے نام سے موسوم تھی اور دوسرے حصے کو اسرائیلی ریاست کا نام دیا گیا۔ اس کے بادشاہ نے لبنان کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لی جو مشرکہ تھی۔ بعد میں خود بھی مشرک ہوگیا جس سے بت پرستی کو تقویت ملی۔ اس وقت حضرت الیاس علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف قیام کیا۔ بادشاہ سے جانی خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے حضرت الیاس علیہ السلام نے ہجرت اختیار کی۔

اسی اثناء میں یہودی ریاست کے بادشاہ نے اسرائیل کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر لی جس کی وجہ سے یہاں بھی بت پرستی کو رواج ملا۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے یہاں بھی اس بت پرستی کیخلاف آواز اٹھائی۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۴۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اپنا بچاؤ نہیں کرتے؟
۱۲۵۔ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خلق کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو؟

تفسیر آیات

۱۔ اَلَا تَتَّقُوْنَ: بت پرستی کے نتیجے میں آنے والی ابدی تباہی سے اپنا بچاؤ نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو تباہی سے بچانے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان کی تعلیمات میں انذار کا پہلو زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت بشارت کے۔

۲۔ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا: تعجب ہے تم احسن الخالقین کو چھوڑ کر بَعْل کو پوجتے ہو۔

بعل: اہل کنعان کے سب سے بڑے بت کا نام ہے۔ دراصل بعل کے معنی بلندی کے ہیں۔ اسی سے اس درخت کو بعل کہتے ہیں جو بلند ہوگیا ہو اور اپنی جڑوں کے ذریعے پانی جذب کرتا ہو۔ باب زکوٰۃ میں ہے: اذا کانت سیحا او بعلا العشر۔[1] اگر نہر یا جڑوں سے سیراب ہوتا ہے تو دسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ اسی سے سردار، مالک اور شوہر کو بھی بعل کہتے ہیں۔

قدیم بت پرستوں نے اپنے ایک خاص بت کو بعل کا نام دیا تھا۔ خصوصاً لبنان، شام اور فلسطین کے علاقوں میں بعل پرستی عام تھی اور اس کے ساتھ ایک دیوی بھی تھی جو عشقا روث کے نام سے موسوم تھی۔

کہتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اسی بت کو مولك کہتے تھے۔ اس بت کی شکل انسان کی شکل میں تھی۔ سر گوسالہ کا جس کے دو سینگ ہیں۔ سر پر تاج، ایک کرسی

---

[1] حدیث نبوی

پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے گویا کوئی چیز وصول کر رہا ہے۔ یہ تانبے سے بنا ہوا اندر سے خالی تھا۔ ایک تنور کی مانند چبوترے پر رکھا ہوا ہوتا تھا۔ وہ اس تنور کے اندر آگ جلاتے تھے اور لوگ اپنی قربانیوں کو اس کے ہاتھوں پر رکھتے تو سادہ لوح لوگ یہ سمجھتے تھے کہ معبود نے اس کی قربانی کو جلا کر قبول کیا ہے۔ پیرس کے عجائب گھر میں بعل کی ایک مورتی موجود ہے جو پتھر سے تراشی ہوئی ہے۔ انسان کی شکل میں ہے۔ سر پر ایک خود ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک گھنٹی ہے۔ شاید بعض قوموں کے نزدیک بعل کی یہ شکل ہو گی۔[1]

حضرت الیاس علیہ السلام کی آمد کی خبر تو پہلے ہی بائیبل میں دے دی گئی تھی مگر بنی اسرائیل نے انہیں نہیں پہچانا اور اذیت پہنچائی مگر بعد میں وہ حضرت الیاس علیہ السلام کے اس قدر عقیدت مند ہوگئے کہ یہ عقیدہ عام ہو گیا کہ انہیں آسمان میں اٹھا لیا گیا ہے، وہ پھر دنیا میں آنے والے ہیں۔

۳۔ وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ: بعل پرستوں کی عقلی بے مائیگی کے اظہار کے لیے نام لینے کی جگہ وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ فرمایا ہے کہ تم اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ کو چھوڑ کر ایک بدشکل، بے شعور، خود تراشیدہ کو پوجتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اپنی نوعیت میں سب سے بہتر ہے۔ وہ نوعیت یہ ہے کہ اللہ کی تخلیق ابداعی ہے یعنی عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ اس نوعیت کی تخلیق پر غیر خدا، کوئی اور قادر نہیں ہے۔ انسان کی تخلیق تقدیری ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ المؤمنون: ۱۴۔

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ رَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ اللہ ہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔

تفسیر آیات

۳۳۵

ان کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ تمہارا رَبّ اللہ ہے، بعل نہیں ہے۔ تمہارے قدیم آباء و اجداد کا رَبّ ہے چونکہ ان کے قدیم آباء و اجداد موحد تھے بعد میں انحراف آیا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس وہ حاضر کیے جائیں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ مشرکوں نے زن پرست بادشاہوں کی پیروی کرتے ہوئے حضرت الیاس علیہ السلام کی تکذیب کی۔

---

[1] التحریر والتنویر ذیل آیت

لبنان کے بادشاہ اخاب کی زوجہ ایزابل نے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی تو آپؑ نے بئر سبع نامی جگہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد ان کا علم نہ ہو سکا۔

بعض کے نزدیک الیاس، ادریس علیہ السلام کا نام ہے جنہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے لیکن قرآن کے نزدیک الیاس اور ادریس دو پیغمبران علیہما السلام ہیں۔ البتہ الیاس کا نام بائیبل میں ایلیاہ ہے۔

۲۔ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ: ان تکذیبی عناصر کو اللہ اپنی عدالت میں حاضر کرے گا اور ان کے جرائم کی سزا سنائی جائے گی۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾　　۱۲۸۔ سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے۔

وہ لوگ جنہوں نے حضرت الیاس علیہ السلام کی پیروی کی ہے اور ان کے ساتھ جہاد کیا۔ اس آیت کی تشریح اسی سورہ میں ہو چکی ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾　　۱۲۹۔ اور ہم نے آنے والوں میں ان کے لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔

اس آیت کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾　　۱۳۰۔ آل یاسین پر سلام ہو۔

تفسیر آیات

بعض کے نزدیک اِلْ يَاسِيْنَ حضرت الیاس علیہ السلام ہی کا دوسرا تلفظ ہے۔ نافع اور ابن عامر کی قرائت میں آلِ یاسین آیا ہے۔

فضائل: ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

وقرأ آخرون سلام علی آل یاسین یعنی آل محمد۔　　کچھ لوگوں نے سلام علی آل یاسین پڑھا ہے کہ اس سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

ابن حجر نے صواعق محرقہ میں اس آیت کو شان اہل بیت علیہم السلام میں نازل ہونے والی آیات میں شمار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس کی روایت کو ابو صالح اور مجاہد دونوں نے بیان کیا ہے کہ آل یاسین سے مراد آل محمد ہیں۔ ملاحظہ ہو شواھد التنزیل ذیل آیت۔ مجمع الزوائد ۹: ۱۷۴۔ اربلی کشف الغمۃ ج۱ ص۲۳۴، المعجم الکبیر۔ خود حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: یاسین محمد و نحن آل یاسین۔ ملاحظہ ہو شواھد التنزیل ذیل آیت۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾
۱۳۱۔ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾
۱۳۲۔بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے.

ان دو آیات کی وہی تشریح ہے جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی شان میں ہو چکی ہے۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
۱۳۳۔اور لوط بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھے

اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾
۱۳۴۔ جب ہم نے انہیں اور ان کے سب گھر والوں کو نجات دی۔

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾
۱۳۵۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
۱۳۶۔ پھر ہم نے سب کو ہلاک کر دیا۔

تفسیر آیات

۱۔حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر اس سے پہلے متعدد آیات میں آچکا ہے۔

۲۔ اِلَّا عَجُوْزًا: یہ بڑھیا حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو ایک رسول کی بیوی ہونے کے باوجود اپنے شوہر کی نافرمانی کر کے اپنی بدکار قوم کا ساتھ دینے کو ترجیح دے رہی تھی۔ چنانچہ یہ بڑھیا بدکار قوم کے ساتھ ہلاک ہوگئی۔

۳۔ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ: پھر قوم لوط کو اس طرح تباہ کر دیا کہ وہ زمین میں دھنس گئی اور اس پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی۔

وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾
۱۳۷۔اور تم دن کو بھی ان (بستیوں) سے گزرتے رہتے ہو،

وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾
۱۳۸۔ اور رات کو بھی، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

تفسیر آیات

۱۔اہل مکہ شام کی طرف بغرض تجارت جاتے ہوئے قوم لوط کے تباہ شدہ علاقوں سے گزرا کرتے تھے۔ چنانچہ دریائے مردار کی جگہ یہ قوم آباد تھی۔ آج بھی اس علاقے پر تباہی کے آثار نمایاں ہیں۔

۲۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: عقل کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے عبرت ناک انجام سے سبق سیکھتے اور اپنے رسول صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی نہ کرتے۔

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾　۱۳۹۔ اور یونس بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھے۔

اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾　۱۴۰۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگے۔

تفسیر آیات

۱۔یونس بن متی: عبرانی میں ان کا نام یونان بن امتای ہے۔ آپ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں اور فلسطین سے ان کا تعلق ہے۔ انہیں کو عراق کے ایک شہر اھل (نینوی) کی طرف مبعوث کیا گیا جب بنی اسرائیل آشوریوں کے ہاں اسیر تھے۔ ان کے زمانے کا اندازہ ۸۰۰ قبل مسیح لگایا گیا ہے۔

۲۔ اِذْ اَبَقَ: غلام کے اپنے آقا سے بھاگ جانے کو اباق کہتے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑنے میں جلدی کی اور اذن خدا کے بغیر وہاں سے نکل گئے۔ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی، اسیری میں ہونے کی وجہ سے آشوریوں کی طرف سے زیادہ اذیت کی توقع تھی، اس لیے وہاں سے نکل گئے اور کشتی پر سوار ہوئے۔

۳۔ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ: شحن کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جس کشتی پر سوار تھے اس میں گنجائش سے زیادہ افراد بیٹھے ہوئے تھے چونکہ مشحون پُر شدہ کو کہتے ہیں۔

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾　۱۴۱۔ پھر قرعہ ڈالا تو وہ مات کھانے والوں میں سے ہوئے۔

تشریح کلمات

فَسَاهَمَ : (س ھ م) قرعہ اندازی کے تیر کو سَھْمٌ کہا جاتا ہے۔

المدحض: (د ح ض) اصل میں دَحَضَ پاؤں پھسلنے کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَسَاهَمَ: سمندر میں طلاطم آیا۔ غرق کا خطرہ لاحق ہوا تو قرعہ اندازی ہوئی کہ جس کا نام نکل آئے اسے سمندر میں پھینک دیا جائے۔ یہودی تاریخ میں آیا ہے: لوگ آپس میں کہنے لگے دیکھتے ہیں اس طلاطم کا سبب کون سا شخص ہے، قرعہ اندازی کے ذریعے معلوم کرتے ہیں تو یونس کا نام نکل آیا۔

قرعہ اندازی قدیم قوموں میں رائج تھی۔ جب کسی کشتی میں گنجائش سے زیادہ افراد موجود ہوتے تو قرعہ اندازی کے ذریعے اس مشکل کو حل کیا کرتے تھے۔

اس قرعہ اندازی سے حکم شرعی کا استنباط نہیں ہوسکتا چونکہ جن لوگوں نے یہ عمل کیا ہے ان کا عمل حجت نہیں ہے۔ اگر حضرت یونس علیہ السلام کا قبول کرنا حجت قرار دیا جاتا ہے تو بھی ہماری شریعت میں ثابت نہیں ہے۔ البتہ ہماری شریعت میں چند ایک شرائط کے تحت قرعہ اندازی مشروع ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے بارے میں قرعہ اندازی سے کام لیا گیا تھا: اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ ...۔[1]

۲ فَکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ: المدحض۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکل آتا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ تین مرتبہ قرعہ اندازی ہوئی تینوں مرتبہ حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکل آیا۔ بالآخر انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲۔ پھر مچھلی نے انہیں نگل لیا اور وہ (اپنے آپ کو) ملامت کر رہے تھے۔

تشریح کلمات

الْتَقَمَهُ: (ل ق م) لقم کسی چیز کو نگل لینا۔ رجلٌ تلقام بڑے بڑے لقمے نگلنے والا۔

الْحُوْتُ: (ح و ت) بڑی مچھلی۔

تفسیر آیات

۱۔ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ: مچھلی نے انہیں نگل لیا۔ مچھلی بڑی تھی جو دانتوں سے چبائے بغیر نگل لیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی مچھلی تھی جسے مغرب والے بالین کہتے ہیں۔

۲۔ وَهُوَ مُلِيْمٌ: وہ ملامت کرنے والا تھا۔ مچھلی کے شکم میں جانے کے بعد حضرت یونس علیہ السلام اپنے اس عمل پر ملامت کرتے تھے کہ اپنے رَبّ کی اجازت کے بغیر اپنی ذمے داری چھوڑ کر نکل پڑے۔

بعض کے نزدیک یہ کشتی دریائے دجلہ پار کر رہی تھی۔ دریائے دجلہ میں اتنی بڑی مچھلیاں نہیں ہوتیں اس لیے بعض اسے غلط قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کشتی بحر روم میں سفر کر رہی تھی۔ و العلم عند اللّٰہ۔

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

۱۴۳۔ پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ ۱۴۴۔ تو قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہ جاتے۔

[1] ۳ آل عمران: ۴۴

تفسیر آیات

۱۔ اس تسبیح کا ذکر سورۂ انبیاء میں ہو گیا ہے۔ وہ یہ تھا: لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ کو ہمیشہ یاد رکھنے والوں میں سے تھے۔ اس یاد خدا کی وجہ سے انہیں نجات دے دی گئی اور دوبارہ نبوت کے منصب پر فائز کیا۔

۲۔ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ: اگر تسبیح کا ذریعہ ان کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو اس مچھلی کا شکم ان کی قبر بن جاتا اور سمندر کی تہ میں قیامت تک مدفون رہ جاتے۔ اگر وہ مچھلی کے شکم میں نہ جاتے تو بھی انہیں دوبارہ منصب نبوت پر برقرار نہ کیا جاتا، اگر تسبیح کی صورت میں یاد خدا میں رہنے والا نہ ہوتے۔ سورہ قلم میں فرمایا:

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝[2]　　اگر ان کے رب کی رحمت انہیں سنبھال نہ لیتی تو وہ برے حال میں چٹیل میدان میں پھینک دیے جاتے۔

آپ کی اس تسبیح کی وجہ سے نعمت الٰہی نے انہیں سنبھالا دیا اور نبوت کا منصب برقرار رکھا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ تین دن تک، بعض میں ایک دن، بعض میں آیا ہے کہ چند گھنٹے شکم میں رہے۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝۱۴۵　　۱۴۵۔ اور ہم نے بیمار حالت میں انہیں چٹیل میدان میں پھینک دیا۔

تفسیر آیات

اگر اللہ کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو مچھلی کے شکم کے ترشحات کی وجہ سے ان کا وجود ہضم ہو جاتا تاہم اتنی دیر مچھلی کے شکم میں رہے ہیں کہ مریض ہو گئے اور حکم خدا سے مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو ایک بے آب و گیاہ میدان میں اگل دیا۔

یہاں ایک سوال ذہنوں میں آتا ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے کسی انسان کا زندہ نکل آنا کیسے ممکن ہے؟ اس کے جواب میں معجزے کا حوالہ دیے بغیر پیش آنے والا وہ واقعہ کافی ہے جس میں ایک شخص ۷۰ گھنٹے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے بعد زندہ نکل آیا۔ یہ واقعہ انگلینڈ میں پیش آیا۔ مچھیرے بڑی وہیل مچھلیوں کا شکار کر رہے تھے۔ ایک شخص کو مچھلی نے نگل لیا۔ دوسرے دن وہ مچھلی مر گئی تھی۔ اس کے پیٹ سے وہ آدمی

---

[1] ۲۱ انبیاء: ۸۷　　[2] ۶۸ القلم: ۴۹

زندہ برآمد ہوا۔(اردو ڈائجسٹ ۱۹۶۴ء۔بحوالہ تفہیم القرآن)

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۶۔اور ہم نے ان پر کدو کی بیل اگائی۔

تفسیر آیات

یَّقْطِیْنٍ ایسے درخت کو کہتے ہیں جو تنے پر کھڑا نہ ہو اور بیل کی شکل میں ہو۔ جیسے کدو، خربوزہ وغیرہ۔ بعض مفسرین تصریح کرتے ہیں کہ یَّقْطِیْنٍ سے مراد کدو ہے۔ یہ درخت حضرت یونس علیہ السلام کے لیے سائے اور کھانے پینے کا کام دیتا تھا۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

۱۴۷۔اور ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا۔

تفسیر آیات

نجات کے بعد آپ علیہ السلام کو دوبارہ اپنی قوم کی طرف بھیجا جو ابھی ایمان لا چکی تھی۔ ان کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔ اَوْ کا مطلب بعض کے نزدیک ''بلکہ'' ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ''زیادہ'' کا مطلب بیس ہزار ہے۔ اس طرح تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بنتی ہے۔ قوم یونس کے ایمان کا واقعہ سورہ یونس آیت ۹۸ کے ذیل میں مذکور ہے۔

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

۱۴۸۔ پھر وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ایک وقت تک انہیں متاع حیات سے نوازا۔

ایمان لانے اور عذاب ٹل جانے کے بعد قوم یونس کو ایک مدت تک زندگی دی گئی۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۴۹۔پس آپ ان سے پوچھیں: کیا تمہارے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے ہوں؟

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

۱۵۰۔کیا ہم نے فرشتوں کو جب مؤنث بنایا تو وہ دیکھ رہے تھے؟

تفسیر آیات

۱۔ اے رسول ان سے سوال کریں کہ ان لوگوں نے آپ کے رب کے حصے بیٹیاں رکھی ہیں اور خود اپنے لیے بیٹے۔ بیٹیاں اور بیٹوں میں یہ لوگ خود تفریق کے قائل ہیں:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○ [1]

حالانکہ جب ان میں سے کسی ایک کو بھی اس (بیٹی) کا مژدہ سنایا جاتا ہے جو اس نے خدائے رحمٰن کی طرف منسوب کی تھی تو اندر ہی اندر غصے سے پیچ و تاب کھا کر اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔

اپنی ذہنیت کے مطابق اللہ کے لیے غیر مرغوب بیٹیاں رکھ دیں اور اپنے لیے مرغوب بیٹے:

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○ [2]

یہ تو پھر غیر منصفانہ تقسیم ہے۔

مشرکین فرشتوں کو بیٹیاں سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان بیٹیوں کو اللہ نے اپنا لیا، برگزیدہ کیا ہے۔ مجمع البیان کا موقف یہی ہے:

علی وجه الاصطفا لا علی وجه الولادة۔

برگزیدہ کر کے، نہ ولادت سے۔

۲۔ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا: فرشتوں کے مؤنث ہونے پر ان کے پاس کیا شواہد ہیں؟ فرماتا ہے کہ جب ہم فرشتے خلق کر رہے تھے، کیا تم اس وقت حاضر تھے؟

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۙ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

۱۵۱۔ آگاہ رہو! یہ لوگ اپنی طرف سے گھڑ کر کہتے ہیں،

۱۵۲۔ کہ اللہ نے اولاد پیدا کی اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

تفسیر آیات

اسی طرح ان مشرکین کا یہ بھی ایک افترا اور جھوٹ ہے جو کہتے ہیں اللہ نے اولاد پیدا کی ہے۔ اللہ کے لیے اولاد کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس پر ہم نے سورہ مریم آیت ۳۵ میں تشریح کی ہے۔

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ کیا اللہ نے بیٹوں کی جگہ بیٹیوں کو پسند کیا؟

---

[1] ۴۳ زخرف: ۱۷　　[2] ۵۳ نجم۔۲۲

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
۱۵۴۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾
۱۵۵۔ کیا تم غور نہیں کرتے؟

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾
۱۵۶۔ یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾
۱۵۷۔ پس اپنی کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو برگزیدہ کیا ہے۔

۲۔ تمہیں، تمہاری عقل وخرد کو کیا ہو گیا ہے؟ ایسی بات کرتے ہو جو تمہارے دائرۂ علم و ادراک میں نہیں ہے۔ اس کے لیے سند درکار ہے۔ اگر کوئی سند موجود ہے تو اسے پیش کرو۔

۳۔ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ: اپنی کتاب پیش کرو۔ تم لوگ سرے سے کسی کتاب و وحی کے قائل نہیں ہو تو بتاؤ تمہارے پاس کیا سند ہے؟

وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
۱۵۸۔ اور انہوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ بنا رکھا ہے، حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ (اللہ کے سامنے) حاضر کیے جائیں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ مشرکین جن اور اللہ کے درمیان کسی قسم کے رشتے کے قائل تھے؟ مفسرین کے اقوال میں اضطراب ہے۔ بعض کہتے ہیں رشتے سے مراد یہ ہے کہ مشرکین نے شیطان کو اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک کیا۔ دیگر بعض کے نزدیک اس رشتے سے مراد مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ نے جنات سے ازدواج کیا جس سے فرشتے پیدا ہوئے۔ بعض کہتے ہیں جنات سے مراد ملائکہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ثنویت ہے کہ شیطان کو شر کا خالق اور اللہ کو خیر کا خالق ٹھہراتے ہیں۔

ان اقوال میں سے بعض اقوال مفہوم و سیاق سے دور ہیں تاہم ان میں سے دیگر کسی قول کا انتخاب مشکل ہے۔

۲۔ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ: جنات کا اللہ کے ساتھ رشتہ کیا ہو سکتا ہے، خود جنات کو اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے جہاں اپنی قسمت کا فیصلہ سننا ہے۔ اس جملے سے معلوم ہوا کہ جنات سے

مراد فرشتے نہیں ہیں۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

۱۵۹۔ اللہ ان کے ہر بیان سے پاک ہے،
۱۶۰۔ سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے (جو ایسی بات منسوب نہیں کرتے)۔

تفسیر آیات

۱۔ جب کہ اللہ کی ذات بہت بالا اور منزہ ہے ان باتوں سے جن کی نسبت یہ مشرکین اللہ کی طرف دیتے ہیں۔ اللہ کے لیے فرزند اور رشتے کا تصور اللہ کی شان میں گستاخی ہے جس میں وہ لوگ ملوث ہوتے ہیں جن کا ذہن کفر و شرک کی نجاست میں ملوث ہے۔

۲۔ مگر اللہ کے لیے خالص ہونے والے بندے ایسی جسارت میں ملوث نہیں ہوتے۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾
مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾
اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۱۔ پس یقیناً تم اور جنہیں تم پوجتے ہو،
۱۶۲۔ سب مل کر اللہ کے خلاف (کسی کو) بہکا نہیں سکتے،
۱۶۳۔ سوائے اس کے جو جہنم میں جھلنے والا ہے۔

تشریح کلمات

بِفٰتِنِيْنَ : (ف ت ن) گمراہ کرنا۔ فتنے یعنی فساد میں ڈالنا۔

تفسیر آیات

۱۔ فرشتے یہ بھی کہتے ہیں کہ تم اور تمہارے معبود جنات سب مل کر اللہ کی مرضی اور فیصلے کے خلاف کسی کا کچھ نہیں کر سکیں گے۔ مشرکین لوگوں کو اس واہمے میں ڈالتے تھے کہ جو جنات اور اصنام کو ناراض کرے گا وہ برص اور جذام جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔

۲۔ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ : البتہ جو لوگ جہنم میں جھلنے والے ہیں ان پر ان لوگوں کا بس چلتا ہے اور وہ آسانی سے انہیں واصل جہنم کر دیتے ہیں۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ اور (ملائکہ کہتے ہیں) ہم میں سے ہر ایک کے لیے مقام مقرر ہے،

تفسیر آیات

فرشتے کہتے ہیں: ہمارا معبود ہونا دور کی بات ہے ہمارا تو درجہ، ذمہ داری معلوم و متعین ہے۔ اس سے ہم ذرہ برابر بھی تجاوز نہیں کر سکتے۔ چونکہ فرشتے انسانوں کی طرح نہیں ہیں۔ انہیں جس کام کے لیے متعین کیا ہے اسی پر کاربند رہتے ہیں:

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ ....[1] اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔

وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ ۱۶۵۔ اور ہم ہی صف بستہ رہتے ہیں۔

تفسیر آیات

ایک تفسیر یہ ہے کہ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کے احکام کے انتظار میں صف بستہ کھڑے رہتے ہیں کہ تدبیر عالم کے بارے میں جو بھی حکم صادر ہوتا ہے اس کی فوری تعمیل ہو جاتی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہم عبادت کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے:

جعلت صفوفنا کصفوف الملائکۃ۔ ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنایا گیا ہے۔

صحیح مسلم، وسائل الشیعۃ میں صُفُوفَ اُمَّتِی کَصُفُوفِ الْمَلَائِکَۃِ ہے۔ یعنی میری امت کی صفیں ملائکہ کی صفوں کی طرح ہے۔

وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ ۱۶۶۔ اور ہم ہی تسبیح کرنے والے ہیں۔

تفسیر آیات

تسبیح، اللہ تعالیٰ کو اس بات سے منزہ قرار دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لیے لائق اور مناسب نہیں ہے۔ اس میں سرفہرست شرک آتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ظلم اور جبر و اکراہ سے منزہ قرار دینا وغیرہ۔

وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾
لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾
لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾
فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

۱۶۷۔ اور یہ لوگ کہا تو کرتے تھے:
۱۶۸۔ اگر ہمارے پاس اگلوں سے کوئی نصیحت آ جاتی،
۱۶۹۔ تو ہم اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے۔
۱۷۰۔ لیکن (اب) اس کا انکار کیا لہٰذا عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔

---

[1] ۶۶ تحریم: ۶

تفسیر آیات

۱۔ رخِ کلام اب مکہ کے مشرکین کی طرف ہو گیا جو رسول صلی اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس اسی قسم کی نصیحت آ جاتی جو سابقہ امتوں کی طرف آ گئی تو ہم اللہ کے بڑے مخلص بندے ثابت ہوتے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ سابق انبیاء علیہم السلام ان کی طرف مبعوث نہیں ہوئے ہیں۔

۲۔ فَكَفَرُوْا بِهٖ: جب یہ نصیحت ان کی طرف آ گئی تو ان لوگوں نے اسے مسترد کر دیا۔ یہاں الذکر (نصیحت) سے مراد قرآن مجید ہے۔

۳۔ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ: آئندہ انہیں اپنے کفر کی عاقبت کا علم ہو جائے گا۔ اس جملے میں ان کافروں کے برے انجام کی خبر دی ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾	۱۷۱۔ اور بتحقیق ہمارے بندگان مرسل سے ہمارا یہ وعدہ ہو چکا ہے۔
اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾	۱۷۲۔ یقیناً وہ مدد کیے جانے والے ہیں،
وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾	۱۷۳۔ اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب آ کر رہے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا: مکہ کے دل شکن حالات میں نازل ہونے والی اس سورت میں غیر مبہم الفاظ میں فتح و غلبہ کی یہ نوید صفحہ تاریخ پر پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہی ہے۔ کلمۃ یعنی اللہ کا حتمی فیصلہ اور یقینی وعدہ۔

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسولوں کو ایک مقصد اور ایک منزل کا تعین کر کے اس کی طرف روانہ فرمایا ہے تو اس وقت اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے کہ مرسلین اپنے مشن میں کامیاب رہیں گے۔ اللہ ناکام ہونے والے مشن کی طرف نہیں بھیجتا البتہ مرسلین کو اس کامیابی کے لیے انتہائی مشکلات کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ اللہ کے اس فیصلے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بلا زحمت چشم زدن میں کامیابی مل جایا کرے گی۔ فرمایا:

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ....[1]	یہاں تک کہ جب انبیاء (لوگوں سے) مایوس ہو گئے اور لوگ بھی یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا تو پیغمبروں کے لیے ہماری نصرت پہنچ گئی.

نصرت و غلبہ کے اس وعدے کا مطلق ذکر فرمایا لہٰذا اس میں دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی ہے

---

[1] ۱۲ یوسف: ۱۱۰

جب کہ دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ ○[1]

ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے رہیں گے اور اس روز بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔

۲۔ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ: غالب آنے کا مطلب وہ نہیں جو وقتی نگاہ سے دیکھنے والے کو نظر آتا ہے کہ فرعون و نمرود کو جو بالادستی حاصل ہے وہ ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کو حاصل نہیں ہے۔ یزید کی وسیع حکومت قائم ہوئی ہے، اس کے مقابلے میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور مدینے کے مہاجرین و انصار بے بس ہیں، آج استعماری قوتوں کو بالادستی ہے حاصل ہے اور حق کے ماننے والے مسلمان تہی دست ہیں، بلکہ غالب آنے سے مراد یہ ہے کہ آج نمرود و فرعون کی طاقت خاک میں مل گئی لیکن کرۂ ارض پر ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کا بول بالا ہے۔ ابوجہل تاریخ کی تاریک تہوں میں دفن ہو گیا مگر عبد اللہ کا یتیم زندہ و تابندہ ہیں۔ یزید کا نام داخل دشنام ہے جب کہ حسین علیہ السلام کا نام فاتحین میں سرفہرست ہے۔

جُنْد لشکر کو کہتے ہیں اور جُنْدَنَا ہمارا لشکر، اس الٰہی جماعت کو کہتے ہیں جو عیار دشمن کے خلاف برسر پیکار ہو۔ لہٰذا اس جملے میں اشارہ ہے کہ لشکر اور مجاہد ہونے کی صورت میں غلبہ ہے اور اگر دشمن کے خلاف صف بستہ ہونے کی بجائے دشمن کی صفوں میں شامل ہو جائیں تو نہ صرف فتح و غلبہ کا وعدہ نہیں ہے بلکہ اس کا قدرتی نتیجہ ذلت و رسوائی ہو گی۔

اہم نکات

۱۔ ہمارا لشکر غالب آئے گا۔ ہمارا غدار نہیں۔

فَتَوَلَّ عَنْھُمْ حَتّٰی حِیْنٍ ۝۱۷۴ ۱۷۴۔ لہٰذا آپ ایک مدت تک ان سے منہ پھیر لیں۔

تفسیر آیات

ایک مدت تک ان سے منہ پھیرنے کے حکم میں غیر مبہم اور واضح الفاظ میں اس فتح و نصرت کے وقت کا تعین ہے۔ ایک مدت تک آپ انہیں اپنے جرائم میں مصروف رہنے دیں۔

فَتَوَلَّ عَنْھُمْ: ان کے جرائم، الزامات اور ان کی اہانتیں اعتنا میں نہ لائیں۔

وَّاَبْصِرْھُمْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ ۝۱۷۵ ۱۷۵۔ اور انہیں دیکھتے رہیں کہ عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔

---

[1] ۴۰ مومن: ۵۱

تفسیر آیات

۱۔ البتہ ان پر نگاہ رکھو یا یہ انہیں راہ حق اور عذاب سے بچنے کا راستہ دکھاتے رہو۔ منطق و استدلال کا کام جاری رہے۔ الجھنے سے اجتناب کریں۔

۲۔ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ: عنقریب یہ آپ کی کامیابی اور اپنی رسوائی کا منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اس میں بھی فتح نصرت کی بشارت ہے۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾　　۱۷۶۔ کیا یہ ہمارے عذاب میں عجلت چاہ رہے ہیں؟

تفسیر آیات

وہ عذاب الٰہی کی تنبیہ کا مذاق اڑاتے اور کہتے تھے کہ وہ عذاب کب آئے گا؟ سورہ عنکبوت میں اس کا جواب آیا ہے:

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَا اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ..... [1]　　اور یہ لوگ آپ سے عذاب میں عجلت چاہتے ہیں اور اگر ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا.

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾　　۱۷۷۔ پس جب یہ (عذاب) ان کے دالان میں اترے گا تو تنبیہ شدگان کی صبح بہت بری ہو گی۔

تفسیر آیات

۱۔ جس عذاب کی یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں وہ عذاب جب ان کے گھروں کے دالان میں اترے گا تو اس وقت انہیں علم ہو گا کہ تنبیہ اور نصیحت پوری ہونے کے بعد آنے والا عذاب کتنا شدید ہے۔

۲۔ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ: وہ صبح بہت بری صبح ہو گی جس صبح ان پر عذاب نازل ہو گا۔ اللہ کا عذاب صبح کے وقت آیا کرتا ہے۔ جیسے فرمایا:

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝ [2]　　یقیناً ان کے وعدہ عذاب کا وقت صبح ہے، کیا صبح کا وقت قریب نہیں؟

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾　　۱۷۸۔ اور آپ ایک مدت تک ان سے منہ پھیر لیں۔

---

[1] ۲۹ عنکبوت: ۵۳　　[2] ۱۱ ھود: ۸۱

تفسیر آیات

ایک مدت تک ان کی اذیتوں کو اعتنا میں نہ لائیں۔ صرف ایک مدّت تک۔ اس کے بعد آپ کو فتح و نصرت ملے گی۔ یہ لوگ نابود ہو چکے ہوں گے۔

وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ ۱۷۹۔ اور دیکھتے رہیں عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔

تفسیر آیات

چنانچہ چشم عالم نے دیکھ لیا کہ ان آیات کے نزول کے چند سال بعد رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتح بن کر مکے میں داخل ہوگئے اور یہ لوگ یا تو نابود ہو گئے یا اگر موجود تھے تو طلقاء (معافی ملنے والے) کے طور پر زندہ رہے اور انہیں بیت المال سے کچھ مل جاتا تو مؤلفة القلوب کی مد سے۔ اس طرح کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کرنے والے آج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے خیرات کھاتے رہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ ۱۸۰۔ آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اے رسول آپ کا رَبْ پاکیزہ ہے ان تمام باتوں سے جن کی نسبت یہ مشرکین اس کی طرف دیتے ہیں۔

۲۔ رَبِّ الْعِزَّةِ: وہ عزت کا مالک ہے، واحد مالک ہے۔ عزت کا حقیقی مالک آپ کا رَبْ ہے۔ اگر کسی کو عزت ملتی ہے تو اس سے ملتی ہے اور آپ کا رَبْ جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل بناتا ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ ۱۸۱۔ اور پیغمبروں پر سلام ہو۔

تفسیر آیات

امن و سلامتی ہو مرسلین پر۔ اپنے دشمنوں پر فتح و نصرت کی سلامتی۔ اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے: ان مرسلین پر سلام کرو۔ ان میں کسی قسم کی تفریق نہ کرو۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ ۱۸۲۔ اور ثنائے کامل اس اللہ کے لیے ہے جو عالمین کا پروردگار ہے۔

تفسیر آیات

اس خدائے مہربان کی حمد و ثنا کرو جو عالمین کا مالک حقیقی ہے۔ جس نے ان مرسلین کو ہماری ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ جس نے ہماری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے عیار دشمنوں پر فتح و نصرت عنایت فرمائی۔ جس نے محمد و آل محمد کو عزت و سرفرازی عنایت فرمائی اور ان کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کیا۔

حدیث میں آیا ہے:

من اراد ان یکتال بالمکیال الاظفی من الاجر یوم القیامة فیلکن آخر کلامه فی مجلسه: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ و سلام علی المرسلین والحمدللّٰہ رب العالمین.[1]

کوئی اگر قیامت کے دن اجر ثواب مکمل تول کے ساتھ لینا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس کی نشست کا آخری کلام یہ ہو: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ و سلام علی المرسلین و الحمدللّٰہ رب العالمین۔

---

[1] مجمع البیان


سُورَةُ صٓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورۃ مبارکہ کا نام اس کی ابتدا میں مذکور حرف مقطع صاد سے ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے۔ زمان نزول کا تعین مشکل ہے چونکہ اس سورۃ کے نزول کے بارے منقول روایات متصادم ہیں۔

شان نزول: طبرسی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے:

رؤسائے قریش میں سے پچیس افراد جن میں ابوجہل، ابی بن خلف، امیۃ بن خلف اور ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، نضر بن حارث وغیرہ شامل ہیں اپنے سردار ولید بن مغیرہ کے ساتھ ابو طالب علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں: آپ ہمارے سردار اور بزرگوار ہیں۔ ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیاں انصاف کریں۔ وہ ہمیں کم عقل، ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے۔ ابو طالب علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا اور کہا: بھتیجے! یہ تمہاری قوم ہے۔ آپ سے ایک خواہش رکھتے ہیں۔ فرمایا: کیا خواہش ہے؟ کہا: کہتے ہیں: ہمیں اپنے معبودوں کو پوجنے دو۔ تم اپنے معبود کی عبادت کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک کلمہ کا اقرار کرلو۔ تم عرب وعجم پر حکمرانی کرو گے۔ اس پر ابوجہل نے کہا: ہم ایک نہیں دس کلمے کہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا الہ الا اللہ کا اقرار کرو۔ یہ سن کر وہ اٹھ گئے یہ کہتے ہوئے کہ کئی معبودوں کی جگہ صرف ایک معبود بنا لیا۔

بعض روایت میں آیا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیض وغضب میں آئے اور فرمایا: چچا اگر سورج میرے داہنے ہاتھ پر رکھ دیا جائے اور چاند میرے بائیں ہاتھ پر تو بھی میں اس دعوت کو نہیں چھوڑوں گا اگرچہ میں قتل کیا جاؤں۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام نے فرمایا:

اپنا کام جاری رکھو۔ قسم بخدا! میں کبھی آپ کی مدد کرنا نہیں چھوڑوں گا۔

چنانچہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کا ردعمل ان کے اشعار میں آیا ہے:

واللّٰہ لن یصلوا الیك بجمعهم	حتی اوسد فی التراب دفینا
فاصدع بامرك ما علیك غضاضة	و ابشر بذلك و قر منك عیونا
ولقد علمت بان دین محمد	من خیر ادیان البریة دینا

قسم بخدا جب میں زیر خاک دفن نہ ہو جاؤں آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ آپ اپنی دعوت جاری رکھیں۔ آپ کو کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ آپ مطمئن رہیں اور آنکھوں میں ٹھنڈک رہے۔ میں جان گیا ہوں کہ محمد کا دین، تمام ادیان سے بہتر دین ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ۝۲

۱۔ صاد، قسم ہے اس قرآن کی جو نصیحت والا ہے۔ ۲۔ مگر جنہوں نے (اس کا) انکار کیا وہ غرور اور مخالفت میں ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَالْقُرْاٰنِ: نصیحتوں سے لبریز اس قرآن کی قسم۔ اس قرآن کی نصیحتوں میں کوئی خلل نہیں ہے، نہ اس کے قائم کردہ دلائل میں کوئی سقم ہے، نہ ان حقائق میں کوئی ابہام ہے جو یہ پیش کرتا ہے

۲ بلکہ خود کافروں کے ذہنوں پر تکبر اور غرور کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ ضد اور ہٹ دھرمی نے ان سے سوچنے کی صلایت چھین لی ہے۔

کَمْ اَہْلَکْنَا مِنْ قَبْلِہِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝۳

۳۔ ان سے پہلے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر (جب ہلاکت کا وقت آیا تو) فریاد کرنے لگے مگر وہ بچنے کا وقت نہیں تھا۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ لوگ پہلی ہٹ دھرم، ضدی اور مغرور قوم نہیں ہیں ان سے پہلے بھی بہت سی اقوام نے اس قسم کی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن ان کا یہ تکبر اس وقت خاک میں مل جاتا ہے جب ان کی ہلاکت و تباہی کا وقت آتا ہے۔

۲۔ فَنَادَوْا: وہ چیخ اٹھتے، کسی بچانے والے کو پکارنے لگ جاتے ہیں مگر وقت گزر چکا ہوتا ہے۔
۳۔ وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ: بچنے کا وقت نہیں تھا۔ بچنے کے وقت انہوں نے غرور و تکبر کیا۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۫ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴

۴۔ اور انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ خود انہی میں سے کوئی تنبیہ کرنے والا آیا اور کفار کہتے ہیں: یہ جھوٹا جادوگر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَعَجِبُوْٓا: حالانکہ تعجب اس پر ہونا چاہیے تھا کہ اگر ان کی طرف ایک ایسے اجنبی شخص نے آ کر نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا جس کے ماضی کا علم نہ ہوتا اور کردار کا کسی کو تجربہ نہ ہوتا۔ اس کی قوم و قبیلہ کا پتہ نہ ہوتا تو اس صورت میں انہیں کہنا چاہیے تھا کہ تعجب کی بات ایک انجان شخص نے آ کر اچانک ہمارے درمیان نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ہم اسے جانتے تک نہیں۔

اسی طرح اگر وہ رسول مِّنْهُمْ نہ ہوتا انسان نہ ہوتا۔ آسمان سے کوئی فرشتہ نازل ہوتا تو بھی تعجب کی بات تھی کہ بھلا ایسا رسول کس طرح ہمیں راہ راست پر لا سکتا ہے جو ہمارے ساتھ جذبات و ضروریات میں شریک نہ ہو۔ ہماری طرح کوئی احساسات نہ رکھتا ہو۔ ہمارے لیے نمونۂ عمل اور مشعل راہ نہ بن سکتا ہو۔

۲۔ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ: اگرچہ وہ دل سے جانتے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا سحر اور جادو سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور یہ بھی جانتے تھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن اس دعوت کو رد کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں بنایا کرتے تھے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝۵

۵۔ کیا اس نے بہت سے معبودوں کی جگہ صرف ایک معبود بنا لیا؟ یہ تو یقیناً بڑی عجیب چیز ہے۔

تفسیر آیات

بے شمار معبودوں کی جگہ صرف ایک معبود؟ کیسی عجیب بات ہے۔ زندگی کی ہر ضرورت کے لیے مشرکین کا الگ الگ معبود ہوا کرتا تھا۔ تمام ضروریات کے لیے ایک معبود مشرکین کی ثقافت میں ایک ناموس اور عجوبہ تھا۔ واضح رہے مشرکین زندگی کے ہر شعبے کے لیے ایک جدا معبود سے اپنی توقعات وابستہ رکھتے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝۶

۶۔ اور ان میں سے قوم کے سرکردہ لوگ یہ کہتے ہوئے چل پڑے: چلتے رہو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو، اس چیز میں یقیناً کوئی غرض ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کلمۂ توحید کی پیش کش سن کر سرداران قریش یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے:

۲۔ وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ : اپنے معبودوں پر ڈٹے رہو۔ اس شخص کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ وَاصْبِرُوْا صبر و استقامت دکھانے کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت میں اس قدر وزن تھا کہ تمام سرداران قریش دباؤ میں تھے۔

۳۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ : یہ تو کچھ عزائم رکھتا ہے۔ یہ ہم پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔ اس دعوت کی غرض و غایت اپنی بالا دستی قائم کرنا ہے۔۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷

۷۔ ہم نے کبھی یہ بات کسی پچھلے مذہب سے بھی نہیں سنی، یہ تو صرف ایک من گھڑت (بات) ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اس دعوت کی بنیاد ہماری پچھلی نسلوں کے ادیان میں بھی نہیں ملتی کہ صرف ایک ہی خدا پر اکتفا کرو۔ بعض کے نزدیک عیسائی مذہب مراد ہے کہ عیسائی مذہب کے لوگوں سے بھی ہم نے نہیں سنا کہ صرف ایک معبود پر انحصار کرو۔ کئی پشتوں سے ہم ان معبودوں سے اپنی حاجتوں کی برآوری کام لے رہے ہیں۔

۲۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ : لہٰذا یہ کام ادیان سے ہٹ کر اپنا من گھڑت تصوّر ہے کہ معبود صرف ایک ہے۔

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸

۸۔ کیا ہمارے درمیان اسی پر یہ ذکر نازل کیا گیا؟ درحقیقت یہ لوگ میرے ذکر پر شک کر رہے ہیں بلکہ ابھی تو انہوں نے عذاب چکھا ہی نہیں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ مشرکین کو بنیادی مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ہمارے درمیان نبوت کے عظیم منصب کے لیے عبد اللہ کے یتیم کا انتخاب کیسے ہوا؟ قریش کی بڑی بڑی طواغیت کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ سرفرازی بنی ہاشم کے کسی فرد کو مل جائے۔

جیسا کہ دوسری جگہ اس بات کا ذکر ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝[1]

اور کہتے ہیں: یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟

۲۔ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ: وہ اس قرآن کی حقانیت پر شک کا اظہار کرتے رہیں گے عذاب کا مزہ چکھنے تک۔ جب عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے تو یقین آئے گا کہ یہ دعوت سچی تھی۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝

۹۔ کیا ان کے پاس تیرے غالب آنے والے فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں؟

تفسیر آیات

۱۔ مشرکین کے اس اعتراض کا جواب ہے: کیا ہمارے درمیان یہی ایک رہ گیا تھا جسے نبوت کے لیے منتخب کیا۔ فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک یہ لوگ ہیں جو یہ کہہ دیں کہ ہماری مرضی کے بغیر کسی کو نبوت کا منصب کیسے دیا؟

۲۔ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ: جب کہ آپ کا رب ہر قوت پر غالب آنے والا ہے۔ اس کے فیصلے کو غلبہ حاصل ہے۔ آپ کا رَبُ وَهَّاب، عنایتوں اور بخششوں کا مالک ہے۔ اللہ کسی عنایت پر بخل کرنے والا نہیں ہے۔ اپنی فیاضی اس وقت روکتا ہے جب کسی میں فیض لینے کی ظرفیت نہ ہو۔

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝

۱۰۔ یا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب پر ان کی حکومت ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو (آسمان کے) راستوں پر چڑھ دیکھیں۔

---

[1] ۴۳ زخرف: ۳۱

تفسیر آیات

۱۔ کسی کو نبوت دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی کائنات پر حاکمیت اعلیٰ کا حصہ ہے۔ اللہ اپنی قدرت قاہرہ اور حکیمانہ فیصلے کے مطابق نبوت کا منصب عنایت فرماتا ہے۔ اگر تمہارے پاس کوئی اختیار ہے تو کر کے دکھاؤ مثلاً:

۲۔ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ: آسمانی راستوں پر چڑھ کر وحی کا راستہ روکو یا آسمانوں پر چڑھ کر اپنے کسی منظور نظر پر وحی نازل کراؤ۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ یہ لشکروں میں سے ایک چھوٹا لشکر ہے جو اسی جگہ شکست کھانے والا ہے۔

تفسیر آیات

آسمانی راستوں پر کیا چڑھیں گے، یہ مشرکین ایک دن اسی جگہ، مکہ میں شکست کھانے والا ایک چھوٹا سا بے وقعت لشکر ثابت ہوں گے۔ اسی مکہ میں وہ دن آنے والا ہے جب یہ تکبر کرنے والے اسی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سر جھکائے، ذلت و رسوائی کے ساتھ معافی کے انتظار میں کھڑے ہوں گے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ ان سے پہلے نوح اور عاد کی قوم اور میخوں والے فرعون نے تکذیب کی تھی۔

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ والوں نے بھی اور یہ ہیں وہ بڑا لشکر۔

تفسیر آیات

۱۔ فرعون کو ''میخوں والا''، ممکن ہے اس لیے فرمایا ہو کہ اس کی حکومت میخوں کی طرح مضبوط تھی یا لشکر کی کثرت کی طرف اشارہ ہو کہ اس کا لشکر جب خیمہ زن ہوا تھا ہر طرف خیموں کی میخیں نظر آئی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرعون جن کو سزا دیتا تھا انہیں سولی پر چڑھا کر میخوں سے آویزاں کرتا تھا۔

۲۔ اُولٰۗىِٕكَ الْاَحْزَابُ: تاریخ کی ان سات اقوام کا ذکر فرمایا جنہیں تباہ کیا گیا۔ پھر فرمایا: اُولٰۗىِٕكَ الْاَحْزَابُ یہ ہیں تاریخ کے احزاب جو اپنے اپنے وقت کی بڑی طاقتیں سمجھے جاتے تھے جن کے مقابلے میں

مکہ والوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اِنۡ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ ۚ عِقَابِ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا عذاب لازم ہو گیا۔

تفسیر آیات

۱۔ لازم اس لیے ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ عدل اٹل ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی۔ اہل مکہ کو ہلا دینے والی ایک دھمکی اور تنبیہ ہے کہ اللہ کے اس اٹل فیصلے کی زد میں عنقریب تم بھی آنے والے ہو۔

وَ مَا يَنۡظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنۡ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور یہ لوگ صرف ایک چیخ کے منتظر ہیں جس کے ساتھ کوئی مہلت نہیں ہو گی۔

تشریح کلمات

فَوَاقٍ: (ف و ق) وقفہ اور راحت کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اس چیخ سے مراد جنگی نعرہ ہے جو جنگ بدر میں بلند ہوا یا صباحاہ یا اس سے مراد صور پھونکنے کی آواز ہے؟ بہرحال جب عذاب کا کڑکا ہو گا تو انہیں اتنی مہلت بھی نہیں ملے گی جتنی دیر اونٹنی کے تھن میں دودھ اترنے میں لگتی ہے۔ بعض کہتے ہیں فَوَاقٍ کے معنی یہ ہیں کہ دوبارہ دنیا کی طرف نہیں لوٹنا۔

وَقَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور وہ (از روئے تمسخر) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمارا (عذاب کا) حصہ ہمیں حساب کے دن سے پہلے دے دے۔

تشریح کلمات

قِطَّنَا: (ق ط ط) اصل میں قط، صحیفہ کو کہتے ہیں۔ پھر جو چیز لکھی گئی ہو اسے بھی قط کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ازراہ تمسخر کہتے ہیں: یوم الحساب کے عذاب سے ہمیں کیا ڈراتے ہو جو

معلوم نہیں کب آنے والا ہے؟ آپ اگر سچے ہیں تو یوم الحساب والا عذاب فوری لے آئیں۔ اگر فوری نہ لا سکے تو آپ کی ساری باتیں بے حقیقت ہیں۔ جب کہ عذاب ان کے کہنے پر نہیں، اپنے مقرر وقت پر آتا ہے۔

اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ (اے رسول) جو یہ کہتے ہیں اس پر صبر کیجیے اور (ان سے) ہمارے بندے داؤد کا قصہ بیان کیجیے جو طاقت کے مالک اور (اللہ کی طرف) بار بار رجوع کرنے والے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ: اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ اور اٹل فیصلے کے مطابق ان مشرکین پر فوری عذاب آنا نہ تھا۔ اس لیے ان کا یہ تمسخر اور طعنہ کچھ دیر کے لیے سننا پڑا جو صبر آزما تھا۔ اس لیے صبر کرنے کا حکم فرمایا:

۲۔ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ: صبر و تحمل کے لیے ہمارے نبی داؤد کو یاد کیجیے کہ ایک غیر معروف قبیلے کے گمنام فرد تھے۔ انہیں ہم نے بالادستی دی۔ سلطنت عنایت فرمائی۔ داؤد علیہ السلام میں دو باتیں تھیں:

۳۔ ذَا الْاَیْدِ: وہ طاقت کے مالک، شجاع تھے۔ انہوں نے طالوت کو قتل کیا اور بنی اسرائیل کو اپنے دشمن پر فتح دلائی۔

۴۔ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ: شجاعت کے ساتھ عبادت میں بھی سب سے آگے تھے۔ اس کے بعد گمنام جوان مرد داؤد علیہ السلام کو جن عنایات سے نوازا گیا ان کا ذکر آتا ہے:

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ کُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾

۱۸۔ ہم نے ان کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا تھا، یہ صبح و شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔
۱۹۔ اور پرندوں کو بھی (مسخر کیا)، یہ سب اکٹھے ہو کر ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

تشریح کے لیے ملاحظہ سورۃ الانبیا آیت ۷۹ اور سورہ سباء آیت ۱۰۔

وَشَدَدْنَا مُلْکَهٗ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِکْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور ہم نے ان کی سلطنت مستحکم کر دی اور انہیں حکمت عطا کی اور فیصلہ کن گفتار (کی صلاحیت) دے دی۔

تفسیر آیات

۱۔ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک مستحکم ناقابل تسخیر سلطنت عنایت فرمائی۔ روایت کے مطابق ان کی حکومت چالیس سال تک رہی۔

۲۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ: حکمت، حقائق کے فہم و ادراک اور جیسا عمل ہونا چاہیے ویسا عمل کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہر رسول کو عنایت ہوتی ہے۔ اس سے انبیاء علیہم السلام غلطی کا ارتکاب نہیں کرتے اور اجتہاد کی نوبت نہیں آتی چہ جائیکہ اجتہادی غلطی کی نوبت آئے۔

۳۔ وَفَصْلَ الْخِطَابِ: شیریں بیان۔ کسی مطلب کو بیان کرنے میں کوئی ابہام نہ ہو۔ جو مطلب بیان کرنا چاہیے تھا وہ واضح اور درست خدوخال کے ساتھ مخاطب کے ذہن میں اتر جائے۔ فصل الخطاب کا مطلب ہے نزاعات میں فیصلے کی قوت۔ اسی قوت بیان کی وجہ سے داؤد علیہ السلام نزاع کا فیصلہ نہایت احسن طریقہ سے کرتے تھے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور کیا آپ کے پاس مقدمے والوں کی خبر پہنچی ہے جب وہ دیوار پھاند کر محراب میں داخل ہوئے؟

اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے، انہوں نے کہا: خوف نہ کیجیے، ہم نزاع کے دو فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے لہٰذا آپ ہمارے درمیان برحق فیصلہ کیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیجیے۔

تفسیر آیات

کیا آپ کے پاس مقدمے والوں کی خبر پہنچی ہے جب وہ دیوار پھاند کر محراب میں داخل ہوئے۔ جب وہ داؤد کے پاس آگئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا خوف نہ کیجیے ہم نزاع کے دو فریق ہیں۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے لہٰذا آپ ہمارے درمیان فیصلہ کیجیے، بے انصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیجیے۔

ان آیات میں چند ایک نکات وضاحت طلب ہیں:

i۔ ان دونوں کے دیوار پھاند کر خلوت کے وقت حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں بلا اجازت داخل ہونے کی وجہ کیا تھی؟ کیا عام طریقے سے اجازت لے کر اپنا مقدمہ پیش کرتے تو مناسب نہ تھا؟

اس سوال کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ مقدمے کی نوعیت عام اور معمولی نہ تھی۔ ایک خصوصی مسئلہ تھا جو حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق تھا۔ جیسے بعد میں اس کی وضاحت ہو گی۔

ii۔ فَفَزِعَ: حضرت داؤد علیہ السلام جیسے بہادر ان دو آدمیوں سے خوف زدہ کیسے ہو گئے کہ ان دونوں کو لَا تَخَفْ کہنا پڑا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی موذی سے ضرر کا احساس، خوف ہے جو ایک قدرتی امر ہے اور یہ احساس انسان کے انسانی شعور کا لازمہ ہے۔ یہ قابل مذمت نہیں ہے۔ ایک گرنے والی دیوار سے ہٹ جانا مذموم نہیں ہے۔ آگے فریقین میں سے ایک فریق اپنا مقدمہ پیش کرتا ہے:

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّ لِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَ عَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے، یہ کہتا ہے کہ اسے میرے حوالے کرو اور گفتگو میں مجھ پر دباؤ ڈالتا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِیْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ داؤد کہنے لگے: تیری دنبی اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کرکے یقیناً یہ تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک اعمال بجا لاتے ہیں اور ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں، پھر داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے رب سے معافی مانگی اور عاجزی کرتے ہوئے جھک گئے اور (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ پس ہم نے ان کی اس بات کو معاف کیا اور یقیناً ہمارے نزدیک ان کے لیے تقرب اور بہتر بازگشت ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اس مقدمے کو اس انداز سے پیش کیا گیا کہ انسانی احساسات کو جھنجھوڑا جائے اور جذبات میں لا کر فیصلہ لیا جائے۔ انتہائی ناانصافی ہے کہ ننانوے (۹۹) والا دوسرے کے ایک کو بھی ہتھیانا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ انسانی جذباتی پہلو کو ابھارنے میں کامیاب ہو گئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جذباتی فیصلہ دے دیا۔

۲۔ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ: ظن بھی علم ہے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے دیکھا تو یہ تو میرا امتحان ہو گیا۔ یہ کسی نزاع کا مسئلہ نہ تھا بلکہ میری آزمائش کے لیے ایک تمثیلی صورت تھی جو فرشتوں نے صرف مجھے آزمانے کے لیے پیش کی تھی۔

کیا یہ آزمائش کسی حقیقی نزاع کی قضاوت کے بارے میں تھی؟ اور وہ خطا جو حضرت داؤد علیہ السلام سے سرزد ہوئی، کیا تھی؟ اس بارے میں مفسرین میں بڑا اختلاف ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی روایت کے مطابق ان کی خطا یہ تھی کہ انہیں خیال آیا کہ شاید مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی نہیں۔ اس پر حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش کے لیے دو فرشتے آئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کا بیان سنتے ہی اس کے حق میں فیصلہ دے دیا اور مدعی سے گواہ طلب نہ کیا۔ یہ عمل اللہ کو پسند نہ آیا۔

بائیبل میں حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ بہتان لگایا ہے کہ آپؑ نے اوریا کی بیوی سے معاذ اللہ ناجائز تعلقات رکھے۔ پھر اوریا کو ایک جنگ میں روانہ کر کے ہلاک کروایا۔ پھر اس کی بیوی سے نکاح کیا اور لکھا ہے کہ یہی عورت حضرت سلیمان علیہ السلام کی ماں ہیں۔

غیر شیعہ مصادر میں تقریباً یہی روایت سوائے زنا کے الزام کے مذکور ہے جو اسرائیلیات کا ایک حصہ ہے۔

شیعہ مصادر میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

لا اوتی برجل یزعم ان داؤد ع تزوج بامرأة أوریا الا جلدته حدین حدا للنبوة و حدا للاسلام۔ [1]

اگر میرے پاس وہ شخص لایا جائے جو یہ کہتا ہو داؤد نے اوریا کی بیوی سے شادی کی ہے میں اس پر کوڑوں کی دو حدیں جاری کروں گا۔ ایک نبوت کی، دوسری اسلام کی۔

دوسری روایت میں فرمایا:

میں اس پر ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء پر بہتان لگانے کی سزا ہے۔[2]

بائیبل کی الزام تراشی کے پیچھے اصل واقعہ کیا تھا؟ وہ ایک روایت میں ملتا ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے:

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں شوہر کے مرنے اور قتل ہونے کے بعد عورت شادی نہیں کر

---

[1] متشابه القرآن ۱: ۲۵۰　　[2] زبدة التفسیر ۶: ۲۳

سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی بار حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے یہ شادی جائز قرار دی۔ اس حکم کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا کے قتل اور عدت پوری ہونے کے بعد عقد کیا تو لوگوں کے لیے یہ عقد اوریا کے قتل سے زیادہ سنگین ہو گیا۔[1]

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝۲۶

۲۶۔ اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں، وہ آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی، جو اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے یوم حساب فراموش کرنے پر یقیناً سخت عذاب ہو گا۔

تفسیر آیات

۱۔ اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں اپنا نمائندہ بنایا ہے۔ لفظ خلیفۃ کی تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیں سورۃ البقرۃ آیت ۳۰۔

۲ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ: زمین پر خلیفہ بننے سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ لوگوں کے درمیان حق اور عدل و انصاف کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خلیفۃ اللہ وہ ہوتے ہیں جو زمین میں اللہ کی شریعت کا نفاذ کریں اور شریعت کے نفاذ میں سرفہرست، لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔

۳۔ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى: اور خواہش کی پیروی نہ کریں۔ بعض نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ اس میں اشارہ ہے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کی طرف کہ ان سے فیصلہ خواہش کے مطابق ہوا تھا۔ یہ درست نہیں ہے۔ اسی قسم کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی ہوا ہے:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ....[2]

اور جو حکم اللہ نے نازل کیا ہے اس کے مطابق ان میں فیصلہ کریں اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

حقیقت امر یہ ہے کہ انبیاء ج کے معصوم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ خواہشات سے بچنے کے

---

[1] عیون الاخبار ۱: ۴ [2] ۵ مائدہ: ۴۹

مکلّف نہیں ہیں، ان کی طرف امر و نہی کا حکم نہیں آتا اور وہ گناہ کرنے پر قدرت ہی نہیں رکھتے بلکہ انبیاء ج بھی باقی لوگوں کی طرح مکلّف ہیں اور گناہ پر قدرت رکھنے کے باوجود گناہ نہیں کرتے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو بے مقصد پیدا نہیں کیا، یہ کفار کا گمان ہے، ایسے کافروں کے لیے آتش جہنم کی تباہی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ سابقہ آیت میں دستور اور آئینی زندگی بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کائنات عبث اور بے مقصد وجود میں نہیں آئی اور انسان اس کائنات میں بے مقصد اور ماحول کے ہاتھوں کھلونا نہیں ہے۔ یہ کائنات ایک حکیمانہ مقصد کے تحت پیدا ہوئی ہے۔ انسان اس مقصد کے حصول کے لیے یہاں لایا گیا ہے۔ آخرت میں اس کا نتیجہ دیکھنا ہے۔

۲۔ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اس کائنات کو بے مقصد قرار دینا اور اپنی زندگی کو کھلونا ماننا کافرانہ سوچ ہے۔ کافر کی زندگی کا تصور یہ ہے کہ انسان ایک بے مقصد کیڑا ہے جو درد دکھ سہ سہ کر نابود ہو جاتا ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ کیا ہم ایمان لانے اور اعمال صالح بجا لانے والوں کو زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح قرار دیں یا اہل تقویٰ کو بدکاروں کی طرح قرار دیں؟

تفسیر آیات

اگر یہ کائنات بے مقصد اور عبث وجود میں آئی ہے تو مؤمن اور مفسد، متقی اور فاجر میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔

اگر ان قدروں کو تسلیم کیا جائے اور نیکی بجا لانے والا، برائی کا ارتکاب کرنے والے کے برابر ہو جائے اور اصلاح کا داعی، مفسدوں کے مساوی ہو جائے تو کائنات کا پورا نظام عبث اور باطل ہو کر رہ جاتا

ہے اور انسان ایک کھلونا بن جاتا ہے۔ یہ تصور بذات خود انسانیت کی توہین ہے۔

آیت میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔ یہ کام اللہ سے صادر نہ ہوگا کہ صالح اور فسادی، متقی اور بدکار ایک جیسے ہوں کیونکہ ہر عاقل سمجھ لیتا ہے کہ ایسا کرنا اپنی جگہ ایک قبیح عمل ہے۔ حتیٰ جو لوگ شریعت کو نہیں مانتے ان کے نزدیک بھی یہ قبیح ہے۔ اسے قبح عقلی کہتے ہیں۔ آیت کی صراحت یہ ہے کہ اللہ اس قسم کے قبیح عمل کا ارتکاب نہیں کرتا۔ ایسا کرنا عدل کے خلاف ہے۔ اسی لیے ہم اپنے اصول عقائد میں اس بات کو شامل کرتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ عادل ہے۔ شیعہ امامیہ نے عدل الٰہی کو اصول دین میں رکھا ہے۔

فضائل: حاکم حسکانی نے شواھد التنزیل میں تین طریقوں سے ابن عباس سے اور خود حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے:

> یہ آیت، تین شخصیتوں جو مؤمن اور نیک عمل بجا لانے والی ہیں اور تین مشرکین جو مفسد اور فاجر ہیں، کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسلمانوں میں تین، علی بن ابی طالب (علیہ السلام)، حمزۃ بن عبد المطلب اور عبیدۃ حارث بن عبد المطلب ہیں، جنہوں نے جنگ بدر کے دن جنگ لڑی۔ علی (علیہ السلام) نے ولید کو، حمزہ نے عتبہ کو اور عبیدہ نے شیبہ کو قتل کیا۔

یہی روایت ابن عساکر نے بیان کی ہے اور روح المعانی میں بھی ذیل آیت ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ یہ ایک ایسی بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور صاحبان عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔

تفسیر آیات

۱۔ مُبٰرَكٌ: خیر و سعادت کی افزونی کو کہتے ہیں۔ قرآن کے مبارک ہونے کے بارے میں کوئی کیا بیان کر سکتا ہے جس کی روشنی روئے زمین کے چار سو پھیلی ہوئی ہے۔ جس نے انسان کو بلوغت تک پہنچایا، تمدن و تہذیب دی، دستور حیات فراہم کیا اور انسان کو انسانی قدروں سے روشناس کرایا۔

۲۔ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ: تاکہ لوگ اس کتاب میں موجود تکوین و تشریع کے رموز میں تدبر کریں، اسے اپنے لیے دستور حیات بنا لیں اور دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کریں۔

۳۔ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ: عقل و خرد رکھنے والے اپنی ابدی سعادت کے لیے اس کتاب میں

موجود نصیحتوں سے استفادہ کریں اور اس کتاب کی ہر حیات آفرین دعوت پر لبیک کہیں۔ مثلاً:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ....[1]

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کو لبیک کہو جب وہ تمہیں حیات آفرین باتوں کی طرف بلائیں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا جو بہترین بندے اور (اللہ کی طرف) خوب رجوع کرنے والے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر پہلے سورہ ہائے بقرہ:۱۰۲، نساء: ۱۶۳، انبیاء: ۷۸، نحل: ۳۰ و دیگر آیات میں ہو چکا ہے۔

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ جب شام کے وقت انہیں عمدہ تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے،

فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ تو انہوں نے کہا: میں نے (گھوڑوں کے ساتھ ایسے) محبت کی جیسے خیر سے محبت کی جاتی ہے اور اپنے رب کے ذکر سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ پردے میں چھپ گیا۔

رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ (بولے) انہیں میرے پاس واپس لے آؤ، پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

تشریح کلمات

الصّٰفِنٰتُ: (ص ف ن) گھوڑے کا تین پاؤں پر کھڑے ہو کر چوتھے پاؤں کو اس طرح اٹھانا کہ اس کا اگلا حصہ زمین پر لگا رہے۔ عمدہ گھوڑے کی علامت۔

الْجِيَادُ: (ج و د) تیز رفتار گھوڑے۔

تفسیر آیات

۱۔ سیاق آیات کے قریب تر معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بندگان خدا میں ممتاز مقام حاصل

---

[1] ۸ انفال: ۲۴

تھا کیونکہ وہ اللہ کی طرف خوب رجوع کرنے والے تھے۔

۲۔ اِذْعُرِضَ عَلَيْهِ: جب سدھائے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے جو راہ خدا میں جہاد کے لیے آمادہ تھے۔

۳۔ بِالْعَشِيِّ: شام کے وقت ان گھوڑوں کو پیش کیا گیا چونکہ شام کے وقت جب گھوڑے اور دیگر حیوانات چراگاہ سے چرا کر واپس لائے جاتے ہیں تو اس وقت ان کا معائنہ کیا جاتا ہے کہ سب گھوڑے واپس آ گئے۔

۴۔ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ان گھوڑوں کے ساتھ ایسی محبت کی جیسے عمدہ مال کے ساتھ کی جاتی ہے۔ حُبَّ الْخَيْرِ میں الْخَيْرِ سے مراد مال ہوسکتا ہے جیسے اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ ...[1] میں خَيْرَ سے مراد مال ہے۔

۵۔ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ: اس جملے کا ایک ترجمہ وہی ہے جو متن میں ذکر ہوا ہے۔ عَنْ بمعنی اعراض، منہ موڑنے، غفلت کرنے کے معنوں میں ہے۔ دوسرا ترجمہ یہ ہوسکتا ہے: بہ سبب ذکر رَبْ ان گھوڑوں سے محبت کی۔ اس صورت میں عَنْ سبب و علت بیان کرنے کے لیے ہے۔ یعنی حبا ناشئاً عن ذکر ربی۔

۶۔ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ: یہاں تک پردے میں چھپ گیا۔ یعنی جب گھوڑوں کی دوڑ کرائی اور وہ نگاہ سے دور ہو گئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ گھوڑے ان کے پاس واپس لائے جائیں۔ ممکن ہے توارت الصافنات بالحجاب مراد ہو۔ چنانچہ رُدُّوْهَا عَلَيَّ اس پر قرینہ ہے۔ اکثر مفسرین توارت الشمس مراد لیتے ہیں جب کہ شمس پہلے مذکور نہیں ہے۔ صرف العشی کو قرینہ قرار دیتے ہیں جو واضح نہیں ہے۔

۷۔ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ: پھر از روئے محبت ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ انبیاء ج دنیا کی عمدہ چیزوں سے اگر محبت کرتے ہیں تو محض برائے خدا محبت کرتے ہیں۔ عمدہ گھوڑوں پر بھی رضائے الٰہی کی خواہش کے بغیر فریفتہ نہیں ہوتے۔

اکثر مفسرین ان آیات سے اس طرح مطلب اخذ کرتے ہیں:

> حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنے میں اس قدر منہمک ہو گئے کہ نماز عصر رہ گئی۔ یہاں تک کہ سورج چھپ گیا۔ اس پر انہوں نے حکم دیا ان گھوڑوں کو واپس لایا جائے۔ جب واپس لائے گئے تو تلوار سے ان گھوڑوں کی گردنیں اور پنڈلیوں پر مارنے لگ گئے۔ یعنی ان گھوڑوں کو تلف کر دیا گیا چونکہ یہ ذکر خدا سے غافل ہونے کے سبب بنے۔

اس تفسیر کے لیے آیت میں مطلوبہ قرائن و شواہد موجود نہیں ہیں۔

---

[1] ۲/ بقرۃ:۱۸۰

تَوَارَتْ چھپ گیا سے مراد سورج لیتے ہیں جب کہ سورج کا یہاں کوئی ذکر ہے نہ قرینہ۔

مَسْحًا سے مراد تلوار سے مسح لیتے ہیں جس کی عربی محاورے میں کوئی مثال نہیں ہے۔ مسح بالسیف مراد ہو، آیت میں اس کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝

۳۴۔ اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور ان کے تخت پر ایک جسد ڈال دیا پھر انہوں نے (اپنے رب کی طرف) رجوع کیا۔

تفسیر آیات

یہ بے روح جسد حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے کس طرح امتحان تھا؟ اس کی تفصیل کے بارے میں وارد روایات کے الفاظ و عبارات متضاد، غیر معقول اور اسرائیلیاتی خرافات سے پُر ہیں۔ بعض لوگ اس جسد سے ان کے ولی عہد رحبعام مراد لیتے ہیں جو ان کے بعد حکومت چلانے میں بری طرح ناکام ہو گئے۔ جب کہ یہی قول آیت میں موجود لفظ جَسَدًا سے مطابقت نہیں رکھتا۔

بعض کہتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام سے یہ کوتاہی سرزد ہوئی کہ ان کے گھر میں ایک بیگم بت پرستی کرتی رہی جس کی وجہ سے شیطان نے ان کی وہ انگوٹھی اڑا لی جس سے وہ جن و انس پر حکومت کرتے تھے۔ انگوٹھی نہ ہونے کی وجہ سے ان کی حکومت چھن گئی اور ایک شیطان ان کی جگہ حکومت کرتا رہا۔ کرسی پر ایک جسد سے مراد یہی شیطان ہے۔

بعض دیگر کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بار قسم کھائی کہ آج کی رات اپنی ستر ازواج سے ہمبستری کروں گا۔ ہر ایک سے ایک بچہ مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا۔ قصور یہ ہوا کہ انہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا جس کی وجہ سے ایک بچہ ناقص الخلقت بچہ پیدا ہوا جسے اس کی کرسی پر ڈالا گیا۔

تعجب کا مقام یہ ہے کہ یہ روایت صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر مذکور ہے۔

بعض دیگر یہ موقف اختیار کرتے ہیں جسد سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں کہ کسی بیماری کی وجہ سے صرف جسم کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔

بعض حضرات یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ شیاطین کو خطرہ لاحق ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کے بعد اگر یہ بادشاہ بن جاتا ہے تو ہم پھر غلامی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لیے شیاطین اسے قتل کر دینا چاہتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین سے بچانے کے لیے اُس بچے کو بادلوں میں محفوظ کر لیا لیکن وہ بچہ فوت ہو گیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصور یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ پر توکل کرنے کی جگہ بادلوں پر کیوں بھروسہ کیا۔ اس قسم کی روایات کے ابنوہ میں اصل واقعہ سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

صاحب تفسیر المیزان یہ موقف اختیار کرتے ہیں:

> حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک فرزند تھا۔ اللہ کے حکم سے اس بچے کا انتقال ہو گیا اور اس بچے کا جسد خاکی سلیمان کی کرسی پر رکھ دیا گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے اس بچے کے ساتھ بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھی۔ بچے کے انتقال سے سلیمان علیہ السلام کی تنبیہ ہو گئی کہ اپنی امیدیں اللہ کے ساتھ وابستہ رکھو۔

شاید یہی موقف نسبتاً بہتر موقف ہے۔ چنانچہ تفسیر التبیان میں ایک قول نقل ہوا: یہ بچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی گود میں انتقال کر گیا جب آپ کرسی پر تھے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ کہا: میرے رب! مجھے معاف کر دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کر جو میرے بعد کسی کے شایان شان نہ ہو، یقیناً تو بڑا عطا کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ: اس جملے کا تعلق اس آزمائش سے ہے جو ایک جسد کے ذریعے ہوئی تھی اور اسی سلسلے کی معذرت اور مغفرت طلبی ہے۔

۲۔ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا: یہاں سوال اٹھایا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بخل کا مظاہر کیا ہے کہ میرے بعد حکومت کسی کے لیے شایان شان نہ ہو۔

جواب: ممکن ہے جب اپنی اولاد سے نا امید ہو گئے تو یہ دعا کی ہو کہ جب میری اولاد میں میرے پائے کا حکومت کرنے والا کوئی نہ ہو گا تو اے اللہ مجھے ہی ایسی حکومت عنایت فرما جو میرے بعد میری اولاد میں سے کسی کے شایان شان نہ ہو۔

میری نظر میں صحیح جواب وہ ہے جو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے علی بن یقطین کے جواب میں فرمایا:

الملك ملكان ملك ماخوذ بالغلبة والجور و اجبار الناس و ملك ماخوذ من قبل الله تعالى ذكره كملك آل	حکومت کی دو قسمیں ہیں: ایک حکومت غلبہ اور بالادستی اور لوگوں کو قابو کر کے حاصل کی جاتی ہے اور ایک حکومت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جیسے آل ابراہیم

ابراهیم... الی آخر الروایة۔[1]　　کی حکومت...الیٰ آخر۔

اس اعتبار سے سلیمان علیہ السلام نے اس قسم کی حکومت اپنی حد تک محدود رکھنے کی درخواست کی جو بالادستی اور قابو کرنے کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے انسانوں کے علاوہ جنات کو بھی قابو کر کے حکومت قائم کی تھی۔ آپ کی حکومت کی نوعیت منحصر تھی۔ دعا اس نوعیت کی حکومت کے لیے ہے۔

ورنہ حکومت الٰہی ہو اور دلوں پر حکومت کرنا ہو تو انبیاء ج اس حکومت کی اپنی اولاد کے لیے اللہ سے درخواست کرتے ہیں: قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ....[2] ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے امامت کی درخواست کی تھی۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر ہم نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، جدھر وہ جانا چاہتے ان کے حکم سے نرمی کے ساتھ اسی طرف چل پڑتی تھی۔

تفسیر آیات

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تسخیر ہوا کے بارے میں تشریح سورہ انبیاء آیت ۸۱ اور سباء آیت ۱۲ میں ہو چکی۔ البتہ یہاں ہوا کے بارے میں فرمایا کہ رُخَآءً نرمی کے ساتھ چلتی تھی۔ نرمی سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر اور ان کے اختیار میں ہوتی تھی ورنہ اپنی جگہ ہوا تیز چلتی تھی جیسا کہ سورۃ الانبیاء آیت ۸۱ میں فرمایا:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً ....　　اور سلیمان کے لیے تیز ہوا کو (مسخر کیا)۔

۲۔ حَيْثُ اَصَابَ: جہاں کا قصد کریں۔ اَصَابَ کے معنی قصد کے ہیں۔ یعنی ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے امر سے (بِاَمْرِهٖ) چلتی تھی جہاں وہ چاہتے اور جس جگہ کا وہ قصد کرتے۔

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور ہر قسم کے معمار اور غوطہ خور شیاطین کو بھی (مسخر کیا)۔

وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

تشریح کلمات

الْاَصْفَادِ:　(ص ف د) صفد کے معنی لوہے کی زنجیر یا طوق کے ہیں۔

---

[1] القصص للجزائری ص ۳۶۶　　[2] ۲ بقرۃ: ۱۲۴

تفسیر آیات

۱۔ وَالشَّیٰطِیْنَ: اور شیاطین کو بھی مسخر کیا۔ ان جنات میں سے کچھ تو عمارتیں بنانے پر متعین تھے چنانچہ عصر سلیمانی میں تعمیراتی صنعت عروج پر تھی۔ ھیکل اور شلیم کی عمارت جسے اسلام نے مسجد اقصیٰ کا عنوان دیا معماری تاریخ کا ایک شاہکار ہے اور بعض جنات غوطہ خوری کے ذریعے سمندری ثروت نکالنے پر متعین تھے۔

۲۔ وَّاٰخَرِیْنَ: اور دیگر کچھ جنات ایسے تھے جو نافرمانی کی وجہ سے زنجیروں میں جکڑ لیے جاتے تھے۔ زنجیر سے مراد وہ ذرائع ہیں جو جنات کو شرارت کرنے سے باز رکھنے کے لیے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ جنات کے مزید کاموں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ سبا آیت ۱۳۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ یہ ہماری عنایت ہے جس پر چاہو احسان کرو اور جس کو چاہو روک دو، اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔

تفسیر آیات

۱۔ هٰذَا عَطَآؤُنَا: یہ بادشاہت، یہ تسخیر جنات، یہ وسیع و عریض مملکت ہماری طرف سے عنایت ہے۔ خاص کر جنوں کی تسخیر ایک منفرد نعمت ہے۔ ان جنوں میں سے جس پر چاہیں احسان کر کے اسے آزاد کریں یا روکے رکھیں، کل اختیار آپ کے پاس ہے۔ انہیں روکنے، چھوڑنے پر آپ کا کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور ان کے لیے ہمارے ہاں یقیناً قرب اور نیک انجام ہے۔

تفسیر آیات

سب سے بڑی منزلت تو اللہ کا تقرب ہے اور عاقبت کا نیک ہونا بھی بڑی نعمت ہے چونکہ یہ دائمی اور ابدی مسئلہ ہے جس کا مقابلہ کوئی وقتی نعمت نہیں کر سکتی خواہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ

۴۱۔ اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کیجیے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا: شیطان نے مجھے

عَذَابٍ ﴿۴۱﴾　　تکلیف اور اذیت دی ہے۔

تفسیر آیات

سورۃ الانبیاء میں ایوب علیہ السلام کا ذکر آیا۔ اس میں فرمایا: مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ اس آیت میں ایک ایسی تکلیف کا ذکر ہے جو شیطان کی طرف سے ہے۔ آیا شیطان نے ہی حضرت ایوب علیہ السلام کو بیمار کیا تھا یا بیمار ہونے پر وسوسوں کے ذریعے اذیت پہنچائی تھی۔ میرے نزدیک شیطان کی طرف سے عذاب اور تکلیف یہ تھی کہ شیطان کی یہ کوشش تھی کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سالہ بیماری کے نتیجے میں اللہ سے بدظن ہو جائیں۔ شیطان طرح طرح کے وسوسے ذہن میں ڈالتا تھا۔ اللہ کے برگزیدہ بندہ ہونے کی وجہ سے انہیں معلوم تھا کہ یہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہے۔ روایت ہے:

> ایوب علیہ السلام کی بیماری بڑھ گئی یہاں تک کہ لوگوں نے ان سے دوری اختیار کرنا شروع کی۔ شیطان نے ان لوگوں کو اس وسوسے میں ڈالا کہ ایوب علیہ السلام کی غلاظت سے بچیں اور انہیں اپنے درمیان سے نکالیں۔ ان کی اہلیہ کو ان کی خدمت کرنے سے روکیں جس سے ایوب علیہ السلام کو اذیت ہوتی تھی مگر انہوں نے بیماری سے ہونے والی اذیت کا شکوہ نہیں کیا۔ یہ بیماری سات سال تک جاری رہی۔ (مجمع البیان)۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾　　۴۲۔ (ہم نے کہا) اپنا پاؤں ماریں، یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے اور پینے کے لیے۔

تفسیر آیات

۱۔ جب صبر و رضا کی آزمائش کی ساری منزلیں کامیابی طے کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم آیا کہ پاؤں زمین پر ماریں۔ چنانچہ پاؤں زمین پر مارتے ہی چشمہ پھوٹا جس سے پانی پی کر اور نہا کر شفایابی ہوئی۔

> بائبل کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری جلدی تھی اور سارے بدن پر پھوڑے تھے۔

۲۔ بَارِدٌ: میں اس چشمے کی طرف اشارہ ہے جس میں نہانے سے بیماری ختم ہو گئی

۳۔ وَّشَرَابٌ: اور پینے سے۔ بظاہر اسی ایک ہی چشمے سے نہائے اور پیا ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں آیا ہے کہ دو بار پاؤں مارنے کا حکم تھا۔ ہر ایک بار ایک چشمہ پھوٹا۔ ایک سے نہائے دوسرے سے پیا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ ہم نے انہیں اہل وعیال دیے اور ان کے ساتھ اتنے مزید دیے اپنی طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لیے نصیحت کے طور پر۔

تفسیر آیات

۱۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ: ہم نے انہیں اہل وعیال دیے۔ اس کے بارے میں روایت تو یہ ہے کہ ان کی اہلیہ کے علاوہ باقی سب گھر کے افراد فوت ہو گئے تھے۔ بعد میں اللہ نے انہیں زندہ کیا۔

دیگر روایات میں آیا ہے جو قرین واقع ہے: ان کے گھر کے افراد نے انہیں ترک کر دیا تھا۔ بیماری سے تندرست ہونے پر سب واپس آ گئے۔ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ ان کے ساتھ مزید عنایت فرمائے۔ مزید اتنی اولاد عنایت ہوئی کہ اولاد دوگنی ہو گئی۔

۲۔ رَحْمَةً مِّنَّا: اللہ کی طرف سے رحمت کے طور پر ایوب علیہ السلام پر یہ عنایت ہوئی۔ چونکہ ایوب علیہ السلام اپنے صبر وتحمل کی وجہ سے اس رحمت کے اہل ثابت ہوئے تھے۔

۳۔ وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ: ایوب علیہ السلام پر ان عنایات کی دوسری مصلحت یہ ہے کہ آنے والی نسلوں کے صاحبان عقل وخرد ایوب علیہ السلام کی سرنوشت سے یہ سبق سیکھ لیں کہ گردش ایام کی وجہ سے رحمت الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے چاہے حالات کتنے ہی بدتر اور مشکلات کتنی ہی گھمبیر ہوں۔ آزمائشیں کتنی ہی کٹھن ہوں روایت ہے کہ ہر حالت میں اللہ کی رحمتوں سے اپنی امیدوں کا رشتہ نہیں توڑنا چاہیے۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ (ہم نے کہا) اپنے ہاتھ میں ایک گچھا تھام لیں اور اسی سے ماریں اور قسم نہ توڑیں، ہم نے انہیں صابر پایا، وہ بہترین بندے تھے، بے شک وہ (اپنے رب کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔

تشریح کلمات

ضِغْثًا: (ض غ ث) ضغث خشک گھاس یا شاخیں جو انسان کی مٹھی میں آ جائیں۔

تَحْنَثْ: (ح ن ث) الحنث گناہ، نافرمانی، قسم توڑنے کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا: روایت کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام اپنی زوجہ کے کسی عمل پر برہم ہوئے اور قسم کھائی کہ اسے سو کوڑے ماریں گے۔ بعد میں جب وہ بے گناہ ثابت ہوئی تو پریشان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا: سوتنکوں والا ایک جھاڑو اسے مارو کہ تمہاری قسم بھی پوری ہو جائے اور اسے تکلیف بھی نہ ہو۔

یہ حکم اسلامی حدود و تعزیرات میں نافذ ہو گا جہاں حد و تعزیر معاف ہونے کا مستحق ہو۔ جیسے مریض اور جہاں معاف نہیں ہو سکتا وہاں یہ حکم نہیں ہوگا۔ شیخ طوسی فرماتے ہیں یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

۲۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا: ہم نے ایوب علیہ السلام کو صابر پایا۔ حوصلہ شکن حالات میں بھی استقامت دکھائی اور زبان پر حرف شکایت نہیں لائے۔ انتہائی سنگین حالات میں بھی اللہ کے ساتھ اپنی امیدوں کا رشتہ نہیں توڑا۔

۳۔ نِعْمَ الْعَبْدُ: بندگی کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ عبودیت کی تابناک مثال پیش کی۔

۴۔ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ: اس کا راز ہر مشکل میں اپنے رَب کی طرف رجوع کرنے میں مضمر تھا۔ اَوَّابٌ بار بار رجوع کرنے والا۔ یہ لفظ اوب سے صیغہ مبالغہ ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے آخر میں ہر غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجیے جو طاقت اور بصیرت والے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ اُولِى الْاَيْدِىْ: اللہ نے ان انبیاء ج کو طاقتور بنایا کہ ان میں استقامت کی طاقت تھی۔ اپنے اپنے زمانے کے طاغوتوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے تھے اور ساتھ عبادت بجا لانے میں بھی طاقت والے تھے۔ کسی مرحلے میں کمزوری نہیں دکھائی۔

۲۔ وَالْاَبْصَارِ: عزم و ارادے میں طاقت کے ساتھ قلب و نظر میں بصیرت بھی تھی جس سے حقائق کا مشاہدہ کرنے میں کسی قسم کی غلطی سے دوچار نہ ہوتے، نہ ہی کسی کے فریب میں آتے تھے۔

یہ انبیاء ج اپنی مشن میں ان دو ارکان کی وجہ سے کامیاب ہو گئے: عزم و ارادے کی طاقت اور حقیقت شناس بصیرت۔ اگر عزم کی طاقت نہ ہو تو حقیقت سے فرار اختیار کیا جاتا ہے اور اگر حقیقت شناس نہیں ہے تو عزم و ارادے کی طاقت کو بے جا استعمال کیا جاتا ہے۔

اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ ہم نے انہیں ایک خاص صفت کی بنا پر مخلص بنایا (وہ) دار (آخرت) کا ذکر ہے۔

تفسیر آیات

جس خصوصی امتیاز کی وجہ سے ہم نے ان انبیاء ج کو برگزیدہ کیا وہ ان کے دل میں یاد آخرت تازہ رہنا ہے۔ یاد آخرت یعنی ابدی اور دائمی زندگی پر یقین کی وجہ سے اس کا تذکرہ دل سے غائب نہیں ہوتا اور یہ یاد ہر قدم پر انسان کو شجاعت و بصیرت دلاتی ہے اور دنیا کی زندگی ہیچ اور بے قیمت ہو کر رہ جاتی ہے۔

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور وہ ہمارے نزدیک یقیناً برگزیدہ نیک افراد میں سے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ انبیاء ج مذکورہ اوصاف کی وجہ سے ہماری برگزیدہ ہستیوں میں سے ہیں۔ قوت ایمان، قوت بصیرت، یاد آخرت جیسے ممتاز اوصاف کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے انہیں باقی تمام لوگوں میں برگزیدہ کیا۔

۲۔ اَلْاَخْيَارِ: خیر کی جمع ہے۔ خیر ہی خیر کے مالک ہیں۔ جہاں شر کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ چونکہ اخیار، خیر کا فعل تفضیل ہے لہٰذا اس کا مطلب ہوگا خیر کثیر کا مالک۔

وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور (اے رسول) اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کیجیے، یہ سب نیک لوگوں میں سے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ: حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اس جگہ شاید اس لیے ذکر فرمایا چونکہ اسماعیل علیہ السلام عربوں میں سے عدنانیوں کے جد اعلیٰ ہیں۔

۲۔ وَ الْيَسَعَ: ان کا اسم شریف عبرانی میں الیشع ہے۔ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے۔ آپ نے بنی اسرائیل میں بت پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ آپ کی وفات ۸۴۰ قبل مسیح میں ہوئی۔

۳۔ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ: ان سب انبیاء ج کا رتبہ اخیار کا رتبہ ہے جس کی تشریح ہو چکی ہے۔

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ یہ ایک نصیحت ہے اور تقویٰ والوں کے لیے یقیناً اچھا ٹھکانا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ هٰذَا ذِكْرٌ: جن انبیائے کرام ج کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے یہ ایک تذکر، یادآوری ہے۔ تاریخ انبیاء ج کی طرف ایک توجہ دلانا ہے۔ خاصان خدا کی زندگی اور راہ خدا میں انہیں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر ہے تاکہ مسلمان اپنی زندگی میں ان کی حیات طیبہ کو مشعل راہ بنائیں۔

۲۔ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ: اس ذکر سے جو سبق یاد رکھنا ہوگا وہ یہ ہے کہ حسن عاقبت، اچھا انجام ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنا بچاؤ یعنی تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ وہ دائمی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔

تفسیر آیات

ان متقین کو جنت میں داخل ہونے کے لیے دروازہ کھلنے کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ حتیٰ کہ دروازہ کھولنے تک کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی، کھلے ہوئے دروازوں سے داخل ہوں گے۔ چنانچہ سورہ زمر آیت ۷۳ میں فرمایا:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ○

یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور جنت کے منتظمین ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم بہت خوب رہے، اب ہمیشہ کے لیے اس میں داخل ہو جاؤ۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ ان میں وہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور بہت سے میوے اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ يَدْعُوْنَ فِيْهَا: وہ تکیہ لگائے طلب کر رہے ہوں گے۔ جنت میں مؤمن کا ارادہ نافذ ہوگا۔ ادھر طلب کیا وہ مطلوبہ چیز حاضر ہوگی۔ دنیا کی زندگی کی طرح علل و اسباب جیسے ذرائع استعمال کرنا نہیں پڑیں

گے ۔ ارادہ کیا فوری تعمیل کے لیے وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ...۔[1] ہمیشہ رہنے والے خادم ان کے اردگرد خدمت کے لیے گھوم رہے ہوں گے۔

۲۔ بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ: ممکن ہے یہاں کثیر تعداد کے اعتبار سے نہ ہو بلکہ نوعیت کے اعتبار سے ہو۔ یعنی مختلف انواع کے میوے طلب کر رہے ہوں گے۔

۳۔ وَّشَرَابٍ: اسی طرح مختلف انواع کے مشروبات ہوں گے جو صرف طلب و ارادہ کرنے پر حاضر ہو جائیں گے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ ۵۲۔ اور ان کے پاس نگاہیں نیچے رکھنے والی ہم عمر (بیویاں) ہوں گی۔

تفسیر آیات

۱۔ بیوی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی نگاہ صرف اور صرف اپنے شوہر پر مرکوز ہو اور اس کی ساری توجہ کا مرکز اپنا شوہر ہو۔ شوہر کی رضا مندی اس کی منزل ہو اور شوہر کا توجہ حاصل کرنا اس کا اولین مقصد ہو۔

۲۔ اَتْرَابٌ: ہم عمری میں ایک حسن، زیبائش اور کشش ہے۔ اگرچہ کم سنی میں زیادہ کشش ہے لیکن سنجیدگی اور مزاجوں میں ہم آہنگی میں ہم سنی کا بہت بڑا دخل ہے۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ ۵۳۔ یہ وہ بات ہے جس کا روز حساب کے لیے تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

یہ وہ جزا و ثواب ہے جس کا اہل تقویٰ سے وعدہ کیا جاتا ہے اور اس وعدے کا تعلق یوم حساب سے ہے۔ جس روز انسان کی ابدی قسمت اور دائمی نصیب کا فیصلہ دیا جانا ہے اور اپنے اپنے اعمال کا نتیجہ اخذ کرنا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ ۵۴۔ یقیناً یہ ہمارا وہ رزق ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

تفسیر آیات

جنت میں رزق ختم ہونے کا تصور نہیں ہے۔ جنت کی زندگی کا وہ تصور نہ ہوگا جو دنیوی زندگی کا

[1] ۷۶ انسان: ۱۹

ہے، وہاں کے زمان و مکان اور پیمانے بالکل مختلف ہوں گے جو ہمارے لیے قابل تصور نہیں ہیں۔
مثلاً شکم مادر میں موجود جنین کے لیے دنیا کا طرز زندگی قابل تصور نہیں ہے۔ دنیا میں ایک ادنیٰ سی مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ ایک شمع سے جتنی شمعیں جلائی جائیں اس کی روشنی کم نہیں ہوتی۔ اسی طرح جس قدر علم دوسروں کو دیا جائے، دینے والے کے علم میں کمی نہیں آتی۔

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۙ﴿۵۵﴾
جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ
الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾

۵۵۔ یہ تو (اہل تقویٰ کے لیے) ہے اور سرکشوں کے لیے بدترین ٹھکانا ہے۔
۵۶۔ (یعنی) جہنم جس میں وہ جھلس جائیں گے، پس وہ بدترین بچھونا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ متقین کے مقابلے میں طاغین (سرکشوں) کا ذکر آتا ہے۔ جہاں اہل تقویٰ کے لیے بہترین انجام ہوگا، سرکشوں کے لیے بدترین انجام ہوگا۔ دونوں کا انجام انتہائی سرے کا ہوگا چونکہ دونوں کا انجام ابدی ہوگا۔
۲۔ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا: اہل تقویٰ کا ٹھکانا جس طرح جنات عدن ہوگا، سرکشوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔
۳۔ فَبِئْسَ الْمِهَادُ: اگر بچھونا آتشیں ہوگا تو اس بچھونے کی برائی کا حال کون بیان کر سکتا ہے۔

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ جس کا ذائقہ وہ چکھیں۔

تشریح کلمات

غَسَّاقٌ: (غ س ق) جہنمیوں کے جسم سے نکلنے والا خون یا پیپ۔

تفسیر آیات

هٰذَا: اشارہ ہے عذاب کی طرف۔ بہرحال جہنم والوں کے عذاب کا ذکر ہے کہ جہنم میں ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور غَسَّاقٌ ہوگا۔ غَسَّاقٌ کے معنی پیپ کے ہیں اگرچہ اہل لغت نے دوسرے معانی کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہاں غَسَّاقٌ پیپ کے معنوں میں زیادہ مناسب ہے۔

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور اس قسم کی مزید بہت سی چیزوں کا۔

تفسیر آیات

اس قسم کی دوسری مزید غلاظتوں کا مزہ چکھنا ہوگا۔ اَزْوَاجٌ سے مراد اقسام ہیں۔ یعنی دوسری اقسام کی تلخیوں کا مزہ چکھنا ہوگا۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۵۹

۵۹۔ یہ ایک جماعت تمہارے ساتھ (جہنم میں) گھسنے والی ہے، ان کے لیے کوئی خیر مقدم نہیں ہے، یہ یقیناً آگ میں جھلسنے والے ہیں۔

تفسیر آیات

اہل جہنم کے سردار جب اپنے مریدوں کے ایک ٹولے کو جہنم میں داخل ہوتا دیکھیں گے تو وہ اس ٹولے سے کہیں گے: ان پر خدا کی مار۔ دیکھو یہ آتش میں جھلسنے والے ہیں۔

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۶۰

۶۰۔ وہ کہیں گے: تمہارے لیے کوئی خیر مقدم نہیں ہے بلکہ تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے لیے لائے ہو، پس کیسی بدترین جگہ ہے۔

تفسیر آیات

وہ ٹولہ سرداروں سے کہے گا: اللہ کی مار تم پر ہو۔ تمہاری وجہ سے تو ہمیں یہ دن دیکھنا پڑا۔ اس طرح اہل جہنم ایک دوسرے سے شماتت اور نفرت کریں گے۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝۶۱

۶۱۔ وہ کہیں گے: ہمارے پروردگارا! جس نے ہمیں اس انجام سے دوچار کیا ہے اسے آگ میں دگنا عذاب دے۔

تفسیر آیات

یہ ٹولہ اپنے سرداروں کے خلاف اللہ سے یہ التجا کرے گا کہ یہ لوگ ہماری گمراہی اور ہلاکت کا سبب بنے ہیں لہٰذا اے ہمارے مالک! انہیں دگنا عذاب دے۔ سورہ اعراف: ۳۸ میں بھی اسی قسم کے واقعہ کا ذکر ہے:

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۔

بعد والی جماعت پہلی کے بارے میں کہے گی: ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا لہٰذا انہیں آتش جہنم کا دوگنا عذاب دے۔

مکہ کے مشرک سرداروں کو ان عاقبت کی خبر دینا مقصود ہے کہ قیامت کے دن تم لوگ کس قسم کے دن دیکھنے والے ہو۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور وہ کہیں گے: کیا بات ہے ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم برے افراد میں شمار کرتے تھے؟

تفسیر آیات

ان مشرکین پر تو حقیقت حال، حالت نزع کے وقت واضح ہوگئی تھی کہ مسلمانوں کا حال کیا ہوگا اور ہمارا انجام کیا ہوگا لہٰذا وہ حقیقی طور پر تو سوال نہیں کریں گے کہ جن مسلمانوں کو ہم برے لوگ سمجھتے تھے وہ یہاں جہنم میں نظر نہیں آتے بلکہ وہ تاسف سے کہتے ہوں گے کہ یہ ہم کیا دن دیکھ رہے ہیں کہ ہم تو جہنم کی آتش میں ذلت وخواری کے عذاب کا مزہ چکھ رہے ہیں لیکن جنہیں ہم دنیا میں برے لوگ سمجھتے تھے وہ یہاں نہیں ہیں۔

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ کیا ہم یونہی ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے یا اب (ہماری) آنکھیں انہیں نہیں دیکھ پاتیں؟

تفسیر آیات

۱۔ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا: یہ جملہ خبریہ ہونے کی صورت میں اس کا مطلب یہ بنے گا: ہم نے دنیا میں ان کا مذاق اڑایا تھا۔ جیسے كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ جملہ خبریہ ہے۔

۲۔ اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ: اس صورت میں اس جملے کا تعلق لَا نَرٰى رِجَالًا کے ساتھ ہے۔ یعنی جن لوگوں کو ہم دنیا میں برے لوگ سمجھتے تھے وہ یہاں جہنم میں نظر نہیں آتے۔ کیا وہ جہنم میں نہیں ہیں؟ یا وہ بھی جہنم میں ہیں لیکن ہماری نگاہیں انہیں دیکھ نہیں پاتیں؟ اور اگر جملہ اَتَّخَذْنٰهُمْ کو سوالیہ سمجھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کیا ہم نے ان کا مذاق اڑایا تھا؟ اب وہ جہنم میں نہیں ہیں۔ ہمارا مذاق اڑانا کس قدر بڑی غلطی تھی یا یہ کہ یہ لوگ بھی جہنم میں موجود ہیں لیکن ہماری نگاہیں ان کو دیکھ نہیں پاتیں۔

ہمارے نزدیک پہلی تفسیر درست ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ یہ جہنمیوں کے باہمی جھگڑے کی حتمی بات ہے۔

تفسیر آیات

جہنمیوں کا آپس میں جھگڑنا ایک حقیقت ہے۔ یہ واضح بات ہے کہ ہر شکست خوردہ جماعت اپنی شکست اور رسوائی کے بعد آپس میں جھگڑتی ہے، ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالتے ہیں اور کامیابی حاصل کرنے والے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ جنت والے آپس میں سلام سلام کر رہے ہوں گے اور جہنم والے آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ آپ کہہ دیجیے: میں تو صرف تنبیہ کرنے والا ہوں اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو واحد، قہار ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اے رسول ان مشرکین سے کہہ دیجیے: میں تمہیں عذاب الٰہی سے بچنے کی صرف تنبیہ کرنے والا ہوں۔ توحید کی طرف دعوت دینے والا ہوں۔ میری دعوت کی بنیاد کلمہ توحید ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور غرض نہیں ہے، نہ اپنا کوئی مفاد وابستہ ہے۔

۲۔ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ: میری دعوت کی بنیاد اللہ کی معبودیت کے علاوہ تمام مصنوعی معبودوں کی نفی ہے۔

۳۔ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ: وہ معبود صرف ایک، وہ ایک جو کثرت کو قبول نہیں کرتا۔ الْقَهَّارُ وہ ایک ہے لیکن ہر چیز پر غالب آنے والا ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ وہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے، وہ بڑا غالب آنے والا، بڑا معاف کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

وہ کل کائنات کا حقیقی مالک ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ کائنات کا رب

یعنی مالک ہے۔ ایسا مالک جو العزیز اپنی تمام مملوکات پر غالب آنے والا ہے۔ الْغَفَّارُ اس کے باوجود وہ درگزر کرنے والا ہے کہ اگر اپنی مملوک میں سے کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو قہر و غلبہ کے باوجود معاف فرماتا ہے۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾
۶۷۔ کہہ دیجیے: یہ ایک بڑی خبر ہے،

اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾
۶۸۔ جس سے تم منہ پھیرتے ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ: کہہ دیجیے وہ عظیم خبر ہے۔ وہ یعنی قرآن عظیم خبر ہے یا کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، عظیم خبر ہے۔

نَبَؤٌا عَظِيْمٌ سے مراد قرآن ہو یا کلمہ توحید، دونوں صورتوں میں عظیم خبر ہے۔ دنیا کے اعتبار سے عظیم ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی عظیم ہے۔

دنیا کے اعتبار سے اس نَبَؤٌا عَظِيْمٌ نے دنیا کا نقشہ بدل دیا، انسانیت کو فکری بلوغت تک پہنچا دیا، دنیا کو تمدن دیا، تہذیب سکھائی اور انسان کو انسانی حقوق سے آشنا کیا۔

آخرت کے اعتبار سے شرک و کفر جیسی پلیدی سے انسانوں کو نجات دلائی۔ پتھر پرستی جیسی توہین آمیز کھائی سے نکال کر رب العالمین کی بندگی کی معراج پر پہنچا دیا۔ زندگی کے تصور میں ایک انقلاب پیدا کر کے ابدی زندگی آباد کرنے کی عظیم سوچ عنایت فرمائی۔ کس قدر عظیم ہے اس خبر کا مضمون۔ عظیم ہیں اس خبر کے نتائج۔ عظیم ہیں اس خبر کے پیش کرنے والے اور عظیم ہیں اس خبر کا تحفظ کرنے والے۔ صلوات اللّٰہ علیہم۔

۲۔ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ: کس قدر بد نصیب ہیں وہ لوگ جو اس عظیم خبر کی عظمت جاننے کی زحمت گوارا نہیں کرتے بلکہ سوچے سمجھے بغیر اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس طرح وہ سعادت دارین سے اپنے آپ کو محروم کرتے ہیں۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾
۶۹۔ مجھے عالم بالا کا علم نہ تھا جب وہ (فرشتے) بحث کر رہے تھے۔

اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾
۷۰۔ میری طرف وحی محض اس لیے ہوتی ہے کہ میں نمایاں طور پر فقط تنبیہ کرنے والا ہوں۔

تفسیر آیات

رسول کریم ﷺ کی زبان سے بیان ہو رہا ہے کہ میرا واحد ذریعہ علم، وحی ہے۔ اگر وحی نہ ہوتی تو مجھے عالم بالا کا از خود علم نہ ہوتا کہ وہاں کس بات پر بحث ہو رہی ہے۔ اس بحث و جھگڑے سے مراد فرشتوں کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بحث ہو سکتی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر خلیفہ بنانے کا ذکر کیا تو فرشتوں نے سوال اٹھایا تھا یا اس جھگڑے کا ذکر ہو کہ جو ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے انکار کے ساتھ کیا تھا جس کا اگلی آیات میں ذکر آ رہا ہے۔

۲۔ اِنْ یُّوْحٰۤی اِلَیَّ: میری طرف صرف وہ وحی ہوتی ہے جو انذار سے مربوط ہے۔ یعنی کافروں کی صرف تنبیہ ہوتی ہے۔ بشارت کا ان کافروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾
فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾

۷۱۔ جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔
۷۲۔ پس جب میں اسے درست بنا لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔

ان آیات کی تشریح سورۃ حجر آیت ۲۹ میں ہو چکی ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ۙ
اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾

۷۳۔ چنانچہ تمام کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا،
۷۴۔ سوائے ابلیس کے جو اکڑ بیٹھا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف آیات ۱۲۔۱۳۔

قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ

۷۵۔ فرمایا: اے ابلیس! جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے اسے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو

الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾　　اونچے درجے والوں میں سے ہے؟

تفسیر آیات

۱۔ بِيَدَيَّ: جس مخلوق کو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے میں بِيَدَيَّ سے مراد قدرت وقوت ہے۔قوت کے لیے ''ہاتھ سے'' کی تعبیر ایک محاورہ ہے۔''اپنے ہاتھوں سے'' کے ذکر میں ایک خاص اہتمام ہے جس طرح کہا جاتا ہے: میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔اس میں ''میں نے دیکھا ہے'' کے ساتھ آنکھوں کا ذکر کرنا ایک خاص اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ: بعض حضرات نے اس جملے سے یہ مفہوم نکالا ہے کہ کچھ ہستیاں ایسی تھیں جن کا شمار عالین میں ہوتا ہے اور وہ سجدہ کرنے پر مامور نہ تھیں۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾

۷۶۔اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔

اس آیت کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف:۱۲

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾

۷۷۔فرمایا: پس نکل جا یہاں سے کہ تو یقیناً مردود ہے۔

تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ حجر آیت۳۴۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾

۷۸۔اور یوم جزا تک تم پر میری لعنت ہے۔

تفسیر آیات

يَوْمِ الدِّيْنِ: قیامت تک جب لعنت ہو گی تو قیامت کے دن ان لعنتوں کا نتیجہ بھگتنا ہو گا، نہ یہ کہ قیامت کے بعد لعنت ختم ہو جائے گی۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ

۷۹۔اس نے کہا: میرے رب! پس (ان لوگوں

يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾
کے) اٹھائے جانے کے روز تک مجھے مہلت دے۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾
۸۰۔ فرمایا: تو مہلت ملنے والوں میں سے ہے،

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾
۸۱۔ معین وقت کے دن تک۔

تفسیر آیات

۱۔ ابلیس کو مہلت مل گئی۔ اس طرح جن و انس میں سے گمراہ کرنے والوں کو مہلت مل جاتی ہے تاکہ نظام یکطرفہ نہ ہو۔ ایک طرف مجرم کے عذاب میں اضافہ ہو اور دوسری طرف مکلّف کا امتحان و آزمائش بحال رہے۔ اگر گمراہ کرنے والوں کی جڑ کاٹ دی جائے، انسان میں موجود خواہشات نفسانی ختم کر دی جائیں اور صرف فطرت سلیمہ، عقل سلیم، فرشتوں اور ہادیان برحق ہی کو موقع دیا جائے تو یہ نظام یک طرفہ ہو جاتا۔ آزمائش اور امتحان کے لیے کوئی جگہ نہ رہتی، انسان کو خود مختاری نہ ملتی اور اختیار و انتخاب کا حق نہ ملتا۔ فافهم ذلك۔

۲۔ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ: ابلیس نے قیامت تک کے لیے مہلت مانگی۔ جواب میں وقت معلوم تک کے لیے مہلت دی گئی۔ مفسرین فرماتے ہیں وقت معلوم سے مراد نفخۂ اول ہے۔ پہلی بار صور پھونکنے تک مہلت ہے۔ اس کے بعد جب سب مر جائیں گے تو ابلیس کو مہلت دینے کا مطلب نہیں بنتا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾
۸۲۔ کہنے لگا: مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکا دوں گا۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾
۸۳۔ ان میں سے سوائے تیرے برگزیدہ بندوں کے۔

تفسیر آیات

۱۔ ابلیس اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھا کر اپنے راسخ عزم کا اظہار کرتا ہے کہ میں اولاد آدم سے انتقام لے کر رہوں گا اور جس جس پر میرا بس چلے گا ان میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ اَجْمَعِيْنَ۔

۲۔ اِلَّا عِبَادَكَ: مخلص بندوں کو وہ گمراہ نہیں کر سکے گا۔ نہ یہ کہ وہ گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ یہاں اس نے اپنی عاجزی کا اظہار کیا ہے کہ میں تیرے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکوں گا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ شیطان کے پاس ایسی طاقت نہیں ہے کہ وہ انسان کو گمراہ ہونے پر مجبور کر سکے۔ شیطان خود کہتا ہے:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ — اور میرا تم پر کوئی زور نہیں چلتا تھا میں نے تو تمہیں

دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ....[1]　　صرف دعوت دی پھر تم نے میرا کہنا مان لیا۔

اہم نکات

۱۔ شیطان کے پاس گمراہی پر مجبور کرنے کی طاقت نہیں۔ رحمٰن ہدایت پر مجبور نہیں کرتا۔ دونوں کی طرف سے صرف دعوت ہوتی ہے اور ہر دعوت پر لبیک کہنے والے ہوتے ہیں۔

قَالَ فَالْحَقُّ ۖ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾
لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾

۸۴۔ فرمایا: حق تو یہ ہے اور میں حق بات ہی کرتا ہوں
۸۵۔ کہ میں تجھ سے اور ان میں سے تیری پیروی کرنے والوں سے جہنم کو ضرور پر کر دوں گا۔

تفسیر آیات

۱۔ قَالَ فَالْحَقُّ۔ فهذا هو الحق یا فاقسم بالحق۔ وَالْحَقَّ أَقُولُ جملہ معترضہ ہے۔ ربط کلام اس طرح ہے:

حق کی قسم میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا۔ مِنْكَ میں شیطان کے ہم نوع اور اس کا لشکر آ گئے اور مِمَّنْ تَبِعَكَ میں جن و انس کے پیروکار شامل ہو گئے۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾

۸۶۔ کہہ دیجیے: میں تم لوگوں سے اس بات کا اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں بناوٹ والوں میں سے ہوں۔

تفسیر آیات

۱۔ میں نہ تو تم سے کسی دنیاوی مفاد کا طالب ہوں، نہ تمہیں ایسی کوئی مثال ملے گی کہ میں نے اپنے مفاد کی خاطر کوئی غلط قدم اٹھایا ہو یا کوئی غلط بات کی ہو۔

۲۔ مَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ: نہ ہی کسی تصنع کا عادی ہوں کہ اپنی بڑائی دکھانے کے لیے وحی کا دعویٰ کروں۔ میری زندگی کا کوئی گوشہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کس مزاج کا مالک ہوں۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾

۸۷۔ یہ تو عالمین کے لیے صرف نصیحت ہے۔

---

[1] ۱۴ ابراھیم: ۲۲

تفسیر آیات

عالمین ، ہر مکان و زمان، ہر نسل اور پوری دنیا کے لیے ایک نصیحت ، ایک پیغام ہے اور انسانی ضمیر و وجدان کی بیداری کے لیے ایک حیات بخش آواز ہے۔

مکہ میں نازل ہونے والی یہ آیت اور دیگر متعدد آیات شاہد ہیں کہ یہ پیغام روز اول سے عالمین کے لیے ہے۔ ایک علاقے یا نژاد کے ساتھ محدود نہیں ہے۔ جیسا کہ دشمنان اسلام مستشرقین کہتے ہیں کہ شروع میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال صرف مکہ اور اس کے گرد و پیش تک اپنی رسالت کو محدود کرنا تھا۔

ع ۱۳ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۸۸ ۸۸۔اور تمہیں اس کا علم ایک مدت کے بعد ہو گا۔

تفسیر آیات

مکہ کے نامساعد ترین حالات و فضا میں جہاں دور دور تک عام نظروں کو کامیابی کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی، اس ضمن میں یہ اعلان ہو رہا ہے: ایک مدت کے بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جو میں آج کہہ رہا ہوں وہ پورا ہو کر رہے گا۔ چشم عالم نے دیکھ لیا کہ کوئی زیادہ مدت نہیں گزری تھی ان مشرکین کی گردنیں یا کٹ گئیں یا جھک گئیں اور اسلام کے خلاف تمام سازشوں کی جڑیں کٹ گئیں۔ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ۔[1]

[1] ۴۰ غافر: ۷۸ (ترجمہ) اور اس طرح اہل باطل خسارے میں پڑ گئے۔


سُورَةُ الزُّمَرِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورۃ مبارکہ کا نام اس سورۃ میں مذکور آیت ۷۳ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا میں لفظ زمر سے ماخوذ ہے۔

زمان نزول: سورۃ المبارکہ کی آیت ۱۰ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اللہ کی زمین وسیع ہے سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے کہ یہ سورۃ مبارکہ ہجرت حبشہ کے موقع پر نازل ہوئی ہے اور تفسیر روح المعانی کی روایت کے مطابق یہ آیت حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

فضیلت: مجمع البیان میں یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من قرء سورۃ الزمر لم یقطع اللّٰہ رجاہ واعطاہ ثواب الخائفین الذین خافو اللّٰہ تعالیٰ۔

جو سورہ زمر کی تلاوت کرے تو اللہ اس کی امید کو منقطع نہیں کرے گا اور اس کو اللہ سے خوف کرنے والوں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

بنام خدائے رحمٰن رحیم

۱۔ اس کتاب کا نزول بڑے غالب آنے والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ کتاب کسی بشری ذہن کی ایجاد و تصنیف نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس میں بشری کمزوری نظر آتی بلکہ یہ کتاب اس ذات کی نازل کردہ ہے جو العزیز ہے۔ قوت و قہاریت، عزت و غلبہ کی مالک ہے۔ اس کتاب میں اس ذات کی عزت و غلبہ کی جھلک نظر آتی ہے اور یہ ذات الحکیم، دانائے حقیقت ہے۔ اس کتاب میں اس حکیم ذات کا حکیمانہ قانون و دستور موجود ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۲

۲۔ ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب برحق نازل کی ہے لہٰذا آپ دین کو اسی کے لیے خالص کر کے صرف اللہ کی عبادت کریں۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ: سابقہ آیت میں تَنْزِیْلُ سے تعبیر فرمایا اور اس آیت میں اَنْزَلْنَآ فرمایا۔ اکثر کا یہ نظریہ ہے کہ تَنْزِیْلُ تدریجی نزول کو اور اَنْزَلْنَآ دفعۃً نزول کو کہتے ہیں۔ مجھے اس نظریے کو قبول کرنے میں تردد ہے کیونکہ آیہ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً.... [1] میں یکبارگی کے لیے نُزِّلَ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ لو لا انزلنا نہیں فرمایا۔ اس طرح دیگر قرآنی شواہد موجود ہیں جہاں اس مطلب کے تناظر میں قرآن کی تفسیر کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ بعض فرماتے ہیں تَنْزِیْلُ کا وزن تکثیر یعنی کثرت بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ پھر لَوْلَا نُزِّلَ میں کہتے ہیں۔ یہاں نزل، انزل کے معنوں میں ہے۔

۲۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ: یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حق وحقیقت کو بیان کرنے کے لیے نازل کیا گیا ہے جسے قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ان حقائق کی طرف رسائی صرف قرآن کے ذریعے ہوسکتی ہے۔

۳۔ فَاعْبُدِ اللّٰهَ: جب وہ حقائق جو نہایت اہمیت کے حامل ہیں آپ کی دست رسی میں آ گئے تو اس کے نتیجے میں اللہ کی بندگی کرنی چاہیے چونکہ یہ حقائق ''راز بندگی'' میں خلاصہ ہوتے ہیں۔

عبادت کی تعریف یہ ہے کہ کسی ذات کی تعظیم اس بنیاد پر کی جائے کہ وہ خالق یا ربّ ہے۔ لہٰذا کسی کو خالق یا رب سمجھ کر بجا لانے والی تعظیم عبادت ہے۔ مطلق تعظیم عبادت نہیں ہے۔

۴۔ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ: دین کے معنی اس جگہ اطاعت ہو سکتے ہیں۔ پس اس جملے کے معنی یہ ہیں: اطاعت وفرماں برداری کو صرف اور خالصتاً اللہ کے لیے قرار دے کر عبادت کرو۔ خالص کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت بے شائبہ اور شفاف ہو۔ اس فرمان برداری کا مقصد صرف ذات الٰہی ہو اور اس سے عشق ومحبت ہو اور اس میں غیر اللہ کا کوئی شائبہ نہ ہو جو ایک مشکل کام ہے۔ دینداری آسان ہے لیکن اسے بے شائبہ اور شفاف بنانا مشکل ہے۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے روایت ہے:

تَصْفِيَةُ الْعَمَلِ اَشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ.... [2]　　عمل کو صاف وشفاف بنانا خود عمل سے زیادہ مشکل ہے۔

---

[1] ۲۵ فرقان: ۳۲　　[2] الکافی: ۲۲/۸

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝

ترجمہ

۳۔ آگاہ رہو! خالص دین صرف اللہ کے لیے ہے اور جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو سرپرست بنایا ہے (ان کا کہنا ہے کہ) ہم انہیں صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں، اللہ ان کے درمیان یقیناً ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، اللہ جھوٹے منکر کو یقیناً ہدایت نہیں کرتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ: ایک ندائے عام ہے ہر عقل و شعور رکھنے والے کے لیے کہ خالص اور بے شائبہ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ بایں معنی کہ اطاعت اور عبادت بلا شرکت غیر ہو تو وہ اللہ کے لیے ہو گی۔ اگر کسی کی شرکت ہو تو وہ اطاعت اللہ کی اطاعت اور عبادت شمار نہ ہو گی۔

۲۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ: صاحب تفسیر المیزان اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

بت پرستوں کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی ادراک یعنی عقل، وہم اور حس کے احاطہ میں آنے سے بالاتر ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس بات سے بالاتر ہے کہ اس کی ہم براہ راست عبادت کریں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اللہ کی مخلوق میں سے اس کی مقرب ہستیوں کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کریں جن کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے تدبیر کائنات کا کام سونپ رکھا ہے۔ وہ ان مقرب ہستیوں کو اللہ کی جگہ ربْ کے طور پر مانتے ہیں پھر ان کی عبادت کرتے ہیں تاکہ یہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں اور اللہ کا قرب حاصل ہو جائے۔ یہ ہستیاں فرشتے، جنات اور مقدس انسان ہیں۔ حقیقت میں یہی ربْ ہیں اور معبود بھی۔

رہی بات عبادت گاہوں میں نصب شدہ بت کی تو یہ صرف ہمارے ارباب اور معبود کی شبیہ ہیں۔ یہ بذات خود ارباب اور معبود نہیں ہیں۔

مگر مشرکین میں جاہل لوگ ان شبیہوں کو ذوات مقدسہ سمجھ بیٹھے۔ وہ خود ربْ اور ربْ کے بتوں میں فرق نہیں سمجھ سکے چنانچہ وہ ان بتوں کی اس طرح عبادت کرنے لگے جس طرح خود ارباب اور معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے۔

مشرکین کے نزدیک اللہ تعالیٰ ان ارباب کا ربْ اور خالق ہے۔ لہٰذا مشرکین اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو مدبر اور معبود سمجھتے ہیں، وہ بھی خالق صرف اللہ کو سمجھتے ہیں۔

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ : اللہ قیامت کے دن ان مشرکین اور موحدین کے درمیان موجود اختلاف کا فیصلہ دے گا۔ جس دن شرک اور توحید کا نتیجہ سامنے آنے والا ہے اسی دن اس اختلاف کا فیصلہ ہو گا۔

۴۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ : جو اللہ کی وحدانیت اور معبودیت کے بارے میں خلاف واقع بات کرتے اور کفر اختیار کرنے میں ایک کردار ادا کرتے ہیں وہ صرف کافرین نہیں بلکہ کفّار ہیں۔ ان میں ہدایت لینے کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے انہیں اللہ ہدایت نہیں دیتا بلکہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

لَوۡ اَرَادَ اللّٰہُ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰی مِمَّا یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبۡحٰنَہٗ ؕ ہُوَ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ﴿۴﴾

۴۔ اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا، وہ پاکیزہ ہے اور وہ اللہ یکتا، غالب ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اول تو بفرض محال اللہ کا کوئی بیٹا ہے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے وہ اللہ کا حصہ ہے جو اس سے جدا ہوا ہے۔ یہ ناممکن ہے۔

دوم یہ کہ اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو بیٹا بنایا جا سکتا ہے۔ اللہ کی مخلوق بیٹا نہیں ہو گا، دیگر مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہو گی۔ پس دونوں میں رشتہ خالق و مخلوق کا ہے، والد، ولد کا نہیں اور اگر مخلوق نہ ہوتا تو اللہ کی ذات میں تعدد لازم آتا۔

۲۔ سُبۡحٰنَہٗ ؕ ہُوَ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ : تعدد سے اللہ کی ذات منزہ ہے۔ وہ واحد ہے۔ اس میں تعدد آنا محال ہے۔ وہ قہار ہے اس کے مقابلے میں کسی اور وجود میں استقلال نہیں آ سکتا بلکہ وہ اللہ کی قہاریت کے قبضے میں ہے۔ لہٰذا اللہ کا کوئی فرزند نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ سوال کہ حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا تو کسی کو اعزازی بیٹا بنایا جائے تو کیا حرج ہے؟ جواب یہ ہے کہ اعزاز کا مطلب عزت دینا، برگزیدہ کرنا ہے۔ اگر اللہ اپنی مخلوق، بندوں میں سے کسی کو عزت دیتا اور برگزیدہ فرماتا ہے تو وہ اس کا بیٹا نہیں کہلائے گا۔ یہ شان الٰہی میں گستاخی ہے بلکہ اسے اللہ کا مقرب بندہ کہا جائے گا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ۚ یُکَوِّرُ الَّیۡلَ عَلَی النَّہَارِ وَ یُکَوِّرُ

۵۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو

النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝

رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے، یہ سب ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے، آگاہ رہو! وہی بڑا غالب آنے والا معاف کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ: اس کائنات کو عبث اور بے مقصد خلق نہیں کیا بلکہ ایک حکیمانہ مقصد کے لیے خلق کیا ہے۔ تشریح کے لیے رجوع فرمائیں سورہ انعام آیت ۷۳۔

۲۔ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ: اللہ دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔

تکویر لپیٹنے کو کہتے ہیں۔ جیسے عمامہ سر پر لپیٹنا۔ گویا زمین کو سر کی طرح گول تصور کیا گیا جس پر دن رات پر اور رات دن پر لپیٹ دی جاتی ہے کہ ایک طرف رات کی تاریکی دن کی روشنی کا تعاقب کر رہی ہوتی ہے دوسری طرف دن کی روشنی رات کی تاریکی کا تعاقب کر رہی ہوتی ہے۔ چونکہ مادّہ تکویر، کرہ سے ہے جو گول شکل کے جسم کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے يُكَوِّرُ زمین کے کرہ اور گول ہونے کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔

۳۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ: سورج اور چاند کی تسخیر اسی دن اور رات کے دوران کی صورت میں ہے کہ اس شب و روز کے دوران سے سورج کی حیات بخش روشنی سے استفادہ ہوتا ہے اور رات کی وجہ سے سورج کے مضرات سے اہل ارض محفوظ رہتے ہیں۔

۴۔ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى: سورج اور چاند میں سے ہر ایک، معین مدت تک جاری اور گردش میں رہے گا۔ اس معین مدت کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود ہے۔ بالآخر ایک دن اس کائنات نے ختم ہونا ہے۔

۵۔ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ: آگاہ رہو وہ ذات غالب آنے والی ہونے کے باوجود درگزر کرنے والی ہے۔

واضح رہے اس آیت کا مطمع نظر اس کائنات کے خلق و تدبیر کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جس طرح مشرکین بھی مانتے ہیں خالق ایک ہی ذات ہے اسی طرح آیت نے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ مدبر بھی ایک ہی ہے اور وہ وہی خالق ہے۔ چونکہ خلق اور تدبیر قابل تفریق نہیں ہیں۔ جس نے کائنات کو برحق خلق فرمایا ہے اسی نے شب و روز کے آنے جانے اور شمس و قمر کی تسخیر سے اس کائنات کی تدبیر فرمائی ہے۔ لہٰذا تخلیق

میں تدبیر ہے۔ پس اگر خالق صرف خدا ہے تو مدبر بھی صرف خدا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۶

۶۔اسی نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لیے چوپاؤں میں سے آٹھ جوڑے بنائے، وہی تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں تین تاریکیوں میں ایک خلقت کے بعد دوسری خلقت دیتا ہے، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟

تفسیر آیات

۱۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ: اس آیۂ شریفہ میں خلق اور تدبیر کے ناقابل تفریق ہونے پر استدلال ہے۔ نفس واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام کی ذات ہے جن سے نسل انسانی پھیلی اور ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ اس طرح زَوْجَهَا کو بھی نفس واحدہ سے خلق فرمایا۔ ضروری نہیں ہے کہ نفس واحدہ عیناً وہی نفس واحدہ ہو جس سے آدم کو خلق فرمایا ہے۔ ممکن ہے ایک نفس واحدہ (آدم) سے مرد اور دوسرے نفس واحدہ (حوا) سے عورت کو پیدا کیا ہو۔ چنانچہ ایک روایت کا اسی بات کی طرف اشارہ ہے:

ان اللّٰہ تعالیٰ خلق حواء من فضل طینة التی خلق منها آدم۔[1]

اللہ تعالیٰ نے حوا کو اس طینت سے خلق فرمایا جو آدم کی تخلیق سے بچی ہوئی تھی۔

۲۔ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ: تدبیر معیشت کے بارے میں ایک اہم معاشی مسئلے کا ذکر ہے کہ الْاَنْعَامِ مویشی۔ اس سے مراد اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری چار نر اور چار مادہ مجموعاً آٹھ کی تعداد بنتی ہے جن پر انسانی معیشت کے اہم ستون کھڑے ہیں۔

اَنْزَلَ لَكُمْ سے مراد ممکن ہے یہ ہو: تمہاری دست رسی میں رکھ دیا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

فانزاله ذلك خلقه اياه۔۔۔[2]

انزل سے خلق مراد ہے۔

۳۔ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ: تدبیر سے تخلیق کے ذکر کی طرف آتا ہے کہ اللہ ہی نے تمہیں

---

[1] مجمع البیان　[2] بحار: ۹۰: ۱۱۴

خلق کیا ہے تمہاری ماؤں کے شکموں میں۔

۴۔ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ: یکے بعد دیگرے تخلیقی مراحل سے مراد، نطفہ، پھر لوتھڑا، پھر گوشت کا ٹکڑا، پھر ہڈیاں، پھر ہڈیوں پر گوشت، پھر خلق آخر ہے۔

۵۔ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ: تخلیق کے یہ مراحل تین تاریکیوں میں انجام پاتے ہیں جہاں روشنی کا گزر نہیں ہوسکتا۔ شکم مادر، رحم اور مشیمہ (وہ جھلی جس میں بچہ محفوظ ہوتا ہے) کی تاریکیوں میں۔

۶۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ: تمہارا ربّ اور تمہارا مالک وہی ذات ہے جس کے ہاتھ میں تمہاری تخلیق و تدبیر ہے۔

۷۔ لَہُ الْمُلْکُ: کل کائنات پر اسی کی بادشاہی ہے۔ کوئی چیز اس کی بادشاہی سے خارج نہیں ہے۔ نہ کسی ایک چیز پر غیر اللہ کی بادشاہی ہے۔

۸۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ: پس عبادت بھی صرف اور صرف اسی کی ہو گی۔ اس کے علاوہ کوئی اور ذات قابل پرستش ہونا ممکن نہیں ہے جس کے پاس خلق و تدبیر اور بادشاہی کا کوئی حصہ ہو۔

۹۔ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ: پھر تم اے مشرکو! اس کائنات کے خالق، مدبر اور بادشاہ کو چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو۔

انسانی تخلیق کے بارے میں مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ آل عمران آیت ۶۔

اہم نکات

۱۔ تمام انسانوں کا تعلق ایک نفس واحدہ سے ہے۔

۲۔ اللہ نے سب سے پہلے انسان کے لیے زوجہ خلق فرمائی۔

۳۔ انسان کی تخلیق تاریکی کے تین پردوں کے پیچھے ہوئی ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ	۷۔ اگر تم کفر کرو تو یقیناً اللہ تم سے بے نیاز ہے
عَنْكُمْ ۚ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ	اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا
الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ	اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لیے پسند
لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ	کرے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا
اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ	بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہیں اپنے رب کی
مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ	بارگاہ کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا

تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ۷

کہ تم کیا کرتے رہے ہو، یقیناً وہ دلوں کا حال خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنْ تَكْفُرُوْا: اگر تم اللہ کی بندگی چھوڑ کر ناشکری کے مرتکب ہو جاؤ تو اس کے منفی اثرات کے زد میں خود تم آجاؤ گے۔ اللہ تمہاری شکرگزاری سے بے نیاز ہے۔

۲۔ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ: وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا۔ ایک سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ کفران نعمت کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ کا ناپسند کرنا ہمارے لیے باعث ہلاکت ہے کیونکہ انسان کی کامیابی اللہ کی خوشنودی میں ہے۔

اس کی مثال استاد اور شاگرد کی ہے۔ اگر شاگرد محنت نہ کرے تو اس سے استاد کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا البتہ استاد کو یہ عمل ناپسند ہے۔ استاد اس سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ اس سے اس کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے اور اگر شاگرد محنت کرتا ہے تو استاد کو کوئی فائدہ نہیں ملتا البتہ استاد اس سے خوش ہو جائے گا۔ استاد کی توجہ اور پیار ملے گا جس سے اس کی زندگی سنور جائے گی۔

تصور آخرت کے مطابق انسان کی سعادت، کامیابی اور ارتقاء، رضائے رب کے ساتھ وابستہ ہے۔

۲۔ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ: مقام شکر پر فائز ہونے والا مقام رضائے رب پر فائز ہو جاتا ہے:

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ....[1]　　اور اللہ کی طرف سے خوشنودی ان سب سے بڑھ کر ہے۔

۳۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى: اس جملے کی تشریح سورہ انعام آیت ۱۶۴، بنی اسرائیل آیت ۱۵ میں، سورہ فاطر آیت ۱۸ میں ہو چکی ہے۔

اللہ کی خوشنودی: اس آیۂ شریفہ کا یہ جملہ قابل توجہ ہے: وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ .... اللہ کفر کو پسند نہیں کرتا اور شکر کو پسند کرتا ہے۔

شیعہ امامیہ کا نظریہ ہے کہ کفر بذات خود یعنی عقلاً بُرا اور شکر بذات خود یعنی عقلاً اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی بھی کسی بری چیز کو پسند نہیں کرتا اور کسی اچھی چیز کو ناپسند نہیں کرتا۔ جب کہ ایک کلامی مکتب فکر کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ کفر کو پسند کرتا ہے اسی لیے کافر اسے اختیار کرتا ہے اور وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ میں نیک بندوں سے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ اسی لیے ان سے کفر سرزد نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ عبادہ کی تخصیص صرف نیک بندوں کے لیے کرتے ہیں۔ مخصص ان کا اپنا نظریہ ہے۔

بہرحال ان کا یہ نظریہ ہے کہ جب تک اللہ کسی چیز کو پسند نہیں کرتا وہ وقوع پذیر نہیں ہوتی اور کفر کو اللہ

---

[1] ۹ توبۃ: ۷۲

پسند کرتا ہے اس لیے کافر سے کفر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یہ نظریہ اس قدر واضح البطلان ہے کہ جواب کا محتاج نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کی خوشنودی کے حصول کا بہترین ذریعہ شکر ہے۔ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ....

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸

۸۔ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتا ہے، پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت دیتا ہے تو جسے پہلے پکارتا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لیے شریک بنانے لگتا ہے تا کہ اس کی راہ سے (دوسروں کو) گمراہ کر دے کہہ دیجیے: اپنے کفر سے تھوڑا سا لطف اندوز ہو جا یقیناً تو جہنمیوں میں سے ہے۔

تشریح کلمات

خَوَّلَهٗ: (خ و ل) التخویل کے اصل معنی حشم و خدام عطا کرنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ: اضطراری حالت میں اس کی فطرت بیدار ہو جاتی ہے۔ غیر فطری دباؤ ہٹ جاتا اور انسان اپنی فطرت سلیمہ سے سرگوشی کرنے لگتا ہے۔ وہاں اسے صرف اللہ ہی نظر آتا ہے۔ پھر اسی کو پکارتا ہے جب اضطراری حالت ختم ہو جاتی ہے تو معاشرتی عادات و رسوم، خواہشات اور مفادات کی طرف سے غیر فطری دباؤ شروع ہو جاتا ہے۔

اس آیت کی تشریح کے لیے سورہ یونس آیت ۱۲، سورہ روم آیت ۳۳ ملاحظہ فرمائیں۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى

۹۔ (مشرک بہتر ہے) یا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے

الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ع ۱۵

امید لگائے رکھتا ہے، کہہ دیجیے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ: کیا یہ شخص جو آسودہ ہوتے ہی شرک اختیار کرتا ہے اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کے اوصاف درج ذیل ہیں:

الف: وہ رات کے اوقات میں عبادت کرتا ہے جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ ہر قسم کی ریا کاری سے دور محض رضائے رب کے لیے عبادت کرتا ہے۔

ب: اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا: عبادت کی نوعیت بیان فرمائی کہ یہ عبادت سجدے اور قیام کی صورت میں بجا لاتا ہے۔ رات کی تاریکی میں، تنہائی میں حالت سجدہ میں ہو یا حالت قیام میں ہو۔

ج: يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ: وہ آخرت کی ہولناکیوں سے خائف رہتا ہے اور کسی کوتاہی یا گناہ کے ارتکاب کی صورت میں وہ اس عذاب کا خوف دل میں رکھتا ہے جو اس گناہ کے معاف نہ ہونے کی صورت میں آخرت کے دن درپیش ہوگا۔

د: وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ: اور ساتھ امید کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ وہ خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے۔ خوف کی وجہ سے وہ گناہ سے بچتا ہے اور امید کی وجہ سے عبادت کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا: میرے پدر بزرگوار فرماتے تھے:

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا (وَ) فِی قَلْبِهٖ نُورَانِ نُورُ خِيْفَةٍ وَ نُورُ رَجَاءٍ لَوْ وُزِنَ هٰذَا لَمْ يَزِدْ عَلَى هٰذَا وَ لَوَ وُزِنَ هٰذَا لَمْ يَزِدْ عَلَى هٰذَا۔ [1]

مؤمن بندے کے دل میں دو قسم کے نور ہوتے ہیں ایک خوف کا نور اور دوسرا امید کا نور اگر اس (خوف) کا وزن کیا جائے تو اس (امید) سے زیادہ نہ ہو اور اگر اس (امید) کا وزن کیا جائے تو اس (خوف) سے زیادہ نہ ہو۔

دوسری روایت میں فرمایا:

يَهْلِكُ الْمُتَّكِلُ عَلَى عَمَلِهٖ وَ لَا يَنْجُو الْمُجْتَرِئُ عَلَى الذُّنُوبِ الْوَاثِقُ

اپنے عمل پر بھروسہ کرنے والا ہلاک ہو جائے گا۔ جیسا کہ اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے گناہ کا ارتکاب

بِرَحْمَةِ اللّٰهِ قُلْتُ: فَمَنْ يَنْجُو؟ قَالَ: الَّذِينَ هُمْ بَيْنَ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ كَأَنَّ قُلُوبَهُمْ فِي مِخْلَبِ طَائِرٍ شَوْقًا إِلَى الثَّوَابِ وَخَوْفًا مِنَ الْعَذَابِ۔ [۲]

کرنے والے کو بھی نجات نہیں ملتی۔ راوی نے پوچھا: پھر کسے نجات ملے گی؟ فرمایا: جو خوف اور امید کے درمیان ہوتے ہیں گویا ان کے دل پرندوں کے پنجے میں ہیں ثواب کے شوق اور عذاب کے خوف کی وجہ سے۔

۲۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ: مشرک اور مؤمن کا برابر نہ ہونا ایسا ہے جیسے عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ کی بندگی، رازِ بندگی، آگہی سے سے مربوط ہے۔ جو رازِ حیات کو نہیں جانتا وہ اپنی عقل سے کام نہیں لے سکتا اور جو عقل سے کام نہیں لیتا وہ اپنی زندگی کو معقولیت نہیں دے سکتا۔

اس آیت سے عالم کی یہ تعریف سامنے آتی ہے:

عالم وہ ہے جو ابتدا و آخر شب میں عبادت کرتا ہے۔ قیامت کا خوف اور رحمت الٰہی کی امید رکھتا ہے، خواہ اصطلاح میں وہ ان پڑھ ہی کیوں نہ ہو اور جاہل وہ ہے جس میں یہ اوصاف نہ ہوں، خواہ اصطلاح میں اسے سب سے بڑا علامہ سمجھا جاتا ہو۔

چنانچہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے:

لَا يَكُونُ الرَّجُلُ مُؤْمِناً حَتّٰى يَكُونَ خَائِفاً رَاجِياً وَ لَا يَكُونُ خَائِفاً رَاجِياً حَتّٰى يَكُونَ عَالِماً لِمَا يَخَافُ وَ يَرْجُو۔ [۳]

بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک خوف کرنے والا اور امید رکھنے والا نہ ہو اور خوف کرنے والا اور امید رکھنے والا نہیں ہو سکتا جب تک اس چیز کا علم نہ ہو جس سے خوف کرنا اور جس کی امید رکھنا ہے۔

حدیث میں آیا ہے۔

لَا خَيْرَ فِي الْعَيْشِ إِلَّا لِرَجُلَيْنِ عَالِمٍ مُطَاعٍ أَوْ مُسْتَمِعٍ وَاعٍ۔ [۴]

صرف دو آدمیوں کی زندگی میں خیر ہے۔ ایک عالم جس کی بات مان لی جاتی ہو دوسرا بات سننے اور سمجھنے والا۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں يَعْلَمُونَ اور لَا يَعْلَمُونَ میں موازنہ ہے۔ یعنی جاننے والوں اور نہ جاننے والوں میں موازنہ ہے۔ یہ نہیں فرمایا کس چیز کے جاننے والے۔ اگر کسی خاص چیز کے نہ جاننے والے کا ذکر ہوتا تو اسی علم کے ساتھ مخصوص ہوتا۔ چونکہ کسی کا ذکر نہیں ہے لہٰذا ہر علم کی بلا امتیاز فضیلت ہے۔ لہٰذا علم کی بمقابلہ جہالت فضیلت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ (قَالَ

ایک گھڑی فکر سے کام لینا ایک سال کی عبادت سے

---

۱ الکافی ۲: ۹۷ ۲ مستدرک الوسائل ۱۱: ۲۲۶ ۳ مستدرک الوسائل ۱۱: ۲۲۶ ۴ الکافی باب صفة العلم ۱: ۳۳

اللّٰہُ) اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۔[1]　　بہتر ہے اللہ کا ارشاد ہے نصیحت عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

النَّاسُ ثَلَاثَۃٌ عَالِمٌ وَ مُتَعَلِّمٌ وَ غُثَاءٌ. [2]　　لوگ تین قسم کے ہیں: عالم، طالب علم یا خس وخاشاک.

فضلیت: ابن عباس سے روایت ہے: اَلَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ سے علی علیہ السلام اور ان کے اہل بیت علیہم السلام مراد ہیں۔ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ سے بنی امیہ اور اُولُوا الۡاَلۡبَابِ سے ان کے شیعہ مراد ہیں۔[3]

اہم نکات

۱۔ مؤمن خوف و امید کے درمیان ہوتا ہے۔

۲۔ عالم وہ ہے جو رازِ بندگی جانتا ہو۔

قُلۡ یٰعِبَادِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا حَسَنَۃٌ ؕ وَ اَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَہُمۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ کہہ دیجیے: اے میرے مومن بندو! اپنے رب سے ڈرو، جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، یقیناً بے شمار ثواب تو صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ : اے اہل ایمان! اپنے رب کے عذاب سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اگلے جملے میں اس تقویٰ کے نتائج و آثار بیان فرمائے:

۲۔ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا: جو لوگ اس دنیا میں نیکی انجام دیتے ہیں ان کے لیے حسنہ یعنی نیکی کا ثواب ہے۔ چونکہ لفظ میں آخرت کا ذکر نہیں ہے لہٰذا دنیا و آخرت دونوں شامل ہیں۔ اس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ تقویٰ کے اثرات و نتائج دنیا و آخرت دونوں کے لیے بہتر ہیں۔

۳۔ وَاَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ: اگر تقویٰ اختیار کرنے کے لیے ہجرت کرنا، وطن چھوڑنا پڑے تو اللہ کی سرزمین وسیع ہے۔ مؤمن کو تقویٰ کے لیے ضرورت پڑنے پر ہجرت کرنی چاہیے۔

۴۔ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوۡنَ: ترک وطن کے سلسلے میں جو مشکلات اُٹھانی پڑتی ہیں، ان پر صبر کرتا ہے۔ اللہ انہیں پورا ثواب عنایت فرمائے گا۔

---

[1] مستدرک الوسائل ۱۱: ۱۸۳　[2] الکافی ۱: ۳۴　[3] حسکانی شواھد التنزیل ذیل آیت

نہج البلاغہ میں آیا ہے:

فَاِنَّ التَّقْوٰی فِی الْیَوْمِ الْحِرْزُ وَ الْجُنَّةُ وَ فِی غَدِ الطَّرِیقُ اِلَی الْجَنَّةِ...۔[1]

تقویٰ آج (دنیا میں) میں پناہ و سپر ہے اور جنت کی راہ ہے۔

اہم نکات

۱۔ تقویٰ میں خیر الدنیا و الآخرۃ ہے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ کہہ دیجیے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں دین کو اس کے لیے خالص کر کے اللہ کی بندگی کروں۔

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور مجھے یہ حکم بھی ملا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلم بنوں۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ کہہ دیجیے: اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ کہہ دیجیے: میں اللہ ہی کی بندگی کرتا ہوں اپنے دین کو اس کے لیے خالص رکھتے ہوئے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ: لوگوں سے کہہ دیجیے: اللہ کی بندگی کی جو میں لوگوں کو دعوت دیتا ہوں: میرے لیے حکم ہے کہ اس پر سب سے زیادہ اخلاص کے ساتھ میں خود عمل کروں اور تسلیم و رضا کی منزل پر سب سے پہلے میں خود قدم رکھوں اور (اگرچہ معصوم ہیں، گناہ کا ارتکاب نہیں فرماتے تھے) بفرض محال گناہ سرزد ہوا تو عذاب عظیم سے ڈرتا ہوں۔

اپنے رسول کے لیے یہ حکم ہو رہا ہے: لوگوں میں اس بات کا اعلان کروں کہ اللہ کی بندگی کرنے میں نہ صرف یہ کہ مجھے کوئی مراعات حاصل نہیں ہیں بلکہ جو مراعات دوسرے عام لوگوں کو حاصل ہیں وہ مجھے حاصل نہیں ہیں۔

اہم نکات

۱۔ دینی قیادت کی سیرت میں رہنمائی ہے۔

[1] نہج البلاغۃ خ ۱۹۱

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ پس تم اللہ کے علاوہ جس جس کی بندگی کرنا چاہو کرتے رہو، کہہ دیجیے: گھاٹے میں تو یقیناً وہ لوگ ہیں جو قیامت کے دن خود کو اور اپنے عیال کو گھاٹے میں ڈال دیں، خبردار! یہی کھلا گھاٹا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ جب تم حقیقی معبود کی بندگی نہیں کرتے تو پھر جس کی چاہو بندگی کرو۔ جہاں خزانہ ہے وہاں تلاش و جستجو کے لیے آمادہ نہیں ہو، پھر جہاں چاہو اپنا سر مارو۔ سرمایۂ حیات کو منافع بخش تجارت میں لگانے کے لیے آمادہ نہیں ہو تو جس خسارے میں تباہ کرنا ہے کر ڈالو۔

۲۔ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ: جو لوگ اپنی ابدی زندگی کا خسارہ اٹھاتے اور ساتھ اپنے اہل و عیال کی زندگی کو خسارے میں ڈالتے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی خسارہ قابل تصور نہیں ہے۔

۳۔ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ: ابدی زندگی کا گھاٹا قابل تلافی نہیں ہے۔ جب کہ دنیاوی زندگی میں اگر کوئی مالی یا جانی خسارہ ہوتا ہے تو یہ وقتی اور قابل تلافی ہے لیکن غیر اللہ کی بندگی کر کے جو لوگ ابدی زندگی کو تباہ کرتے ہیں وہ ابدی اور ناقابل تلافی خسارے میں ہیں۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان اور ان کے نیچے بھی شعلے ہوں گے، یہ وہ بات ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، پس اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو۔

تفسیر آیات

۱۔ غیر اللہ کی بندگی کرنے والوں نے خسارہ اٹھایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ آتش جہنم میں گھرے ہوئے ہوں گے۔ اوپر آتشیں سائبان ہوں گے اور نیچے بھی آتش کا سائبان ہوگا۔ نچلے درجے کے اہل جہنم کے لیے سائبان ہوگا خود ان کے لیے آتشیں فرش ہوگا۔

۲۔ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ: جہنم کے آتشیں سائبانوں میں گھرا ہوا ہونا وہ عذاب ہے جو غیر

اللہ کی بندگی کرنے والوں کے لیے ہے۔ اللہ قبل از وقت اپنے بندوں کو اس عذاب کا خوف دلاتا ہے تا کہ وہ اس عذاب سے اپنے آپ کو بچائیں۔

۳۔ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ: ایک رحمت بھرے لہجے میں ارشاد ہے: اے میرے بندو! میرے عذاب سے بچو۔ اللہ کو انہیں عذاب دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اگر یہ خود اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا نہ کرتے:

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ....[1]

اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے:

الخاسر من غفل عن اصلاح المعاد ....[2]

خسارہ اٹھانے والا وہ ہے جو آخرت کو درست کرنے سے غافل رہتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ حقیقی معبود کو چھوڑنے کے بعد جس سے چاہو وابستہ ہو جاؤ، فرق نہیں کرتا۔
۲۔ ابدی زندگی کی خسارے سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں ہے۔
۳۔ انسان خود کے ساتھ اپنے اہل وعیال کا بھی ذمہ دار ہے۔
۴۔ اللہ کی طرف سے تنبیہ، رحمت وشفقت کی بنیاد پر ہے۔

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَی اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰی ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

۱۷۔ اور جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لیے خوشخبری ہے، پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجیے،
۱۸۔ جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبان عقل ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ: غیر اللہ کی پرستش کرنے والے مشرکین کے مقابلے میں ان

---

[1] ۴/ نساء: ۱۴۷ [2] مجموعة ورام ۲: ۱۱۸

موحدین کا ذکر ہے جو غیر اللہ کی بندگی سے اجتناب کرتے ہیں۔ طاغوت اگرچہ طغیان سے ہے اور حد سے تجاوز کرنے والے کو کہتے ہیں مگر قرآن اس لفظ کو معبود غیر اللہ کے لیے استعمال کرتا ہے۔

۲۔ وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ: غیر اللہ کی پرستش سے اجتناب کر کے اللہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ ایمان دوستونوں پر قائم کرتے ہیں۔ ترک شرک اور رجوع الی اللہ۔ ان دونوں ستونوں کی فراہمی پر اگلے جملے میں فرمایا:

۳۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ: میرے ان بندوں کو بشارت دو جو سنتے تو سب کی ہیں لیکن اتباع اور پیروی کی نوبت آتی ہے تو احسن الاقوال کا انتخاب کرتے ہیں۔ پھر اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیۂ مبارکہ میں حق اور حقیقت تک پہنچنے کے لیے ایک صائب طریقہ بیان فرمایا ہے۔ وہ ہے حق کی جستجو کے لیے جس جس کے پاس کوئی نظریہ ہے سب کو سن لیا جائے۔ کسی کی بات سن لینے سے پہلے اس کے موقف کے بارے میں کوئی نظریہ قائم نہیں کرنا چاہیے۔

۴۔ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ: سب کا موقف سن لینے کے بعد احسن اور بہتر کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہ لوگ حسن اور احسن، خوب اور خوب تر میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ ان میں اس انتخاب کی فکری اور عقلی صلاحیت موجود ہے۔ یہ صلاحیت ان میں حق کی جستجو کا عزم ہونے کی وجہ سے آ گئی ورنہ اگر وہ اپنے نظریے پر بضد رہیں اور حق کی جستجو کا عزم ہی نہ ہو، ان کے دلوں پر تالا لگ جاتا ہے۔

۵۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ: ان کے اس تلاش حق کے عزم کی وجہ سے اللہ انہیں راہ حق کی ہدایت عنایت فرماتا ہے۔

۶۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ: یہی لوگ صاحبان عقل ہیں۔ اسی عقلی قوت کی وجہ سے وہ احسن کی تلاش میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے روایت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى بَشَّرَ اَهْلَ الْعَقْلِ وَالْفَهْمِ فِي كِتَابِهٖ...۔[1]	اپنی کتاب (قرآن) میں اللہ نے عقل وفہم والوں کو بشارت دی ہے۔ (پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

العلم اكثر من ان تحصى فخذوا من كل شئى احسنه.[2]	علم شمار سے زیادہ ہے لہٰذا ہر چیز میں سے خوب تر کو لے لو۔

اہم نکات

۱۔ طاغوت سے دوری کے بعد ہی توبہ اور انابت ہو سکتی ہے۔

---

[1] الکافی ۱: ۱۳　　[2] مجموعۃ ورام ۲: ۱۵

۲۔ عقل اس قوت کا نام ہے جو احسن کے انتخاب پر قادر ہو۔
۳۔ سب کی بات سننے میں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۝۱۹ ۔ بھلا جس شخص پر عذاب کا فیصلہ حتمی ہو گیا ہو کیا آپ اسے بچا سکتے ہیں جو آگ میں گر چکا ہو؟

تفسیر آیات

۱۔ ایک شخص کفر و شرک پر ڈٹ جاتا ہے۔ توحید کی طرف آنے کا نہ صرف عزم نہیں رکھتا بلکہ اپنی ضد پر قائم ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں اللہ کا فیصلہ اٹل ہو جاتا ہے۔

حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اور حق القول اور اس قسم کی تعبیر ہمیشہ ان فیصلوں کے بارے میں اختیار فرماتا ہے جو اٹل نا قابل تنسیخ ہوں۔

واضح رہے۔ یہاں حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اور اسی سورہ کی آیت ۷۱ میں حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اول تو کلمہ تانیث حقیقی نہیں۔ ثانیاً فعل اور کلمۃ کے درمیان فاصلہ آنے کی صورت میں فعل کا مذکر اور مؤنث لانا دونوں درست ہیں۔

۲۔ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ: رسول اللہ ﷺ کو کچھ لوگوں کے آتش میں جانے سے ان پر ترس آتا تھا۔ اس لیے فرمایا: اللہ کی طرف سے فیصلہ اٹل ہونے کے بعد کیا آپ آتش میں جانے والے کو بچا سکیں گے؟ نہیں۔ اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تھا لیکن اللہ کا عادلانہ فیصلہ بھی ضروری تھا اس لیے فیصلہ اٹل ہو گیا۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کا فیصلہ اٹل ہونے کے بعد عفو کے سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝۲۰ ۔ لیکن جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر (مزید) بالا خانے بنے ہوئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

تشریح کلمات

غُرَفٌ : (غ رف) بالا خانے۔

تفسیر آیات

۱۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ : اہل جہنم کے مقابلے میں اہل تقویٰ کا ذکر ہے۔

۲۔ لَهُمْ غُرَفٌ : ان کے لیے بالا خانے ہوں گے۔ ان پر مزید بالا خانے ہوں گے۔ ان بالا خانوں کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ بلندی سے نہروں کا نظارہ خوشنما ہوتا ہے۔

۳۔ وَعْدَ اللّٰهِ : یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ وعدہ خلافی نہیں کر سکتا۔ اللہ کو ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر چشمے بنا کر اسے زمین میں جاری کرتا ہے پھر اس سے رنگ برنگی فصلیں اگاتا ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئی ہیں پھر وہ اسے بھوسہ بنا دیتا ہے؟ عقل والوں کے لیے یقیناً اس میں نصیحت ہے۔

تشریح کلمات

يَنَابِيْعَ : (ن ب ع) ینبوع اس چشمے کو کہتے ہیں جس سے پانی ابل رہا ہو۔

يَهِيْجُ : (ھ ی ج) سبزے کا خشک ہو جانا۔

حُطَامًا : (ح ط م) حطم اصل میں کسی چیز کو توڑ کر ریزہ ریزہ کرنے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اعادۂ حیات پر ایک دعوت فکر:

۱۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً : اللہ نے سمندروں کے بخار سے پانی کو اوپر اٹھایا۔ پھر خشک علاقوں میں اس پانی کو پھیلا کر نازل کیا تا کہ وسیع علاقہ سیراب ہو جائے۔

۲۔ فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ: اس نے پانی میں روانی رکھی۔ یہ انسان، حیوانات اور نباتات کے لیے خود چل کر دور دراز علاقوں تک پہنچ جاتا ہے۔ دوسری اشیاء کی طرح اسے اٹھا کر لے جانا نہیں پڑتا۔ جہاں اٹھا کر لے جانا پڑتا ہے اس کے لیے خود قدرت نے بادلوں کو مامور کیا کہ وہ آسانی سے اٹھا کر مختلف علاقوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس طرح پانی کی دو قسم کی روانی ہے: ایک روانی بادلوں کے ذریعے اور دوسری روانی نہروں کے ذریعے۔

۳۔ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا: پھر اس پانی سے مختلف رنگوں کی فصلیں اُگاتا ہے۔ زرع دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: بونے یعنی زراعت کرنے کے معنوں میں اور اُگنے اور نشوونما کے معنوں میں۔ آیت میں زرع سے مراد نشو ونما ہے۔

۴۔ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ: مختلف رنگ ہیں جب کہ اس کے لیے ایک قسم کی خاک اور ایک ہی قسم کا پانی فراہم کیا گیا ہے۔ یہ خالق کی صناعیت کی اہم علامت ہے کہ مختلف عناصر کی مختلف تراکیب سے مختلف رنگ، بو اور خاصیت کی فصلیں وجود میں آتی ہیں۔

۵۔ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا: پھر یہ سرسبز و شاداب فصل یکدم خشک ہو جاتی ہیں اور رنگ بھی زرد ہو جاتا ہے جو زوال پذیری کی علامت ہے۔

۶۔ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا: پھر اللہ اسے بھوسہ بنا دیتا ہے۔ اس سے روح نباتی نکال دی جاتی ہے تو اس کی لاش بھوسے کی شکل میں آ جاتی ہے۔ یہ بھوسا ایک دن دل فریب رنگوں اور اپنی پوری رعنائی کے ساتھ زمین سے نکل آیا تھا آج ایک خشک خس و خاشاک ہے۔

۷۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ: صاحبان عقل کے لیے فطرت اور طبیعت (nature) کی طرف سے یہ نصیحت بھرا منظر روز سامنے آتا ہے۔ تدبیر کائنات کے بارے میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مدبر کائنات ہے اور ہماری تدبیر حیات و بقائے حیات صرف اور صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اہم نکات

۱۔ اس کائنات کا ہر منظر اللہ کی ربوبیت کی ایک بین دلیل ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ

۲۲۔ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور جسے اپنے رب کی طرف سے روشنی ملی ہو (سخت دل والوں کی طرح ہو سکتا ہے؟)، پس تباہی ہے ان لوگوں کے لیے

اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

جن کے دل ذکر خدا سے سخت ہو جاتے ہیں، یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ: شرح صدر کا مطلب یہ ہے کہ دل میں قبول حق کی گنجائش موجود ہے۔ اس کا سینہ کشادہ ہے۔ اس میں حق بات سمجھنے کی صلاحیت موجود ہے۔

سورہ انعام آیت ۱۲۵ میں شرح صدر کے مقابلے میں ضیق صدر کی تعبیر اختیار فرمائی کہ جس کے سینے میں حق کے لیے کوئی جگہ نہ ہو وہ گمراہ ہوتا ہے۔ یہاں شرح صدر کے مقابلے قساوت قلبی کا ذکر ہوا ہے۔ اس کے دل میں نور اسلام کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ بات ایک ہے۔ نرم گوشہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو یا تنگ ہونے کی وجہ سے، تعبیر الگ ہیں مقصد ایک ہے۔

۲۔ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ: اسلام کو اس کے سینے میں جگہ ملنے کی وجہ سے تاریکیاں چھٹنا شروع ہو جاتی ہیں اور اس نور کی وجہ سے بہت سے پردے ہٹ جاتے اور حقائق سامنے آتے ہیں۔ جس کے دل میں اللہ کی طرف سے نور آ جائے، اس کے سامنے کوئی حقیقت پوشیدہ نہیں رہتی۔ اس کا دل حقائق کا ایک سمندر بن جاتا ہے۔

۳۔ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ: تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں اسلامی حقائق کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ وہ لوگ یقیناً واضح گمراہی میں ہوں گے جن کے دلوں میں حق کی بات جاننے کے لیے کوئی راستہ نہ ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

وَ اعْلَمُوا انَّ اللّٰهَ اِذَا اَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْراً شَرَحَ صَدْرَهُ لِلاِسْلَامِ فَاِذَا اَعْطَاهُ ذٰلِكَ اَنْطَقَ لِسَانَهُ بِالْحَقِّ وَ عَقَدَ قَلْبَهُ عَلَيْهِ فَعَمِلَ بِهِ فَاِذَا جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ ذٰلِكَ تَمَّ لَهُ اِسْلَامُهُ...۔[1]

جب اللہ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسلام کے لیے اس کا سینہ کشادہ کر دیتا ہے۔ جب یہ چیز اسے مل جاتی ہے تو اس کی زبان حق کی بات کرتی ہے اور اس کا دل حق کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ حق پر عمل کرتا ہے۔ جب یہ باتیں اس میں جمع ہو جائیں تو اس کا اسلام مکمل ہو جاتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ اسلام کے نور سے منور سینہ وہ ہے جس میں قبول حق کے لیے گنجائش موجود ہو۔

---

[1] الکافی ۸: ۱۳

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۲۳

۲۳۔اللہ نے ایسی کتاب کی شکل میں بہترین کلام نازل فرمایا ہے جس کی آیات باہم مشابہ اور مکرر ہیں جس سے اپنے رب سے ڈرنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو کر ذکر خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہی اللہ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔

تشریح کلمات

تَقْشَعِرُّ: (ق ش ع ر) رونگٹے کھڑے ہونا۔

تفسیر آیات

۱۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ: متعدد آیات میں قرآن کو حدیث یعنی قول یا کلام کہا ہے:

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝[1] پس اس (قرآن) کے بعد کس کلام پر ایمان لائیں گے؟

قرآن احسن الحدیث، بہترین کلام ہے۔ کلام اللہ سے بہتر کون سا کلام ہو سکتا ہے؟ چنانچہ قرآن انسان کے لیے ابدی سعادت کا پیغام لے کر آنے والا دستور حیات ہے۔

۲۔ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا: اللہ نے اس قرآن کو متشابہ بنا کر نازل فرمایا۔ یہاں متشابہ، محکم کے مقابلے میں نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اول سے آخر تک قرآن کے تمام مضامین ایک دوسرے سے مربوط، ایک دوسرے کی تفصیل و توضیح، ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہیں۔کوئی مضمون کسی دوسرے مضمون سے متصادم نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کے متشابہ ہے۔

۳۔ مَّثَانِيَ: اس کے مضامین دہرائے گئے ہیں تاکہ قرآنی مطالب ذہنوں میں راسخ ہو جائیں۔ کسی بھی مطلب کو ذہن میں راسخ کرنے کے لیے دہرانے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔اسی لیے تعلیم و تربیت میں دہرائی کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

۴۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ: جن کے دل خوف خدا سے معمور ہیں وہ جب قرآنی آیات سنتے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اعضاء لرز جاتے ہیں۔

---

[1] ۷۷ مرسلات: ۵۰

۵۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ: پھر اس کے اثرات شعور و وجدان پر مترتب ہوتے ہیں اور دل میں سکون و آرام آتا ہے۔ یہ وہ خوف ہے جو امن و سکون دیتا ہے۔ یہ ایسا اضطراب ہے جو اطمینان فراہم کرتا ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اذا اقشعر جلد العبد من خشية الله تحاتت عنه ذنوبه كما يتهات عن الشجرة اليا بسة ورقها۔[1]

جب مومن خوف خدا سے لرزنے لگتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جسے خشک درخت سے پتے۔

۶۔ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ: قرآن کی آیات سن کر جن کے قلب وجدان متاثر ہوتے ہیں پھر ذکر خدا سے انہیں سکون و اطمینان ملتا ہے۔ یہی وہ ہدایت ہے جسے اللہ ایسے شخص کو عنایت فرماتا ہے جو اس کی مشیت کے معیار پر پورا اترتا ہے۔

۷۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ: جس سے مصدر ہدایت ہاتھ اٹھا لے اسے کسی اور جگہ سے ہدایت مل نہیں سکتی۔

اہم نکات

۱۔ قرآن کے تمام مضامین ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔
۲۔ ہدایت یہ ہے کہ آیات قرآنی سے لرزہ براندام ہو جائے۔
۳۔ اللہ کی ہدایت، اس کی اہلیت رکھنے والوں کو ملتی ہے۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ قِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ کیا وہ شخص جو قیامت کے دن برے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے منہ کو سپر بناتا ہے (وہ امن پانے والوں کی طرح ہو سکتا ہے؟) اور ظالموں سے کہا جائے گا: چکھو اس کا ذائقہ جو تم کماتے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ: کیا وہ لوگ جو قیامت کے دن عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہرے کو سپر بناتے ہیں۔ چونکہ ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اس لیے اپنے جسم کے اہم ترین عضو چہرے کو آگے کرنا پڑتا

[1] مجمع البیان

ہے۔ جیسا کہ سورہ نمل آیت ۹۰ میں فرمایا:

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ....

اور جو شخص برائی لے کر آئے گا پس انہیں اوندھے منہ آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

کیا یہ شخص، جس کا یہ حال ہو، اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو عذاب الٰہی سے امن وسکون میں ہے۔

۲۔ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ: ظالموں سے کہا جائے گا: دنیا میں جن جرائم کا ارتکاب کرتے رہے ہو ان مظالم و جرائم کا آج سامنا کرو۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۵۔ ان سے پہلوں نے تکذیب کی تو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

۲۶۔ پھر اللہ نے انہیں دنیاوی زندگی میں رسوائی کا ذائقہ چکھا دیا اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، اے کاش! وہ جان لیتے۔

تفسیر آیات

۱۔ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ: قرآن کی معاصر قوم، پہلی قوم نہیں ہے جس نے وحی و قیامت اور نبوت کی تکذیب کی ہے۔

۲۔ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ: ان تکذیبی قوموں پر عذاب آیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کی معاصر قوم پر بھی عذاب آنے والا ہے۔ اس خبر سے اس وقت کے تکذیبی لوگوں کے ذہن میں ایک سوال یہ آ رہا تھا کہ عبداللہ کا یتیم، ہر چیز سے محروم مٹھی بھر لوگوں کے ساتھ ہم پر عذاب لائے گا۔ اس کا جواب دیا گیا:

۳۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ: وہ عذاب ایسی جگہ سے آئے گا جہاں سے سوچ بھی نہیں سکتے۔

۴۔ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ: چنانچہ ہوا بھی ایسا۔ ان قوموں پر دنیا ہی میں رسوائی کا عذاب آیا اور یہ قومیں آنے والی نسلوں کے لیے عبرت بن گئیں اور آخرت کا عذاب تو ناقابل وصف و بیان ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی مثالیں دی ہیں شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ ایسا قرآن جو عربی ہے، جس میں کوئی عیب نہیں ہے تا کہ یہ تقویٰ اختیار کریں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ: اس آیت کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ روم آیت ۵۸۔

۲۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا: یہ مثالیں اس قرآن میں بیان کی ہیں جو عربی یا فصیح زبان میں ہے تا کہ مخاطبین اول کے لیے اس دستور حیات کا سمجھنا آسان ہو جائے چونکہ قرآنی تعلیمات کو دیگر اقوام اور آنے والی نسلوں تک پہنچانا ان مخاطبین اول کی ذمہ داری ہے۔

۳۔ غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ: اس کے بیان میں کوئی عیب نہیں ہے، نہ کوئی پیچیدگی نہ تضاد بیانی:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

اور بتحقیق ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

اہم نکات

۱۔ بیان احکام کے بارے میں قرآن میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اللہ ایک شخص (غلام) کی مثال بیان فرماتا ہے جس (کی ملکیت) میں کئی بدخو (مالکان) شریک ہیں اور ایک (دوسرا) مرد (غلام) ہے جس کا صرف ایک ہی آقا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ الحمدللہ، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

تشریح کلمات

مُتَشٰكِسُوْنَ: (ش ك س) بدمزاج کو الشکس کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ مثال یہ ہے کہ ایک غلام ہے اس کے دو بدخصلت مالک ہیں۔ چونکہ دونوں بدخو اور بدخصلت ہیں اس لیے اس غلام سے کام لینے میں ایک مالک، دوسرے مالک کی خواہشات اور احکام کا خیال نہیں رکھتا۔

لے ۵۴ قمر: ۱۷

اسی طرح دوسرا بدخصلت مالک بھی صرف اپنی سوچتا ہے دوسرے کا خیال نہیں رکھتا۔ ان دو بدخصلت مالکوں کے درمیان غلام کو جو پریشانی اور پیچیدگی پیش آئے گی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ کس مالک کو راضی کرے۔ دو متضاد رضایتوں کا حاصل کرنا اس بے چارے غلام کے لیے ممکن نہیں ہے۔

۲۔ وَرَجُلًا سَلَمًا: ایک غلام ہے۔ اس کا ایک ہی آقا ہے۔ اس کے لیے اپنے ایک آقا کے حکم کی تعمیل کرنا اور آقا کو راضی رکھنا ممکن اور آسان ہے۔

۳۔ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ: کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ بالکل اسی طرح مشرک اور مومن کا حال ہے۔ مشرکین متعدد مالکوں کو مانتے ہیں جب کہ موحد صرف ایک آقا کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

۴۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ: موحدین کے لیے ایک معقول، قابل عمل اور صائب راستہ موجود ہے جو ایک نعمت ہے جس پر ہمیشہ حمد وستائش بجالانی چاہیے۔

۵۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ: اکثر لوگ اہل توحید کی اس عظیم نعمت سے واقف نہیں ہیں لیکن جو لوگ اس نعمت سے آگاہ ہیں انہیں حمد وثنا بجالانی چاہیے۔

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝[1] — کیا متفرق ارباب بہتر ہیں یا وہ اللہ جو یکتا ہے جو سب پر غالب ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ تک پہنچنا آسان ہے۔

۲۔ موحد مقام شکر میں ہے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ — ۳۰۔ (اے رسول) یقیناً آپ کو بھی انتقال کرنا ہے اور انہیں بھی یقیناً مرنا ہے۔

تفسیر آیات

اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے کوئی نہیں آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے چلے جانے پر یہ مشن ختم نہ ہوگا جیسا کہ مشرکین اس انتظار میں ہیں۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ — ۳۱۔ پھر قیامت کے دن تم سب اپنے رب کے

---

[1] ۱۲ یوسف: ۳۹

ع ۱۷ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾　　سامنے مقدمہ پیش کرو گے۔

تفسیر آیات

قیامت کے دن اللہ کے سامنے ہر مظلوم اپنا مقدمہ پیش کرے گا۔ اس جگہ نہایت قابل توجہ ہے کہ اس روایت میں جو صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث میں آئی ہے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

انا اول من یجثو بین یدی الرحمن للخصومة یوم القیامة۔[1]

روز قیامت سب سے پہلے میں اللہ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کروں گا۔

چنانچہ آپ علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت اور امام صادق علیہ السلام سے مروی روایت میں یہ جملہ موجود ہے:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ اَنْتَ اَوَّلُ مَظْلُومٍ وَ اَوَّلُ مَنْ غُصِبَ حَقُّهُ صَبَرْتَ...۔[2]

سلام تجھ پر اے ولی خدا! آپ پہلے وہ مظلوم ہیں اور پہلی ہستی ہیں جس کا حق غصب کیا گیا پھر آپ نے صبر کیا۔

اہم نکات

۱۔ قیامت کے دن دنیا میں سب سے پہلا مظلوم، اپنا مقدمہ سب سے پہلے پیش کرے گا۔

الجزء ۲۴ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ پس اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور جب سچائی اس کے پاس آئی تو اسے جھٹلا دیا؟ کیا کفار کے لیے جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟

تفسیر آیات

۱۔ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ: وہ اس کائنات میں سب سے بڑا ظالم ہو گا جو خالق کائنات پر جھوٹ باندھے۔ یعنی اللہ کے لیے شریک ٹھرائے اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ میں کسی کو مداخلت کا حق دے۔

۲۔ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ: اور اس سچائی کی بھی تکذیب کرے جو اس کے پاس ایک ابدی سعادت لے کر آئی ہے۔ یعنی دین اسلام جسے رسول صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری ۴: ۱۴۵۸، کتاب المغازی، باب ۷ ح ۳۷۴۷۔ عمدۃ عیون صحاح الأخبار في مناقب إمام الأبرار، ص ۳۱۱ فصل ۳۶۔
[2] الکافی ۴: ۵۶۹

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ اہل تقویٰ ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ: سچائی لے کر آنے والی ہستی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ جو ایک سچی کتاب، سچا دین، ایک سچا اور جامع نظام حیات لے کر آئے ہیں جس نے انسان کو اپنی شناخت دی۔ تہذیب و تمدن سکھایا۔

۲۔ وَصَدَّقَ بِهٖ: جس نے اس سچائی کی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تصدیق کی وہ مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کی ذات والا صفات ہے۔

فضیلت: درج ذیل مصادر میں ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وَصَدَّقَ بِهٖ سے مراد علی علیہ السلام ہیں۔

اس روایت کو قرطبی نے اپنی تفسیر ۱۶: ۲۵۷ میں، ابو حیان نے البحر المحیط ۹: ۲۰۳ میں، شوکانی نے فتح القدیر میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ ۲: ۱۹ میں، ابن بطریق نے العمدۃ صفحہ ۱۸۴ میں، حافظ ابو نعیم نے ما نزل من القرآن فی علی میں۔ مغازلی نے المناقب میں، سیوطی نے الدر المنثور میں، حسکانی نے شواھد التنزیل ۲: ۱۸۱ میں حضرت ابن عباس، ابوھریرہ، ابوالاسود، مجاھد، لیث سے روایت کیا ہے۔

اہم نکات

۱۔ اس حدیث کی روشنی میں حضرت علی علیہ السلام صدیق اکبر ہیں۔

لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں ان کے پروردگار کے پاس ہے نیکی کرنے والوں کی یہی جزا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ان کے لیے جنت میں اللہ کے پاس وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہتے ہوں گے۔ واضح رہے جس طرح کائنات میں اللہ کا ارادۂ تکوینی نافذ ہے: یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ [1] جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے کر لیتا ہے۔ صرف ارادہ کرنے کی دیر ہوتی ہے:

---

[1] ۳ آل عمران: ۴۰

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ [1]

جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو بس اس کا امر یہ ہوتا ہے: ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح کل جنت میں اہل جنت کا ارادہ نافذ العمل ہوگا۔ صرف چاہنے کی دیر ہوگی وہ چیز سامنے ہوگی۔

۲۔ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ: اس ارادے کا نفاذ وہ جزا اور ثواب ہے جو نیکی کرنے والوں کو ملے گا۔

اہم نکات

۱۔ اہل جنت کا ارادہ نافذ ہوگا۔

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۵

۳۵۔ تا کہ اللہ ان کے بدترین اعمال کو مٹا دے اور جو بہترین اعمال انہوں نے انجام دیے ہیں انہیں ان کا اجر عطا کرے۔

تفسیر آیات

۱۔ اس آیت کا تعلق ممکن ہے عام محسنین سے ہو جن کا ذکر ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ میں ہے۔ یعنی جنت میں نیکی کرنے والوں کی خواہش نافذ ہوگی۔ اس سے ان سے سرزد شدہ بدتر گناہوں کا کفارہ ہے یعنی تلافی ہو جائے گی۔ چنانچہ صاحب تفسیر مجمع البیان نے لِيُكَفِّرَ کے معنی اسقط اللّٰہ عنھم سے کیا ہے۔ چونکہ ایمان گزشتہ تمام گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

۲۔ وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ: ان کے بہتر اعمال کا ثواب بھی اسی میں یعنی ان کے ارادوں کے نفاذ میں ہے۔ اس آیت میں دو لفظ اَسْوَاَ (بدتر) اور احسن (بہتر) کی تعبیر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض فرائض و مستحبات حسن ہیں اور بعض احسن اور بعض گناہ سئی (بد) ہیں اور بعض اَسْوَاَ (بدتر) ہیں بلکہ فرائض پر عمل کرنا سب احسن ہے اور گناہ سب کے سب اَسوأ (بدتر) ہیں۔

اہم نکات

۱۔ ایمان و تصدیق تمام گناہوں کا کفارہ ہے اور استحقاق ثواب کا ذریعہ۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَ

۳۶۔ کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ اور یہ لوگ آپ کو اس (اللہ) کے علاوہ دوسروں سے

---

[1] ۳۶ یٰس: ۸۲

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾
وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

ڈراتے ہیں جب کہ اللہ جسے گمراہ کر دے اسے راہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔
۳۷۔اور جس کی اللہ رہنمائی کرے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، کیا اللہ بڑا غالب آنے والا ، انتقام لینے والا نہیں ہے؟

تفسیر آیات

۱۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ: اللہ جس کے ساتھ ہو، اس کے لیے کسی اور کی نہ کمک کی ضرورت ہے، نہ اس سے ضرر کا خوف ہے۔ جس کے ساتھ کل کائنات کا مالک ہو، اسے کسی اور کی کیا ضرورت ہے۔

۲۔ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ: یہ مشرکین آپ کو غیر اللہ سے خوف دلاتے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں کی اہانت کرتے ہیں لہٰذا آپ ان کے غضب سے نہیں بچ سکیں گے جب کہ ان کے معبود کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کے اہل ہی نہیں ہیں۔ وہ تو خود اپنے آپ کو تحفظ نہیں دے سکتے۔ وہ خود اپنے تحفظ کے لیے اپنے پجاری کے محتاج ہیں۔ مشرکین اس عقیدے کی وجہ سے ضلالت میں ہیں۔ جسے اللہ گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہ ہوگا۔

۳۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ: پہلے بھی کئی بار ذکر ہو چکا ہے کہ ''اللہ کسی کو گمراہ کرتا ہے'' کا مطلب یہ نہیں کہ ابتداءً اللہ ایسا کرتا ہے بلکہ وہ لوگ کفر پر ڈٹ جاتے ہیں اور ہدایت کے اہل نہیں ہوتے، اللہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا اور ان سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ جب اللہ نے ان سے ہاتھ اٹھا لیا تو پھر ان کے لیے ہدایت ونجات کا کوئی راستہ نہیں ہے، نتیجتاً یہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ نہ ہونے کا نتیجہ گمراہی ہے۔

۴۔ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ: اصل سرچشمہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کی طرف سے ملنے والی ہدایت اندھی بانٹ نہیں ہے بلکہ اہل اور سزاوار ہونے کی بنیاد پر ملتی ہے۔ لہٰذا جسے اللہ ہدایت عنایت فرمائے، اس سے اس ہدایت کو کوئی چھین نہیں سکتا۔

۵۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ: مشرکین اپنے بے شعور معبودوں سے ڈراتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی غالب آنے والا بالادست اوران مجرموں سے انتقام لینے والا ہے تو خوف انہیں اللہ سے ہونا چاہیے۔

اہم نکات

۱۔ جو خدا کی پناہ میں جاتا ہے اس کے لیے وہی کافی ہے: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ....
۲۔ دشمنوں کی دھمکیوں کا حال بتوں کی طرح بے جان ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔اور اگر آپ ان سے پوچھیں: آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، کہہ دیجیے: اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود اس کی اس تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا (اگر) اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دیجیے: میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، بھروسا رکھنے والے اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ: آیت کے اس جملے کی تشریح سورۂ عنکبوت ۶۱۔۶۳ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: تم اپنے غیر اللہ معبودوں کے بارے میں بتاؤ کہ وہ انسان کی زندگی کے کن امور میں کوئی کردار ادا کر سکتے ہیں کیونکہ اگر تم مشرکین اللہ ہی کو خالق تسلیم کرتے ہو تو تمہاری ان دیویوں کا کیا کام رہ جاتا ہے کیونکہ اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا پیدا کردہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری یہ دیویاں اس کائنات کی موجودات میں سے نہ کسی کی تکلیف کو دور کر سکتی ہیں، نہ کسی چیز کو روک سکتی ہیں۔

۳۔ هَلْ هُنَّ: اشارہ بتوں کی طرف ہے۔ مشرکین میں سے عوام کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بت سب کچھ کر سکتے ہیں۔ واضح رہے مشرکین میں سے خواص کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بت، ان اصل معبودوں کی شبیہ ہیں اور ان بتوں کو صرف قبلہ کی حیثیت حاصل ہے مگر عوام رفتہ رفتہ خود ان بتوں کو ہی معبود سمجھنے لگے۔

اہم نکات

۱۔ اس کائنات کا خالق ہی اس کائنات کا مدبر ہے۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ کہہ دیجیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ، میں بھی عمل کر رہا ہوں، پس عنقریب

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾

تمہیں معلوم ہو جائے گا،
۴۰۔ کہ کس پر وہ عذاب آئے گا جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر دائمی عذاب نازل ہونے والا ہے۔

تفسیر آیات

ان دو آیتوں کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ ھود آیت ۹۳، سورہ انعام آیت ۱۳۵

۱۔ عَلٰى مَكَانَتِكُمْ: مکانۃ فکری و نظریاتی مقام کو کہتے ہیں جب کہ مکان، مادی اور محسوس مقام کو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ایمان اور یقین پر قائم رہتے ہوئے اس چیلنج کا حکم ہے کہ آپ اس قوم سے کہہ دیجیے: تم اپنے نظریات پر قائم رہ کر جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو۔ اپنی پوری طاقت صرف کرو۔

۲۔ اِنِّيْ عَامِلٌ: میں بھی اپنی جگہ اپنا کام جاری رکھتا ہوں۔ اپنے نظریے پر قائم رہتا ہوں۔

۳۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ: آنے والا وقت تمہیں بتائے گا رسوائی کس کی قسمت میں ہے اور نہ ختم ہونے والے عذاب سے کون دوچار ہونے والے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ اپنے موقف پر یقین سب سے طاقتور سہارا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ ہم نے آپ پر یہ کتاب انسانوں کے لیے برحق نازل کی ہے لہٰذا جو ہدایت حاصل کرتا ہے وہ اپنے لیے حاصل کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ: ہم نے لوگوں کی ہدایت اور سعادت کے لیے ایک دستور حیات اور وسیلۂ نجات نازل کیا ہے۔

۲۔ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ: اگر کوئی شخص اس کتاب سے ہدایت حاصل کرتا ہے تو اس نے اپنے آپ کو ابدی ہلاکت سے بچایا کسی اور پر احسان نہیں کیا۔ نہ کتاب نازل کرنے والے اللہ پر، نہ اس کتاب کو پہنچانے والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

۳۔ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا: اگر وہ اس کتاب کی ہدایت کو مسترد کر دیتا ہے اور گمراہ ہو جاتا ہے تو اس نے خود اپنے آپ کو ابدی ہلاکت میں ڈال دیا۔ اس سے کسی اور کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔

۴۔ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ: اے رسول! آپ کے ذمے پیغام حق ان لوگوں تک پہنچانا ہے۔ انہیں ایمان تک پہنچانا آپ کی ذمے داری نہیں ہے۔ پیغام حق ملنے کے بعد ایمان تک پہنچنا خود لوگوں کی ذمے داری ہے۔

اہم نکات

۱۔ انسان ہدایت و ضلالت میں سے ایک کا انتخاب کرنے میں خود مختار ہے۔

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ موت کے وقت اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا اس کی (روح) نیند میں (قبض کر لیتا ہے) پھر وہ جس کی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے اسے روک رکھتا ہے اور دوسری کو ایک وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے، فکر کرنے والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔

تشریح کلمات

یَتَوَفَّی: (و ف ی) وفاء مکمل اور پورا کرنے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ: یہاں الْاَنْفُسَ سے مراد ارواح ہیں۔ اللہ ارواح کو پورا قبض (وصول) کرتا ہے، روح کو جسم سے نکال کر الگ اور لاتعلق کر دیتا ہے۔ قبض روح کے بارے میں تین قسم کی تعبیرات پائی جاتی ہیں:

الف: اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ خود اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے۔

ب: قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ ....[1]: ملك الموت قبض روح کرتا ہے۔

ج: اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ....[2]: اللہ کے فرشتے روح قبض کرتے ہیں۔

---

[1] ۳۲ سجدہ: ۱۱　　[2] ۶ انعام: ۶۱

ان تعبیروں میں کوئی تضاد نہیں ہے چونکہ روح قبض کرنے کا حکم اللہ صادر فرماتا ہے۔ اللہ کے اس حکم کو ملك الموت وصول کرتا ہے۔ آگے ملك الموت اپنے کارندوں کے ذریعے روحیں قبض کرتا ہے۔ مثلاً ایک سڑک تعمیر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں حکومت نے بنائی ہے۔ ٹھیکیدار نے بنائی، انجینئر نے بنائی، ان میں تضاد نہیں ہے۔ حکومت نے حکم صادر کیا، ٹھیکیدار نے اس حکم کو وصول کیا، آگے کارندوں کے ذریعے کام انجام دیا۔

۲۔ حِيْنَ مَوْتِهَا: مجمع البیان اور المیزان کے نزدیک مَوْتِهَا کی ضمیر ابدان کی طرف ہے۔ واقع میں عبارت اس طرح ہے: حین موت ابدانها۔ چونکہ روح کے لیے موت نہیں ہے اور اگر نفس کو ذات کے معنوں میں لیا جائے، جیسے وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔[1] میں ہے تو بدن اور روح کے مجموع کا نام ہوگا۔ اس صورت میں موت ذات کو لاحق ہوگی جو ایک دوسرے سے جدا ہونے سے عبارت ہوگی لیکن یمسك اور یرسل قرینہ بن سکتا ہے کہ نفس سے مراد روح ہے چونکہ امساك و ارسال روح کے بارے میں ہے، بدن اس میں شامل نہیں ہے۔

۳۔ وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا: یتوفی الانفس و التی لم تمت فی منامها۔ اللہ ان کی ارواح کو قبض کر لیتا ہے جو اپنی نیند میں نہیں مرے۔ یہاں سے وفات اور موت میں فرق بھی سامنے آیا کہ نیند میں وفات ہے، موت نہیں ہے چونکہ توفی پورا وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ وصولی کے بعد اگر واپس ہو گئیں تو یہ نیند ہے، واپس نہ ہوئیں تو یہ موت ہے۔ اس طرح نیند کے مقابلے میں بیداری ہوتی ہے اور موت کے مقابلے میں حیات ہوتی ہے۔

۴۔ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ: یہاں بھی حذف مضاف فرض کرنا پڑے گا۔ یعنی قضی علی ابدانها الموت۔ جس بدن کے لیے موت کا فیصلہ ہو گیا ہے اسے روک لیتا ہے، بدن کی طرف واپس نہیں کرے گا اور بدن سے ہمیشہ کے لیے رابطہ ختم ہو جائے گا۔

۵۔ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى: اور دوسری کو ایک وقت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس چھوڑنے سے بیداری آ جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلی صورت میں امساك روکے رکھنے پر موت آ گئی تھی۔ اس طرح نیند ایک قسم کی موت ہے یعنی انسان کی مختلف قوتوں کا تعطل ہے۔

نیز اس بات کی دلیل ہے کہ روح جسم سے ہٹ کر ایک الگ حقیقت ہے۔ روح عالم خواب میں جدا ہو کر عالم تجرد میں آ جاتی ہے اور عالم تجرد میں آنے سے روح غیر زمانی، زمانے کی قید و بند سے آزاد ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے لیے ماضی، مستقبل برابر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ مستقبل میں آنے والی چیزوں کو حاضر پاتی ہے۔ اس سے یہ بات سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ انسان خواب میں آنے والے ان واقعات کو کیسے

[1] ۵۱ ذاریات: ۲۱

دیکھ لیتا ہے جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے۔

روح خواب میں دماغ کے طبیعاتی عمل سے استفادہ کیے بغیر از خود سماعت و بصارت کی قوت رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ خواب میں آوازیں سنتی ہے، باتیں سمجھتی ہے، شکلیں پہچان لیتی ہے حالانکہ خواب میں اس کی آنکھیں بند ہیں، کانوں سے کوئی طبیعی آواز نہیں ٹکرائی اس کے باوجود اس نے خواب میں دیکھا، سنا، پہچانا اور وہ سچا اور واقع کے عین مطابق ہے۔

خواب کے بارے میں مراح لبید۲: ۳۳۵ میں حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت نقل ہوئی ہے:

سونے والے کا نفس اگر آسمان میں ہو اور جسم میں واپس ہونے سے پہلے خواب دیکھے وہ سچا خواب ہے اور اگر آسمان سے واپس بھیجے جانے کے بعد جسم میں استقرار سے پہلے دیکھا ہے تو یہ جھوٹا خواب ہو گا۔

مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی ایک روایت ہے:

مهمارات فی ملکوت السمٰوات فهو ممالهتأویل وما رات فیما بین السماء والارض فهو یخیله الشیطان ولا تأویل له۔	جو آسمانوں کی مملکت میں خواب دیکھا ہے اس کی تاویل ہے اور جو خواب آسمان اور زمین کے درمیان دیکھا ہے وہ شیطانی خیالات ہیں اس کی تاویل نہیں ہے۔

۶۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ: اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو روح پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر اس طور پر غور کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو کبھی ہمیشہ کے لیے قبض کرتا ہے اور کبھی وقتی طور پر اور روح کے ذریعے نظام جسم کی تدبیر کرتا ہے، جیسا کہ ہم خواب میں روح اور جسم کے تعلق اور روح کی کرشمہ سازیوں کو درک کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تدبیری نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے جو اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کا مکمل تدبیری نظام حاکم ہے اور اس میں کسی غیر خدا کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ جسم کا نظام چلانے والی مدبر جسم پر حاکم، روح ہے۔

۲۔ روح ایک مستقل موجود ہے۔

۳۔ نیند اور موت کا تعلق ایک نظام سے ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ؕ	۴۳۔ کیا انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو شفیع بنا لیا ہے؟
قُلۡ اَوَلَوۡ کَانُوۡا لَا یَمۡلِکُوۡنَ شَیۡئًا وَّ	کہہ دیجیے: خواہ وہ کسی چیز کا اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ

لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ — ہی کچھ سمجھتے ہوں (تب بھی شفیع بنیں گے)؟

تفسیر آیات

۱۔ اَمِ اتَّخَذُوْا: کیا ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے معبودوں کو شفیع بنایا ہے؟ مشرکین کہتے تھے:

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ....[1] — یہ اللہ کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔

ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ان بتوں کی پوجا کرنے سے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ ....[2] — ہم انہیں صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں،

۲۔ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا: اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: یہ اللہ کے ہاں تمہاری شفاعت کیسے کریں گے؟ ان کے ہاتھ میں کسی قسم کا اختیار نہیں ہے کہ کچھ کر سکیں۔ وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ یہ جامد، بے شعور، عقل و حواس بھی تو نہیں رکھتے۔ تمہاری وہ سفارش کیسے کریں گے؟

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۘ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۘ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کہہ دیجیے: ساری شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا: شفاعت کے سارے اختیارات اللہ کے پاس ہیں۔ یہ اختیار اللہ سے کسی اور کی طرف منتقل ہونے کی دو شرائط ہیں:

الف: اللہ کی طرف سے اذن ہو: مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ....[3] ہر کوئی شفیع نہیں ہو سکتا۔

ب: جس کی شفاعت کی جانی ہے وہ اللہ کا پسندیدہ ہو: وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ....[4] ہر کسی کی شفاعت نہیں ہو سکتی۔

۲۔ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اس کائنات پر اللہ کی بادشاہت ہے۔ اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی اور کے لیے کوئی گنجائش موجود ہو۔

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ — ۴۵۔ اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو

---

[1] ۱۰ یونس: ۱۸ [2] ۳۹ زمر: ۳ [3] ۱۰ یونس: ۳ [4] ۲۱ انبیاء: ۲۸

قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل متنفر ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ: شرک و کفر کی ایک اہم علامت یہ ہے کہ صرف اللہ کے ذکر سے ان کے دل متنفر ہو جاتے ہیں جب کہ ایمان کی علامت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ [1]　　اور یاد رکھو! یاد خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث روایت ہے:

عَلَامَةُ حُبِّ اللّٰهِ حُبُّ ذِكْرِهٖ وَ عَلَامَةُ بُغْضِ اللّٰهِ بُغْضُ ذِكْرِهٖ۔ [2]　　اللہ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ ذکر خدا پسند کرے اور اللہ سے عداوت کی علامت یہ ہے کہ ذکر خدا ناپسند کرے۔

۲۔ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ: جب غیر اللہ، اپنے خود ساختہ معبودوں کا ذکر آتا ہے تو ان کے چہروں پر بشاشت آ جاتی ہے۔

اہم نکات

۱۔　ذکر خدا کو پسند کرنا ہی ایمان بخدا و آخرت کی علامت ہے۔

۲۔　ذکر خدا کا پسند نہ کرنا شرک کی علامت ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ کہہ دیجیے: اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے خالق، پوشیدہ اور ظاہری باتوں کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: یہ مشرکین ذکر خدا کو پسند نہ کریں تو نہ کریں۔ قُلِ

---

[1] ۱۳ رعد: ۲۸　　[2] مستدرك الوسائل ۵: ۲۸۶

اے رسول! آپ اس طرح ذکر خدا کریں: تو ہی کائنات کا خالق، غیب و شہود کا جاننے والا ہے۔ آخری اور اٹل فیصلہ سنانے والا تو ہی ہے۔

اس طرح ذکر خدا میں اللہ تعالیٰ کے ان اوصاف کا ذکر کیا جائے جن کا تعلق ہمارے وجود و بقا سے ہے۔ جس میں علم خدا اور حتمی اور اٹل فیصلے کا ذکر ہے۔ اس قسم کے ذکر سے انسان کے شعور اور وجدان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔ ان اوصاف کے ذکر سے اللہ کی معرفت اور معرفت سے محبت حاصل ہوتی ہے جیسے مؤمن کے دل میں اللہ کی محبت آ گئی، ایمان آ گیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

هَلِ الدِّيْنُ اِلَّا الْحُبُّ... ۔[1] کیا دین، محبت کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟

اہم نکات

۱۔ دینداری یہ ہے کہ اس فیصلے کا خیال رکھا جائے جو قیامت کے دن اللہ کی طرف سے ہونے والا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔اور اگر ظالموں کے پاس وہ سب (دولت) موجود ہو جو زمین میں ہے اور اتنی مزید بھی ہو تو قیامت کے دن برے عذاب سے بچنے کے لیے وہ اسے فدیہ میں دینے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے اور اللہ کی طرف سے وہ امر ان پر ظاہر ہو کر رہے گا جس کا انہوں نے خیال بھی نہیں کیا تھا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: اس جگہ ظالموں سے مراد منکر آخرت اور کفر اختیار کرنے والے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۙ﴿۱۶۸﴾[2] جنہوں نے کفر اختیار کیا اور ظلم کرتے رہے اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ہی ان کی راہنمائی کرے گا۔

اگر ان ظالموں، جو قیامت کے منکر ہیں، کی ملکیت میں روئے پر موجود تمام خزانوں کے دو برابر ہوتے تو وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لے ان تمام خزانوں کو فدیہ میں دے دیتے۔

۲۔ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ: لیکن قیامت کے دن انہیں ایسے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا انہوں نے خیال بھی نہیں کیا تھا۔ ان کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا اس قسم کے شدید ترین عذاب درپیش ہوں گے۔

---

[1] الکافی ۸: ۷۹ [2] ۴ نساء: ۱۶۸

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔اوران کی بری کمائی بھی ان پر ظاہر ہو جائے گی اور جس بات کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ انہیں گھیر لے گی۔

تفسیر آیات

اس دن ان کے اپنے برے اعمال سامنے آئیں گے۔ خود ان کے جرائم عذاب بن کر ان کے سامنے ہوں گے۔

۲۔ وَحَاقَ بِهِمْ: وہ اپنی بداعمالیوں کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔

اس آیت سے بھی اس نظریہ کی تقویت ہو جاتی ہے کہ قیامت کے دن انسان کو خود اپنا عمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر اچھا عمل ہے تو ساتھ نہیں چھوڑے گا اور اگر برا عمل ہے تو جان نہیں چھوڑے گا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اپنی طرف سے اسے نعمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے: یہ تو مجھے صرف علم کی بنا پر ملی ہے، نہیں بلکہ یہ ایک آزمائش ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا: تکلیف کے وقت فطرت کی آنکھوں سے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ جب مصیبت کا وقت ختم ہوتا ہے تو وہ اس نعمت کو اپنی ذاتی مہارت کا نتیجہ تصور کرتا ہے۔ حالانکہ یہ نعمت اس کے لیے ایک آزمائش ہے۔ چونکہ اللہ نافرمان بندوں کو نعمت دے کر آزماتا ہے اور یہ نعمت و دولت ان کے لیے عذاب بن جاتی ہے۔

مزید تشریح کے لیے سورہ یونس آیت ۱۲، سورہ روم آیت ۳۳۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ان سے پہلے (لوگ) بھی یہی کہا کرتے تھے تو جو کچھ وہ کرتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا۔

تفسیر آیات

۱۔ قَدْ قَالَهَا: آیت کے اس جملے کا اشارہ ممکن ہے قارون کی طرف ہو۔ اس کا یہ قول تھا:

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ....[1] یہ سب مجھے اس مہارت کی بنا پر ملا ہے جو مجھے حاصل ہے.

وہ اسے عطیہ الٰہی سمجھنے پر آمادہ نہیں تھا۔

۲۔ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ: تو ان کی مال و دولت نے انہیں نہ صرف کوئی فائدہ نہیں دیا بلکہ خود ان کے خلاف وبال جان بن گئی۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۚ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ پس ان پر ان کے برے اعمال کے وبال پڑ گئے اور ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا ہے عنقریب ان پر بھی ان کے برے اعمال کے وبال پڑنے والے ہیں اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا: اس آیت سے بھی اس نظریے کی تائید ہو جاتی ہے کہ انسان کا عمل خود عذاب بن جاتا ہے۔ قدیم مفسرین لفظ ''عقاب'' محذوف فرض کرتے تھے جب کہ اس لفظ کو محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

فرمایا: جس طرح سابق کفرانِ نعمت کرنے والوں کو ان کے عمل نے گرفت میں لیا تھا ان مشرکین کو بھی خود ان کا عمل گرفت میں لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت وقوت اور قانون مکافات کے سامنے یہ لوگ بے بس ہوں گے۔

اہم نکات

۱۔ عذاب الٰہی آنے کی صورت میں مال و دولت کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

۲۔ انسان کو خود اپنے عمل سے دوچار کیا جائے گا۔

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ ۵۲۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لیے چاہتا

---

[1] ۲۸ قصص: ۷۸

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

ہے رزق کشادہ اور تنگ کر دیتا ہے؟ ایمان لانے والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔

تفسیر آیات

یہ بات درست ہے کہ رزق کا حصول اس کے علل و اسباب کے ساتھ مربوط ہے لیکن اول تو اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب یعنی سبب پیدا کرنے والا ہے، ان علل و اسباب کے پیچھے ارادہ الٰہی کارفرما ہے۔ ثانیاً ان علل و اسباب کو باہم مربوط کریں، ان کی کڑیوں کو صحیح طریقے سے ملایا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے۔ ورنہ ایک شخص بہت محنت کرتا ہے لیکن نتیجہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان مطلوبہ کڑیوں کو ملانے میں ارادۂ الٰہی کا دخل ہوتا ہے لہٰذا مشیت الٰہی سے ہٹ کر کسی کی مہارت اور وسائل کارگر ثابت نہیں ہو سکتے۔

رزق کی کشادگی متقی کے لیے نعمت اور فاجر کے لیے عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ اسی طرح رزق میں تنگی شکر گزاروں اور صابروں کے لیے رحمت اور ناشکروں اور بے صبروں کے لیے عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں میں سے ہر ایک کو اس کی اہلیت کے مطابق آزماتا ہے۔ کسی کو رزق دے کر، کسی کو تنگی میں رکھ کر۔

اہم نکات

۱۔ اگرچہ انسان کو حصول رزق کے لیے اسباب وسائل بروئے کار لانا پڑتے ہیں تاہم نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ کہہ دیجیے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے، وہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا، مہربان ہے۔

تشریح کلمات

قنط: (ق ن ط) قنوط۔ راغب کے مطابق کسی خیر سے ناامید ہونا۔ دیگر نے خیر کی قید نہیں لگائی۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ: اے میرے بندو۔ محبت بھرا خطاب تمام انسانوں سے ہے۔ میرے بندو کہہ کر ندا دینے میں ایک امید، ایک نوید رحمت ہے۔ عبادی کی تعبیر میں بندگی اور عبودیت کے رشتے کی طرف

اشارہ ہے جو عبد اور معبود میں قائم ہے۔ جس کے تحت عبد کی ذمہ داری اطاعت و بندگی ہے اور مولا کے ذمے رحمت و مغفرت ہے۔

۲۔ عبادی: اس جگہ عبادی سے مراد تمام انسان ہیں، مسلم ہو یا غیر مسلم۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مسلم، غیر مسلم سب کے لیے عبادی کی تعبیر اختیار فرمائی ہے:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ○ [1] — اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ.... [2] — اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔

بعض نے تو یہ کہا ہے کہ عبادی سے مراد صرف مشرکین ہیں۔

۳۔ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ: اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے۔ اس میں بھی مسلم اور مشرک دونوں شامل ہیں۔ شرک، اسراف علی النفس میں سرفہرست ہے۔

۴۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ: اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ مایوس نہ ہونے کا حکم عام ہے۔ سب گناہ گاروں کے لیے لیکن یہ عام ہے ان لوگوں کے لیے جو رحمت الٰہی کے طالب ہوں اور جو لوگ اللہ کی رحمت کے طالب ہی نہیں ہیں ان کے لیے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ لہٰذا اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کا حکم دنیوی زندگی میں مؤمن اور مشرک دونوں کے لیے ہے جب توبہ کر کے اللہ کی رحمت کے طلبگار ہوں۔ یہ توبہ موت سامنے آنے سے پہلے ہونی چاہیے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ [3]

اور ایسے لوگوں کی توبہ (حقیقت میں توبہ ہی) نہیں جو برے کاموں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ پہنچتا ہے تو وہ کہ اٹھتا ہے: اب میں نے توبہ کی اور نہ ہی ان لوگوں کی (توبہ قبول ہے) جو مرتے دم تک کافر رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

دیگر آیات میں ان لوگوں کے لیے عدم مغفرت کا ذکر ہے جو کفر و فسق کی حالت میں مرتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا.... [4]

جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کفر کی حالت میں مر گئے ان میں سے کسی سے اس قدر سونا بھی، جس سے روئے زمین بھر جائے، ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ○ [5]

یقیناً جنہوں نے کفر کیا اور راہ خدا سے روکا پھر کفر کی حالت میں مر گئے تو اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔

---

[1] ۳۴/ سباء: ۱۳ [2] ۵/ مائدہ: ۱۱۸ [3] ۴/ نساء: ۱۸ [4] ۳/ آل عمران: ۹۱ [5] ۴۷/ محمد: ۳۴

آخرت میں یہ نوید صرف مومن کے لیے ہے اور مشرک کے لیے آخرت میں مغفرت کا کوئی امکان نہیں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ....[1]

اللہ اس بات کو یقیناً معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کو جس کے بارے میں وہ چاہے گا معاف کر دے گا.

۵۔ رَحۡمَۃِ اللّٰہِ: اللہ کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے:

وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ[2]

اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

یہ رحمت دنیا میں مومن، کافر، مشرک سب کو شامل ہے۔ قیامت کے دن اللہ کی رحمت میں شمول کے لیے ضابطہ موجود ہے:

قَالَ وَ مَنۡ یَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَۃِ رَبِّہٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ ۝[3]

اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔

۶۔ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا: اللہ سب گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ چونکہ اللہ کی رحمت تمام گناہوں سے زیادہ وسیع ہے۔ دعا میں وارد ہے:

وَ رَحۡمَتُکَ اَوۡسَعُ مِنۡ ذُنُوۡبِی ....[4]

اور تیری رحمت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے۔

لہٰذا کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو معاف نہ ہو سکے۔ حتیٰ شرک کا گناہ بھی معاف ہو جائے گا جو سب گناہوں سے بہت بڑا گناہ اور جرم ہے لیکن یہ مغفرت بے ضابطہ نہیں ہے۔

قاعدے اور ضابطے کے تحت سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور وہ ہے توبہ۔ توبہ کی صورت میں تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا، رحمت خدا سے مایوس وہ لوگ نہیں ہوں گے جو اس کی رحمت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو رحمت کا طالب ہی نہیں ہوتا اس کے لیے اس بات کی نوبت نہیں آتی کہ اس کے گناہ معاف ہوں گے یا نہیں ہوں گے۔ توبہ نہ کرنے والوں کا تو ذکر ہی نہیں ہے بلکہ وہ توبہ بھی قبول نہ ہو گی جو موت سامنے آنے کی صورت میں کی جائے جیسا کہ پہلے ذکر ہو گیا جس کی صراحت سورہ نساء آیت ۱۸ میں موجود ہے۔ لہٰذا وہ نظریہ قابل قبول نہیں ہے جو کہتا ہے کہ آیت میں مشرک کے علاوہ سب شامل ہیں، خواہ توبہ کریں یا نہ کریں۔

روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اسۡتَغۡفِرُوا بَعۡدَ الذَّنۡبِ اَسۡرَعَ مِنۡ طَرۡفَۃِ عَیۡنٍ فَاِنۡ لَمۡ تَفۡعَلُوا فَبِالۡاِنۡفَاقِ فَاِنۡ لَمۡ

گناہ کرنے کے بعد چشم زدن میں مغفرت مانگو۔ نہ ہو سکے تو راہ خدا میں کچھ خرچ کر کے مانگو۔ نہ ہو

---

[1] ۴ نساء: ۴۸　[2] ۷ اعراف: ۱۵۶　[3] ۱۵ حجر: ۵۶　[4] الکافی ۲: ۵۸۰

تَفْعَلُوا فَبِكَظْمِ الْغَيْظِ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَبِالْعَفْوِ عَنِ النَّاسِ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَبِالْاِحْسَانِ اِلَيْهِمْ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَبِتَرْكِ الْاِصْرَارِ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَبِالرَّجَاءِ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔[1]

سکے تو غصہ پی کر مانگو۔ نہ ہو سکے تو لوگوں کو معاف کر کے مانگو۔ نہ ہو سکے تو لوگوں پر احسان کر کے مانگو۔ نہ ہو سکے تو اصرار کرنا ترک کر کے مانگو۔ نہ ہو سکے تو امید رکھ کر مانگو: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے:

مافی القرآن اية اوسع من يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا ...۔[2]

قرآن میں اس آیت سے زیادہ گنجائش والی آیت موجود نہیں ہے: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا ...۔

اہم نکات

۱۔ یہ بندہ خود رحمت خدا کے لائق نہیں بنتا ورنہ اللہ کے نزدیک سب لائق رحمت ہیں۔

۲۔ اللہ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور اپنے رب کی طرف پلٹ آؤ اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آ جائے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

تشریح کلمات

اَنِيْبُوْٓا: (ن و ب) النوب کسی چیز کا بار بار لوٹ کر آنا۔ الانابة الی اللّٰہ توبہ اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ: اپنے رب کی طرف توبہ کرو۔ کفر و شرک چھوڑ اور غیر اللہ کی پرستش ترک کر کے اللہ کی بارگاہ میں پلٹ آؤ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ آیت کے نتیجے کا ذکر ہے کہ جب اللہ کی رحمت کے سائے میں جانے کی صورت میں کسی کو مایوس نہیں کیا جائے گا اور تمام گناہ بخشے جائیں گے تو اس آیت میں حکم ہوا: اپنے رب کی طرف پلٹ آؤ۔

---

[1] مستدرك الوسائل ۱۲: ۱۲۴ [2] كنز العمال ۲: ۴۹۲

۲۔ وَاَسْلِمُوْا: اور رب کے فرماں بردار بن جاؤ تا کہ رحمت الٰہی کے سائے میں آ جاؤ۔
۳۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ: قبل اس کے کہ توبہ وتسلیم نہ کرنے کی صورت میں عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔

اہم نکات

۱۔ توبہ وتسلیم عذاب الٰہی سے بچنے کا واحد راستہ ہے۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو بہترین (کتاب) نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو قبل اس کے کہ تم پر ناگہاں عذاب آ جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاَسْلِمُوْا کے بعد وَاتَّبِعُوْٓا قابل توجہ ہے کہ فرماں بردار بن جانے، تسلیم و رضا کی منزل پانے کے بعد عمل کی نوبت آتی ہے۔ سابقہ آیت میں حکم ہوا تسلیم وقبول کی منزل پر قدم رکھو۔ اس آیت میں فرمایا: جس بات کو تسلیم کیا ہے اس پر عمل کرو۔

۲۔ اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ: بہترین چیز جو اس امت کی طرف نازل ہوئی ہے، قرآن ہے۔ یہ قرآن خود اپنی جگہ احسن ہے، نہ کسی اور چیز کی نسبت سے۔ احسن من ان یوصف ہے۔ وصف و بیان کی حد سے بہتر ہے۔

۳۔ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ: قبل اس کے کہ غفلت کے وقت عذاب ناگہانی میں آ جاؤ جس کے لیے تم تیار نہیں تھے بلکہ تم نے اس عذاب کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ کُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص یہ کہے: افسوس ہے اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے حق میں کی اور میں تو مذاق اڑانے والوں میں سے تھا۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَکُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ یا وہ کہے: اگر اللہ میری ہدایت کرتا تو میں متقین میں سے ہو جاتا۔

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ یا عذاب دیکھ کر یہ کہے: اگر مجھے واپس (دنیا میں) جانے کا موقع ملتا تو میں نیکی کرنے والوں میں سے ہو جاتا۔

تشریح کلمات

جَنْۢبِ اللّٰهِ: العین کے مطابق جنب شان کے معنوں میں ہے۔ کہا جاتا ہے: اتق اللّٰه فی جنب اخیك۔ ای فی شانه۔

تفسیر آیات

راغب کہتے ہیں جَنْۢبِ اللّٰهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کے اوامر اور حدود ہیں جو اس نے ہمارے لیے مقرر فرمائی ہیں۔ جنب کا معنی قربت ہے۔ یعنی قیامت کے دن اس کوتاہی پر افسوس ہوگا جو قرب الٰہی کے حصول میں سرزد ہوئی ہے۔ اگر شان معنی لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اس کوتاہی پر افسوس ہوگا جو شان الٰہی کے بارے میں سرزد ہوئی۔

۱۔ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى: توبہ و انابت، تسلیم و رضا اور اتباع و اطاعت کے مراحل اچھی طرح طے کرنے کا حکم دیا۔ کہیں اس بات پر کف افسوس ملنا نہ پڑے کہ اللہ کی اطاعت، اللہ کی شان میں کوتاہی سرزد ہوئی ہے۔

۲۔ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ: جو گستاخی یا کوتاہی اللہ کی شان میں سرزد ہوئی وہ یہ تھی کہ میں حدود اللہ یا اللہ کے نمائندے کا مذاق اڑاتا تھا۔

۳۔ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ: ہم نے مذکورہ احکام اس لیے صادر کیے کہ کل روز قیامت جب تمہارا سامنا حساب کتاب سے ہوگا تو یہ نہ کہو کہ اگر اللہ ہماری ہدایت فرماتا تو ہم اسے مان لیتے۔ لو ہم اب ہم ہدایت دے رہے ہیں، مان جاؤ۔

۴۔ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ: ہم مذکورہ دستور اس لیے بیان کر رہے ہیں کہ کل قیامت کے دن جب تم عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرو گے تو یہ نہ کہو: ایک مرتبہ دنیا میں جانے کا موقع مل جاتا تو میں جی بھر کر نیکی کرتا۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ

۵۹۔ (جواب ملے گا) کیوں نہیں! میری آیات تجھ تک پہنچیں مگر تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور

وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾　　تو کافروں میں سے تھا۔

تفسیر آیات

اگر تم اس طرح کی باتیں کرو گے تو تمہیں یہ جواب ملے گا: کیوں نہیں! میری آیات تجھ تک پہنچ گئی تھیں۔ ہدایت کے سارے تقاضے پورے ہو گئے تھے۔ حجت پوری ہو گئی تھی۔ یہ تو تھا جو تکبر اور نخوت سے ان ہدایات کا مقابلہ کرتا تھا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور جنہوں نے اللہ کی نسبت جھوٹ بولا قیامت کے دن آپ ان کے چہرے سیاہ دیکھیں گے، کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟

تفسیر آیات

۱۔ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ: اللہ پر جھوٹ باندھنے والے مشرکین ہیں جو اللہ کے لیے شریک کے قائل ہیں اور جھوٹ اس طرح باندھتے ہیں: اللہ نے تدبیر کائنات ان معبودوں کے سپرد کر دی ہے۔ اللہ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

۲۔ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ: جس طرح دنیا میں ان کے دل سیاہ تھے، حق کی روشنی ان کے دلوں میں نہیں جا سکی، وہی تاریکی قیامت کے دن ان کے چہروں پر نمودار ہو جائے گی۔

۳۔ جہنم تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ ہو گی۔ وہ انبیاء علیہم السلام سے اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی توہین کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔ ان کے اس تکبر کا نتیجہ جہنم ہے۔

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور اہل تقویٰ کو ان کی کامیابی کے سبب اللہ نجات دے گا، انہیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

تشریح کلمات

مفازۃ:　(ف و ز) فوز سے۔ کامیاب ہونے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا: جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی کوشش کی انہیں اللہ جہنم سے نجات دے گا۔

۲۔ بِمَفَازَتِهِمْ: یہ نجات ان کی کامیابی کی وجہ سے مل جائے گی۔ فوز اور کامیابی کا راز اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں مضمر ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○[1] — اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی پس اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔

۳۔ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ: نجات حاصل ہونے کے بعد ہر قسم کی آسودگی میسر ہوگی۔ نہ کسی قسم کی تکلیف کا وہاں تصور ہوگا، نہ کسی چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کا دکھ ہوگا۔ یہ اس کامیاب زندگی کی ایک جامع تعریف ہے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○۶۲ — ۶۲۔ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ: قرآنی تعلیمات میں ایک مسلمہ امر ہے کہ خلق و تدبیر دو مختلف امور نہیں ہیں جیسا کہ مشرکین نے خیال کر رکھا ہے کہ خالق تو اللہ ہے لیکن امور کائنات کی تدبیر ان کے معبودوں یعنی شریکوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس آیت میں اسی بات کو واضح لفظوں میں بیان فرمایا:

۲۔ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ: وہ جہاں ہر چیز کا خالق ہے وہاں ہر چیز اس کے تحفظ میں ہے۔ ہر چیز کی بقا کا انحصار اسی ذات پر ہے۔ وَّكِيْلٌ مدبر ہے، محافظ ہے، ذمہ دار ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ ہی خالق اور وکیل ہے کہ خلق و تدبیر دونوں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○۶۳ — ۶۳۔ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ملکیت ہیں اور جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

---

[1] ۳۳ احزاب: ۷۱

تفسیر آیات

۱۔ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: خلق و تدبیر چونکہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اسی کے تحت فرمایا: آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں۔ لہٰذا اس کائنات میں موجود خزانوں سے کوئی فیضیاب ہونا چاہتا ہے تو اس ذات کے پاس جائے جس کے ہاتھ میں ان خزانوں کی کنجیاں ہیں۔

۲۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: جب کہ کافر لوگ ان خزانوں سے فیضیابی کی امید لے کر ایسوں کے پاس جاتے ہیں جن کے پاس نہ صرف یہ کہ ان خزانوں کی کنجیاں نہیں ہیں بلکہ وہ تو کنجی اور خزانے کا مفہوم سمجھنے کی اہلیت تک نہیں رکھتے۔ لہٰذا ایسے کم عقلوں کا خسارت میں جانا قدرتی امر ہے۔

اہم نکات

۱۔ غیر اللہ کے پاس جانے والے خسارے میں ہیں۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ کہہ دیجیے: اے نادانو! کیا تم مجھے کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی بندگی کروں؟

تفسیر آیات

غیر اللہ کی بندگی کرنا اور اس سے لو لگانا جہالت کا نتیجہ ہے کیونکہ جہالت کی وجہ سے واقع اور حقیقت پوشیدہ رہ جاتی ہے۔ جب واقع کا علم نہیں ہوگا تو جاہل ظن و گمان اور اپنے واہمے کے ذریعے اس غیر حقیقی چیز کو حقیقت کا لباس پہنائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

لَا تَرَى الْجَاهِلَ اِلَّا مُفْرِطاً اَوْ مُفَرِّطاً۔[1]

جاہل کو نہ پاؤ گے مگر یا حد سے آگے بڑھا ہوا اور یا اس سے بہت پیچھے۔

لہٰذا جاہل زیادتی اور کوتاہی کے گرداب میں پھنس جاتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ غیر اللہ کی بندگی علم سے دوری کا نتیجہ ہے۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

۶۵۔ اور بتحقیق آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک

[1] نہج البلاغۃ۔ کلمات قصار: ۷۰

عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾
کیا تو تمہارا عمل ضرور حبط ہو جائے گا اور تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾
۶۶۔ بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ: یہ بات کہ شرک سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں، شرک اعمال پر گرنے والی آگ کا شعلہ ہے کہ وہ ہر نیک عمل کو بھسم کر کے چھوڑے گا، وحی آسمان کی بنیادی بات ہے جو ہر نبی سے ہوئی، ہر رسول کو بتائی چونکہ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے کی بنیادی غرض و غایت توحید ہے اور شرک، توحید کی نفی ہے۔

۲۔ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ: اے رسول! اگر خود آپ بھی بالفرض شرک کے مرتکب ہو جائیں تو آپ کا عمل بھی حبط ہو جائے گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں۔ یہ کیسے فرمایا اگر آپ شرک کریں؟ اس کے دو جواب ہیں:

اول یہ فرض ہے۔ فرض میں مفروضہ کا وقوع ممکن ہونا شرط نہیں ہے۔ جیسے اللہ کی اولاد ہونا محال ہے تاہم فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ [۱]
کہہ دیجیے: اگر رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا۔

اسی طرح ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرک صادر نہیں ہو گا لیکن بالفرض اگر ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل حبط ہو جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ معصوم ہیں لیکن معصوم ہونے کا مطلب مسلوب الاختیار ہونا نہیں ہے، نہ ہی مکلّف نہ ہونا ہے۔ معصوم گناہ کرنے پر قادر ہوتے ہیں، پھر بھی گناہ نہیں کرتے۔ معصوم بھی گناہ نہ کرنے کے مکلّف ہیں لہٰذا یہ کہنا: آپ شرک کا ارتکاب نہ کریں، عصمت کے منافی نہیں ہے نیز اس حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے بیان کرنے سے اس کی اہمیت کا علم ہوتا ہے۔

۲۔ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ: عمل کا حبط ہونا، پوری متاع حیات کا تباہ ہونا ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی خسارے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

---

[۱] ۴۳ زخرف: ۸۱

۳۔ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ: اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! شرک چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرو۔ اس آیت سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول حکم تکلیفی کے مخاطب واقع ہوتے ہیں۔

۴۔ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ: اپنے قول وعمل سے اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو ایک دائمی دستور حیات عنایت کرنے جیسی عظیم نعمتوں سے نوازا ہے۔

اہم نکات

۱۔ شرک قابل درگزر جرم نہیں ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر شناسی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن پوری زمین اس کے قبضہ قدرت میں ہوگی اور آسمان اس کے دست قدرت میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں.

تفسیر آیات

۱۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ: لوگوں نے اللہ کی قدر ومنزلت پہنچاننے کا حق ادا نہیں کیا کہ اللہ کی بندگی چھوڑ کر بے جان پتھروں اور لاشعور چیزوں کی پوجا کی، پھر قیامت کے منکر ہو کر اللہ کو ایک عبث کار فرض کیا ہے۔

سورہ انعام آیت ۹۱ میں فرمایا:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ....[1]

اور انہوں نے اللہ کو ایسے نہیں پہچانا جیسے اسے پہچاننے کا حق تھا جب انہوں نے کہا: اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔

ان لوگوں نے اللہ کی قدر ومنزلت کو نہیں پہچانا جیسا قدردانی کا حق ہے جو کہتے ہیں اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ اس میں اللہ کی ناقدری یہ ہے کہ ان کے نزدیک اللہ نے انسان کو خلق تو کیا لیکن خلق کرنے کے بعد اسے بے لگام چھوڑ دیا۔ ان کے لیے ہدایت کا سامان فراہم نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا انسان کو خلق کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی۔ لہٰذا اسے عبث خلق کیا۔

۲۔ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: قیامت کے دن زمین اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہو گی۔

---

[1] ۶ انعام: ۹۱

اگرچہ یہ زمین اور کل کائنات آج بھی اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے لیکن آج دنیا چونکہ دار التکلیف اور دار امتحان ہے لہٰذا یہاں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ طاغوتوں کی بھی یہاں اچھل کود ہوتی ہے مگر قیامت کے دن حکم خدا کے مقابلے میں کسی قسم کی جنبش کی کسی کو بھی اجازت نہیں ہو گی۔ جیسے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ [1] آج کس کی بادشاہت ہے؟ (جواب ملے گا) خدائے واحد، قہار کی، کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔

۳۔ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ: قیامت ایک کائناتی انقلاب کا نام ہے جس کے نتیجے میں آسمان لپیٹ لیا جائے گا اور نئی کائنات تخلیق ہو گی:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ....[2]

اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح طومار میں اوراق لپیٹتے ہیں، جس طرح ہم نے خلقت کی ابتدا کی تھی، اسے ہم پھر دہرائیں گے،

اہم نکات

۱۔ جو کائنات اللہ کے قبضۂ قدرت اور دست قدرت میں لپٹی ہوئی ہو گی اس میں کسی غیر اللہ کے لیے کون سا کام رہ جاتا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝۶۸

۶۸۔ اور (جب) صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے، پھر دوبارہ اس میں پھونک ماری جائے گی تو اتنے میں وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

تشریح کلمات

صعق: (ص ع ق) شدید آواز۔ شدید آواز سے عقل کا زائل ہونا، موت واقع ہونا کے معنوں میں ہے۔ کہتے ہیں صاعقة الموت۔ مہلک عذاب کو بھی صاعقہ کہتے ہیں۔ راغب نے اہل لغت کے حوالے سے تین صاعقة ذکر کیے ہیں: i۔صاعقة الموت ii۔ صاعقة العذاب iii۔ صاعقة النار۔

تفسیر آیات

۱۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ: مسلم یہ ہے کہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ ایک صور سے سب کی موت

---

[1] ۴۰ غافر: ۱۶ [2] ۲۱ انبیاء: ۱۰۴

واقع ہو جائے گی، دوسرے صور سے سب کو زندہ کیا جائے گا۔

بعض کے نزدیک صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا: ایک نفخة الفزع، دوسرا نفخة الصعق، تیسرا نفخة القیام ہے لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ نفخة الفزع اور نفخة الصعق ایک ہی صور کی دو تعبیریں ہیں چونکہ فزع ہولنا کی کو کہتے ہیں اور پہلا صور پھونکنے کی صورت میں ظاہر ہے بڑی ہولناکی ہو گی جس سے سب مر جائیں گے چنانچہ قیام قیامت کو یوم الفزع الاکبر کہتے ہیں۔

چنانچہ صور پھونکنے کے بارے میں جن دو آیات میں فزع اور صعق کے الفاظ کا ذکر ہے، دونوں کی تعبیر ایک جیسی ہے۔ فرمایا:

وَ یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ ؕ وَ کُلٌّ اَتَوۡہُ دٰخِرِیۡنَ ○ [1]

اور جس روز صور میں پھونک ماری جائے گی تو آسمانوں اور زمین کی تمام موجودات خوفزدہ ہو جائیں گی سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ چاہے اور سب نہایت عاجزی کے ساتھ اس کے حضور پیش ہوں گے۔

اس آیت میں وَ کُلٌّ اَتَوۡہُ دٰخِرِیۡنَ قرینہ ہے کہ اس صور سے سب مر جائیں گے۔

۲۔ فَصَعِقَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ: اس صور کے پھونکنے سے اس کائنات میں موجود سب مر جائیں گے۔

۳۔ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ: سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ اس جملے سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کچھ ہستیاں زندہ رہ جائیں گی۔

بعض کہتے ہیں یہ زندہ رہ جانے والے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل ہیں جو سادات ملائکہ کہلاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں مذکورہ ملائکہ اور حاملین عرش زندہ رہیں گے۔ چنانچہ بعض روایات میں اسی طرح آیا ہے۔

۴۔ ثُمَّ نُفِخَ فِیۡہِ اُخۡرٰی: دوسری مرتبہ صور پھونکنے پر سب زندہ ہو جائیں گے۔

واضح رہے قیامت ایک کائناتی انقلاب کا نام ہے۔ موجودہ کائنات کو لپیٹ لیا جائے گا اور پھر ایک نئی کائنات تخلیق ہو گی جس کی ابتداء نفخة الثانیہ سے ہو گی۔

۵۔ فَاِذَا ہُمۡ قِیَامٌ یَّنۡظُرُوۡنَ: اس جملے کا ایک ترجمہ وہی ہے جو آیت کے ذیل میں اختیار کیا گیا ہے۔ دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: اتنے میں وہ سب کھڑے ہو کر (حکم خدا کا) انتظار کر رہے ہوں گے یا اس انتظار میں ہوں گے کہ ان کے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔

صور کیا ہے؟: صور کیا ہے؟ اس کی تفصیل کا سمجھنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ صرف اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی کی ایک صورت ہے جو اِنَّمَاۤ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ [2] ایک فیصلہ ہے۔

---

[1] ۲۷ نمل: ۸۷

[2] ۳۶ یٰس: ۸۲ (ترجمہ) جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو بس اس کا امر یہ ہوتا ہے کہ اسے یہ کہے: ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

اہم نکات

۱۔ قیامت کل کائنات کا انقلاب ہے۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک جائے گی اور (اعمال کی) کتاب رکھ دی جائے گی اور پیغمبروں اور گواہوں کو حاضر کیا جائے گا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

۷۰۔ اور ہر شخص نے جو عمل کیا ہے اسے اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے اعمال سے خوب واقف ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ: ارض سے مراد صحرائے محشر یعنی ارض قیامت ہے۔ جیسے فرمایا:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ...[1] یہ (انتقام) اس دن ہو گا جب یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔

اس بدلی ہوئی جدید کائنات کی سرزمین نور الٰہی سے منور ہو جائے گی۔

۲۔ بِنُوْرِ رَبِّهَا: یہاں نور رب سے کیا مراد ہے؟ متعدد اقوال ہیں۔ نور سے مراد عدل ہے۔ یہ شمس و قمر کے بغیر اللہ کا خلق کردہ نور ہو گا۔ اس نور سے مراد حقائق کا انکشاف ہے کہ قیامت کے دن تمام پردے ہٹ جائیں گے۔

بعض روایات میں اس آیت کی تطبیق ظہور حضرت امام مہدی علیہ السلام پر ہوئی ہے کہ آپؑ کے ظہور سے زمین عدل و انصاف کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ یہ روایات تفسیری نہیں، تطبیقی ہیں۔

۳۔ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ: کتاب رکھ دی جائے گی۔ کتاب سے مراد صحیفۂ اعمال یا لوح محفوظ دو موقف ہیں۔ زیادہ قرین واقع یہ ہے کہ کتاب سے مراد صحیفۂ اعمال ہے۔ اسے قرآن متعدد آیات میں کتاب سے تعبیر فرماتا ہے۔ چنانچہ سورہ کہف میں صحیفۂ اعمال کے لیے عیناً یہی تعبیر موجود ہے:

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ اور نامۂ اعمال (سامنے) رکھ دیا جائے گا، اس وقت

---

[1] ۱۴ ابراهیم: ۴۸

مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ...[1]

آپ دیکھیں گے کہ مجرمین اس کے مندرجات کو دیکھ کر ڈر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں: ہائے ہماری رسوائی! یہ کیسا نامۂ اعمال ہے؟ اس نے کسی چھوٹی اور بڑی بات کو نہیں چھوڑا (بلکہ) سب کو درج کر لیا ہے۔

۴۔ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ: انبیاءؑ کو حاضر کیا جائے گا کہ خود ان سے سوال ہوگا کہ ان سے تبلیغ رسالت کا حق ادا ہو گیا تھا؟ اور امت کو بھی اپنے نبی کے سامنے حاضر کیا جائے گا اور امت سے بھی سوال ہو گا کہ تم نے انبیاء کی دعوت کا کیا جواب دیا تھا؟

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○[2]

پس جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ہر صورت میں ان سے سوال کریں گے اور خود پیغمبروں سے بھی ہم ضرور پوچھیں گے۔

۵۔ وَالشُّهَدَآءِ: گواہوں کو حاضر کیا جائے گا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام رازوں کا جاننے والا ہے تاہم اعمال عباد کے بارے میں گواہان سے گواہی لی جائے گی۔ قیامت کے دن گواہی دینے والے فرشتے ہوں گے۔

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ○[3]

اور ہر شخص ایک ہانکنے والے (فرشتے) اور ایک گواہی دینے والے (فرشتے) کے ساتھ آئے گا.

وقت کا نبی، وقت کی حجت، اپنے اعضاء، زمین و زمان سب گواہی دیں گے۔

۶۔ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ: نامہ ہائے اعمال اور گواہوں کے بعد حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ اگرچہ نامۂ اعمال اور گواہ نہ بھی ہوں، خود اللہ کی گواہی کافی تھا۔

۷۔ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ: ان پر ظلم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے چونکہ ظلم کرنے کی اللہ کو ضرورت بھی نہیں ہے اور ظلم ایک قبیح عمل ہے جس سے اللہ کی ذات بری ہے۔

۸۔ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ: ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی نیک عمل کی جزا رہ جائے اور اس کے عمل کے مطابق نہ ملے بلکہ وہ تو ایک نیکی کا ثواب عام طور پر دس گنا اور بعض حالات میں سات سو گنا دیتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ انسان کی ہر جنبش، نامہ عمل میں درج ہونے کے ساتھ متعدد گواہوں کی نگرانی میں ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ اپنے علم کے علاوہ شواہد کی بنیاد پر ہوگا۔

---

[1] ۱۸ کہف: ۴۹　[2] ۷ اعراف: ۶　[3] ۵۰ ق: ۲۱

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۱

۷۱۔ اور کفار گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور جہنم کے کارندے ان سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے، جو تمہارے رب کی آیات تمہیں سناتے اور اس دن کے پیش آنے کے بارے میں تمہیں متنبہ کرتے؟ وہ کہیں گے: ہاں (کیوں نہیں!) لیکن (اب) کفار کے حق میں عذاب کا فیصلہ حتمی ہو چکا ہے۔

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۷۲

۷۲۔ کہا جائے گا: جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جس میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے، پس تکبر کرنے والوں کا کتنا برا ٹھکانا ہے۔

تشریح کلمات

زُمَرًا: (ز م ر) زمر کے معنی چھوٹی جماعت کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ: اعمال پر شواہد کی روشنی میں فیصلہ کرنے کے بعد کافروں کو جہنم کی طرف ہانک دیا جائے گا۔ سوق، سیاقت، چلانے کو کہتے ہیں۔ یہ ہانکنے والے فرشتے ہوں گے جو اس کام پر مامور ہیں۔ جو چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں لا کر انہیں جہنم کی طرف دھکیلتے ہوئے لے جائیں گے۔

۲۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا: جب یہ کافر لوگ جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے اور جہنم کے دروازے ان کے لیے کھول دے جائیں گے تو جہنم کے کارندے ان سے چند ایک سوالات طعنے کے طور پر کریں گے۔

الف: کیا اللہ کے رسولوں نے اللہ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت پر دعوت فکر پر مبنی آیات پڑھ کر تمہیں نہیں سنائی تھیں۔

ب: وَيُنْذِرُوْنَكُمْ: اور آج کے دن کے بارے میں تمہیں تنبیہ اور حجت پوری نہیں کی تھی کہ

قیامت کا دن آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہدایت کا سامان فراہم فرمایا ہے اس کے تحت تمہارے جہنم جانے کی نوبت نہیں آنی چاہیے تھی۔

۳۔ قَالُوْا بَلٰی: ان طعنوں کے جواب میں کافر لوگ کہیں گے: رسولوں نے حجت پوری کرنے اور آج کے دن کے بارے میں تنبیہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

۴۔ لٰکِنْ حَقَّتْ کَلِمَۃُ الْعَذَابِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ: کافروں کو قیامت کے دن یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے عادلانہ اٹل فیصلے کی زد میں آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا:

اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لَا یَسْتَوٗنَ ○ [1]	بھلا جو مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔
وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ لَاَمْلَئَنَّ جَہَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○ [2]	اور تیرے رب کا وہ فیصلہ پورا ہو گیا (جس میں فرمایا تھا) کہ میں جہنم کو ضرور بالضرور جنات اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔

۵۔ قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَہَنَّمَ: چنانچہ اس گفتگو کے بعد ان کافروں کو آتش جہنم میں ہمیشہ کے لیے ڈال دیا جائے گا۔ جہنم جانے کے اسباب میں سے جس اہم ترین چیز کا ذکر ہے وہ تکبر ہے: فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ۔

اہم نکات

۱۔ قیامت کے دن پیش کرنے کے لیے کافروں کے پاس کوئی عذر نہ ہو گا۔

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّہُمْ اِلَی الْجَنَّۃِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْہَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُہَا وَقَالَ لَہُمْ خَزَنَتُہَا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْہَا خٰلِدِیْنَ ﴿۷۳﴾	۷۳۔ اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ہیں انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف چلایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور جنت کے منتظمین ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو تم بہت خوب رہے، اب ہمیشہ کے لیے اس میں داخل ہو جاؤ۔

تفسیر آیات

۱۔ وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا: اہل تقویٰ کو جنت کی طرف گروہ در گروہ روانہ کیا جائے گا۔ یہاں یہ

---

[1] ۳۲ سجدہ: ۱۸　　[2] ۱۱ ھود: ۱۱۹

سوال پیدا ہوا کہ اہل جہنم اور اہل تقویٰ دونوں کے لیے ایک تعبیر سِیْقَ کیسے استعمال ہوئی جس کے لغوی معنی چلانے، ہانکنے کے ہیں؟

صاحب الکشاف نے جواب دیا ہے: خود اہل جہنم کو ہانک دیا جائے گا جب کہ اہل تقویٰ سوار ہوں گے۔ ان کی سواریوں کو ہانک دیا جائے گا۔ مجمع البیان نے جواب دیا ہے کہ مقابلتًا ایسا کہنا درست ہے جیسے اہل جہنم کے لیے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ''انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں'' ہے۔

۲۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا: جنت کے کارندے یہاں تحیت و سلام پیش کر رہے ہیں۔ اہل جہنم کو کارندے طعنہ دے رہے ہیں اور یہاں فرشتے اہل جنت کو عزت و تکریم سے نواز رہے ہیں:

۴۔ طِبْتُمْ: تم خوب رہے۔ جنت میں داخل ہونے کی سعادت ملنے اور دنیا میں نیک اعمال بجا لانے پر یا معنی یہ ہوسکتا ہے: تم پاکیزہ رہے، گناہوں کی کثافت سے۔

۵۔ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ: یہ زندگی ختم ہونے کے لیے وجود میں نہیں آئی۔ یہ زندگی، خواہ جہنم میں جائے یا جنت میں، ابدی ہے۔

اہم نکات

۱۔ فرشتے جنت کے دروازے پر اہل جنت کا استقبال کریں گے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور وہ کہیں گے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنایا کہ جنت میں ہم جہاں چاہیں جگہ بنا سکیں، پس عمل کرنے والوں کا اجر کتنا اچھا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ: مومن جب جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اپنی ابدی زندگی کی ہر آسائش کی جگہ کا معاینہ کریں گے تو درج ذیل مطالب بیان کریں گے:

الف: صَدَقَنَا وَعْدَهٗ: اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح پر جس جنت کا وعدہ فرمایا ہے اسے پورا ہوتے دیکھ لیں گے تو بے ساختہ حمد الٰہی زبان پر جاری ہو گی۔

ب: وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ: یہاں ارض سے مراد ارضِ جنت ہے۔ وارث بنانے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جنت کی وسیع و عریض سلطنت کا مالک بنانا انسان کے عمل کے مقابلے میں نہیں ہے چونکہ

انسان سے تو اتنا عمل ہوتا بھی نہیں جس سے دنیا کی نعمتوں کا حق ادا ہو سکے۔ جنت اللہ کی طرف سے از روئے تفضّل، بلا معاوضہ ہے اس لیے اسے میراث کہا ہے۔

ج: تَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ: جہاں چاہے قیام کریں۔ اس سے معلوم ہوا جنت میں مومن کو ایک وسیع سلطنت مل جائے گی۔ اس میں وہ اس سلطنت کے جس علاقے میں چاہے جگہ بنا سکتا ہیں۔ دنیا کی طرح کسی ایک جگہ پر قیام کرنے پر انحصار نہیں ہے۔

۲۔ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ: کسی اجر اور ثواب کا مستحق صرف اور صرف عمل سے بنتا ہے۔ لہٰذا یہ نوید بھی صرف عمل کرنے والوں کے لیے ہے۔

اہم نکات

۱۔ جنت میں کسی ایک جگہ پر انحصار نہیں ہو گا۔

۲۔ جنت، عمل سے کہیں زیادہ ثواب پر مشتمل ہو گی۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اور آپ فرشتوں کو عرش کے گرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی ثنا کے ساتھ تسبیح کرتے ہوئے دیکھیں گے اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ ہو چکا ہو گا اور کہا جائے گا: ثنائے کامل اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ: جب آسمانوں کو لپیٹ لیا جائے گا تو اس وقت عرش الٰہی اور اس کے گرد فرشتے موجود نظر آئیں گے۔

عرش اس مقام ربوبیت کو کہتے ہیں جہاں سے تدبیر کائنات سے متعلق اوامر صادر ہوتے ہیں اور عرش کے گرد موجود فرشتے ان اوامر کو نافذ کرتے ہیں۔ اس طرح آیت کا ظاہری مفہوم یہ بنتا ہے کہ جب آسمانوں کو لپیٹ لیا جائے گا تو اس وقت اوامر الٰہی اور اس کے نافذ کرنے والے ہی نظر آئیں گے۔ جو اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہیں۔

۲۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ: بَيْنَهُمْ کی ضمیر ملائکہ کی طرف نہیں جاتی چونکہ ملائکہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ فیصلے کی ضرورت پیش آئے۔ لہٰذا یہ فیصلہ لوگوں، جماعتوں اور امتوں کے درمیان ہو گا۔ جب کائنات لپیٹنے کے بعد عرش الٰہی اور فرشتے نظر آ رہے ہوں گے اس وقت جن کے درمیان فیصلہ ہونا تھا ہو چکا

ہوگا لہٰذا قُضِیَ کو ماضی کے معنوں میں لینا مناسب ہوگا۔

۳۔ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: یہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے والے کون لوگ ہوں گے، اس میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ کہنے والے اہل تقویٰ ہوں گے۔ جیسے پہلے ذکر ہو گیا کہ اہل جنت کے آخری کلمات اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہوں گے۔


سُورَةُ غَافِرٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورۃ المبارکہ کو المؤمن اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مؤمن آل فرعون کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس سورہ میں مؤمن آل فرعون کا موقف بڑے اہتمام کے ساتھ دس سے زائد آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

فضیلت سورہ ہائے حٰمٓ: سات سورہ ہائے قرآن المؤمن، السجدۃ، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثیۃ اور الاحقاف کی ابتداء حروف مقطعات حٰمٓ سے ہوتی ہے۔ ان سورہ ہائے قرآن کو حوامیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جن کی چند ایک خصوصی فضیلت اور اہمیت ہے۔ ذیل میں اس موضوع پر چند احادیث کا ذکر کرتے ہیں:

زر بن حبیش راوی ہیں کہتے ہیں:

میں نے کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں قرآن کی اول سے لے کر آخر تک تلاوت کی۔ جب میں سورہ ہائے حوامیم تک پہنچا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

قَدْ بَلَّغْتَ عَرَائِسَ الْقُرْآنِ...۔[1] تو قرآن کی زیبائشوں تک پہنچ گیا ہے۔

انس بن مالك راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَوَامِيْمُ دِيْبَاجُ الْقُرْآنِ۔[2] حوامیم قرآن کی زینت ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

اَلْحَوَامِيْمُ سَبْعَةٌ وَ اَبْوَابُ النَّارِ سَبْعَةٌ جَهَنَّمُ وَ الْحُطَمَةُ وَ لَظَى وَ سَعِيرٌ وَ حوامیم کی تعداد سات ہے اور جہنم کے دروازے بھی سات ہیں: جہنم، الحطمۃ، لظی، سعیر،

---

[1] مستدرك الوسائل ۴: ۳۷۷ [2] مستدرك الوسائل۔ ۴: ۲۱۸

سَقَرُ وَهَاوِيَةُ الْجَحِيمُ۔ وَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَانِي كُلُّ سُوْرَةٍ وَ تَقِفُ عَلَى بَابٍ مِنْ هَذِهِ الْاَبْوَابِ وَ لَا تَدِعُ قَارِئَهَا مِمَّنْ آمَنَ بِاللّٰهِ اَنْ يُذْهَبَ بِهِ اِلَى النَّارِ۔[1]

سقر، ھاویہ، جحیم۔ قیامت کے دن ان میں سے ہر سورہ جہنم کے ان دروازوں میں سے ایک کے آگے کھڑی ہو گی اور ایمان کے ساتھ ان سورہ ہائے قرآن کے پڑھنے والے کو آتش کی طرف جانے نہیں دے گی۔

یہ ایک سربستہ راز ہے کہ ان سات سورتوں کی ابتداء حٰمٓ سے ہوتی ہے۔ ان کی ابتداء میں حروف مقطعات کی وحدت کس بات کی علامت ہے؟ کیا حروف مقطعات کی وحدت ان سورہ ہائے مبارکہ میں مضامین کی وحدت کی علامت ہے یا کسی اور خصوصیت کی وحدت ہے؟ احادیث میں ان سورہ ہائے مبارکہ کو دیباج القرآن، قرآن کی زینت، ریحانۃ القرآن، قرآن کا گلدستہ فرمایا ہے۔ ایک راز ہے جو تشنۂ تحقیق ہے۔



[1] مستدرک الوسائل ۴: ۲۱۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

حٰمٓ ﴿۱﴾

۱۔ حا، میم۔

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۲﴾

۲۔ اس کتاب کی تنزیل بڑے غالب آنے والے، دانا اللہ کی طرف سے ہے،

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ﴿۳﴾

۳۔ جو گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، شدید عذاب دینے والا اور بڑے فضل والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

تشریح کلمات

الطَّوْلِ: (ط و ل) یہ لفظ فضل و احسان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ: یہ کتاب اس ذات کی نازل کردہ ہے جس کے یہ اوصاف ہیں:

الف: الْعَزِیْزِ: وہ ہر چیز پر غالب آنے والا ہے۔ لہٰذا کوئی کلام ایسا نہ ہوگا جو اس کے کلام پر غالب آ سکے۔

ب: الْعَلِیْمِ: وہ ایسا دانا ہے کائنات کے کسی گوشے میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہ ہوگی لہٰذا اس کتاب میں کسی قسم کی علمی خامی نہیں ہوگی۔

ج: غَافِرِ الذَّنۡبِ: گناہوں سے درگزر کرنے والے کی طرف سے ہے کہ وہ بہت سے گناہوں سے از خود درگزر فرماتا ہے۔

د: قَابِلِ التَّوۡبِ: وہ توبہ قبول کرنے والا ہے کہ کوئی مشرک یا مجرم اپنے شرک اور جرم کو چھوڑ کر اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کرے تو وہ معاف کرنے والا ہے۔

ھ: شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ: ساتھ منکرین، معاندین اور کفر پر ڈٹ جانے والوں سے خوب انتقام بھی لینے والا ہے لیکن اس کی نوبت غَافِرِ الذَّنۡبِ اور قَابِلِ التَّوۡبِ کے بعد آتی ہے۔ دعائے امیر المؤمنین علیہ السلام میں آیا ہے:

یا من سبقت رحمتُه غضبه...۔[1]　　اے وہ ذات جس کی رحمت اس کے غضب سے بہت پہلے ہے۔

ح: ذِی الطَّوۡلِ: بڑے فضل و کرم والا ہے۔ قابل توجہ ہے کہ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ کے بعد بھی اس کے فضل و کرم سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ اگر ایک منکر اور معاند اپنے کفر پر ایسے ڈٹ جاتا ہے کہ شدید العقاب کا سزاوار ٹھہرتا ہے تاہم ابھی اللہ کے فضل و کرم کی طرف واپس آنے کی گنجائش موجود ہے۔

اس آیت میں رحمت کے تین اوصاف کے درمیان غضب کی ایک صفت بیان ہوئی ہے۔

مَا يُجَادِلُ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَلَا يَغُرُرۡكَ تَقَلُّبُهُمۡ فِى الۡبِلَادِ ۝۴

۴۔ اللہ کی آیات کے بارے میں صرف کفار ہی جھگڑتے ہیں لہٰذا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ رکھے۔

تفسیر آیات

۱۔ مَا يُجَادِلُ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ: جب آیات الٰہی اپنی حقانیت کے واضح اور غیر مبہم دلائل کے ساتھ انسانیت کو حق اور نجات کی دعوت پیش کرتی ہیں تو جن کی فطرت سلیم، عقل اور وجدان بیدار ہے وہ ان آیات سے اپنی نجات کا راستہ پا لیتے اور حق کی طرف آ جاتے ہیں۔

البتہ جو لوگ کفر میں رسوخ رکھتے اور حق کے خلاف ڈٹ جاتے ہیں وہ ان آیات سے متاثر ہونے کی بجائے ان میں کج بحثی شروع کر دیتے اور حق ٹھکرا دیتے ہیں۔

۲۔ فَلَا يَغُرُرۡكَ تَقَلُّبُهُمۡ فِى الۡبِلَادِ: مختلف ممالک میں ان کی رفت و آمد، ان کے دندناتے پھرنے

---

[1] بحار الانوار ۹۱: ۲۳۹

اوران کی پرتعیش زندگی سے کہیں اس دھوکے میں آ جاؤ کہ ہم لوگ حق پر ہیں تو محروم کیوں ہیں؟ وہ اگر باطل پر ہیں تو عیش وعشرت میں کیوں ہیں؟

اس دھوکے میں نہ آؤ کہ وہ عذاب الٰہی سے بچ گئے ہیں اور آیات الٰہی سے جنگ کرنے کے باوجود انہیں کوئی سزا نہیں ملے گی۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ انہیں مہلت مل رہی ہے تا کہ وہ اپنے جرم میں اضافہ کریں اور مومنین کے ایمان کی آزمائش میں اضافہ ہو جائے۔

اہم نکات

۱۔ مومن کو اہل باطل کی وقتی اوچھل کود سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ جرم کے باوجود مہلت ملنا بہت بڑے عذاب کا پیش خیمہ ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵

۵۔ ان سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد کے گروہوں نے بھی (انبیاء کی) تکذیب کی ہے اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کرنے کا عزم کیا اور باطل ذرائع سے جھگڑتے رہے تا کہ اس سے حق کو زائل کر دیں تو میں نے انہیں اپنی گرفت میں لیا پس (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا تھا۔

تفسیر آیات

۱۔ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہو رہی تھیں جب کفار مکہ حضورؐ کے خلاف جھگڑے اور بحثیں کر رہے تھے اور ہر طرف سے الزامات لگائے جا رہے تھے نیز آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش میں بھی مصروف تھے۔ ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے سابقہ امتوں کی مثال پیش کی جا رہی ہے:

۲۔ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ: ہر امت نے اپنے رسول کو پکڑنے کی کوشش کی اور باطل ذرائع سے جھگڑتے رہے۔

۳۔ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ: لیکن وہ اس میں نہ صرف یہ کہ کامیاب نہیں ہوئے بلکہ وہ اللہ کی گرفت میں آ گئے اور ان کا خاتمہ عذاب الٰہی پر ہوا۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶

۶۔ اور اسی طرح کفار کے بارے میں آپ کے پروردگار کا یہ فیصلہ حتمی ہے کہ وہ اہل دوزخ ہیں۔

تفسیر آیات

جس طرح سابقہ امتوں میں تکذیب، جھگڑا کرنے والوں اور اپنے رسول کو شہید کرنے کی سازش کرنے والوں کو اللہ نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے،

۱۔ كَذٰلِكَ: اسی طرح آپ کی قوم میں سے بھی ایسے ہی لوگوں پر اللہ کا فیصلہ اٹل ہو چکا ہے۔

۲۔ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ: ایک اٹل فیصلے کی خبر ہے کہ ان کا بھی وہی انجام ہوگا۔

اہم نکات

۱۔ جرم اور مکافات جرم میں قانون سب کے لیے یکساں ہے: فَاَخَذْتُهُمْ ....

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ

۷۔ جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو (فرشتے) اس کے اردگرد ہیں سب اپنے رب کی ثناء کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور اس پر ایمان لائے ہیں اور ایمان والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں، ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے پس ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کی پیروی کی ہے اور انہیں عذاب جہنم سے بچا لے۔

۸۔ ہمارے پروردگار! انہیں ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادا اور ان کی ازواج اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں انہیں بھی، تو یقیناً بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

۹۔ اور انہیں برائیوں سے بچا اور جسے تو نے اس

يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ﴿۹﴾

روز برائیوں سے بچا لیا اس پر تو نے رحم فرمایا اور یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ الَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ: اللہ تعالیٰ کو کسی محسوس تخت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو اس وقت بھی اپنی پوری ملکوتی طاقت وقوت کے ساتھ موجود تھا جب عرش و کرسی اور کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ اِذْ لَا كَانَ فَخَلَقَ الْكَانَ وَ الْمَكَانَ ....[1]

اللہ اس وقت بھی تھا جب ''تھا'' بھی نہ تھا۔ پھر زمان و مکان کو خلق فرمایا۔

لہٰذا عرش الٰہی سے مراد اللہ تعالیٰ کا تدبیری مقام ہے جس تدبیر پر کائنات کا نظام قائم ہے اور ممکن ہے حاملین عرش سے مراد وہ ملائکہ مقربین ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ حاملین عرش کے بارے میں تفصیل میں ہم نہیں جا سکتے اور عرش کو اٹھانے کی تعبیر سے مراد کیا ہے؟ ہمارے لیے واضح نہیں ہے۔

حاملین عرش اور عرش کے گرد فرشتے اللہ کے نہایت مقتدر فرشتے ہیں۔ مکہ کے طاغوتیوں کے مقابلے میں بے بس اور دل شکستہ مومنین کو حوصلہ دیا جا رہا ہے کہ تم رنجیدہ اور دل شکستہ نہ ہوں۔ حاملین عرش الٰہی اور عرش کے گرد و پیش رہنے والے اللہ تعالیٰ کے مقتدر ترین ملائکہ تمہارے ساتھ ہیں۔

۲۔ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ: حاملین عرش اور عرش کے گرد و پیش کے فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔ وہ صرف اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔ مشرکین کو، جو فرشتوں کو اپنا معبود بناتے تھے، بتانا مقصود ہے کہ جنہیں تم معبود بناتے ہو وہ اللہ کی حمد و تسبیح کے ذریعے اللہ کی بندگی کر رہے ہیں۔

۳۔ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ: وہ اللہ کی معبودیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس میں بھی مشرکین کی رد ہے جو فرشتوں کو ربوبیت میں اللہ کا شریک سمجھتے ہیں۔

۴۔ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: یہ ملائکہ اہل ایمان کے لیے طلب مغفرت کرتے اور ان کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ اس دعا کا مضمون آیت کے اگلے جملوں میں ذکر ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ایمان والے، زمین سے زیادہ آسمان میں پہچانے جاتے ہیں اور ایمان ہی وہ رشتہ ہے جس سے عرش والے فرش والوں سے محبت اور ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔

۵۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا: اے ہمارے مالک! تیری رحمت اور تیرا علم کل کائنات

[1] الکافی ۱: ۴۴۱

کی ہر چیز سے وسیع تر ہے۔ آنے والے دعائیہ جملوں سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذریعے حمد و ثنا ہو رہی ہے۔ جن دو صفات کا آنے والے دعا سے تعلق ہے یعنی ہم اس ذات سے دعا کر رہے ہیں جس کی نہ رحمت میں کمی ہے کہ کسی کو ملے، کسی کو نہ ملے، نہ علم میں کمی ہے کہ کسی محتاج کا علم ہو جائے اور کسی کا نہ ہو۔ ذیل میں فرش والوں کے حق میں عرش والوں کی دعا مذکور ہیں:

الف: فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ: اے اللہ! ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے کفر و شرک سے یا گناہ سے توبہ کر کے تیری راہ کو اختیار کیا ہے۔

ب: وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ: ان کی توبہ قبول کر کے ان کو معاف کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں گے۔

ج: رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ: اے ہمارے مالک! انہیں عدن کی جنتوں میں داخل فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے وعدہ فرمایا ہے۔

د: وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ: ان مومنین کے باپ دادا کو بھی جنت عدن میں داخل فرمایا جن میں جنت جانے کی صلاحیت ہو۔ یعنی وہ مشرک اور کافر نہ مرے ہوں۔ اس صورت میں ان میں یہ صلاحیت نہیں آتی کہ وہ جنت میں داخل ہوں بلکہ وہ بھی ہیں مومن لیکن اس درجے کے نہیں ہیں جس درجے کی ان کی اولاد ہے۔ دعا یہ ہے: مالک! ان کے باپ دادوں کو بھی ان کے درجے میں لا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قیامت کے دن نیک اولاد کام آتی ہے۔ اس آیت سے آیۂ:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝[1]

اس روز نہ مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ اولاد۔ سوائے اس کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر آئے۔

کا یہ مفہوم درست ہو جاتا ہے کہ اگر قلب سلیم لے کر آئے تو مال و اولاد نفع دے سکتی ہے۔

قیامت کے دن اولاد اس جگہ کام آتی ہے جہاں اولاد کا درجہ باپ سے بالاتر ہو تو اولاد اپنے آباء و اجداد کی شفاعت کر کے انہیں اپنے درجے پر لے جائے گی۔

ھ: وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ: ان مومنین کی ازواج و اولاد کو بھی جنت عدن میں داخل فرما، ان میں صلاحیت ہونے کی صورت میں۔ یعنی ایمان اور عمل صالح ہے لیکن اپنے شوہر اور اپنے باپ کے درجے کی نہیں ہے۔

اللہ کے مقتدر فرشتوں کی اس دعا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قیامت کے دن اولاد اپنے باپ دادا کی اور باپ دادا اپنی اولاد کی، شوہر اپنی زوجہ کی اور زوجہ اپنے شوہر کی شفاعت کر کے اپنے درجے میں

---

[1] ۲۶ شعراء: ۸۸۔۸۹

ساتھ لے جا سکتی ہے۔

۲: وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ: اے مالک! ان مومنین کو برائیوں سے بچا لے۔ یہاں السَّيِّاٰتِ برائیوں سے مراد گناہ بھی ہو سکتے ہیں اور گناہ کی سزائیں بھی۔ جیسے قیامت کی ہولناکیاں، جہاں انسان کے سارے راز فاش ہو جائیں گے، اہل محشر کے سامنے رسوا ہو جائیں گے، اپنی سیاہ کاریاں دیکھ کر حساب و عذاب کے ایک ناقابل تصور خوف سے دوچار ہوں گے۔ اس قسم کی تمام سیئات سے بچانے کی دعا ہے۔

۳۔ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ: قیامت کے دن جسے تو نے برائیوں سے بچا لیا اس پر تو نے رحم فرمایا۔ اس جملے میں يَوْمَئِذٍ ''اس دن'' قرینہ بن سکتا ہے کہ السَّيِّاٰتِ سے مراد برائیوں کی سزائیں ہیں چونکہ قیامت کے دن برائیوں کی سزا کا سامنا ہے۔

۴۔ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ: جو قیامت کی ہولناکیوں سے بچتا ہے وہ ایسی عظیم، ابدی اور دائمی کامیابی حاصل کرتا ہے جس سے بڑی کامیابی قابل تصور نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ دعائے ملائکہ اور شفاعت کے لیے صالح اور اہل ہونا شرط ہے۔

۲۔ قیامت کی ہولناکیوں سے نجات،

ہے۔

۳۔ نیک اور صالح لوگوں کو قیامت کے دن صالح اولاد فائدہ دے سکتی ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝۱۰

۱۰۔ جنہوں نے کفر اختیار کیا بلاشبہ انہیں پکار کر کہا جائے گا: (آج) جتنا تم اپنے آپ سے بیزار ہو رہے ہو اللہ اس سے زیادہ تم سے اس وقت بیزار تھا جب تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اور تم کفر کرتے تھے۔

تفسیر آیات

قیامت کے دن کافروں کو اپنے کفر کا نتیجہ نظر آئے گا تو بڑی ندامت کے ساتھ اپنے جرائم پر اپنے آپ کو کوستے ہوں گے۔ اس وقت ندا آئے گی: آج اپنی جرائم دیکھ کر جتنا تم اپنے آپ سے بیزار ہو رہے ہو، اس سے زیادہ اللہ تم سے بیزار ہو رہا تھا جب اللہ تمہیں اپنی طرف بلا رہا تھا اور تم کفر اختیار کر کے اللہ سے منہ موڑتے تھے۔ اللہ ہادیان برحق کے ذریعے اپنی رحمتوں کا دروازہ کھول رہا تھا تم ان کا مذاق اڑا رہے تھے۔

اہم نکات

۱۔ جو دنیا میں اللہ کی دعوت سے بیزار ہوتے ہیں، قیامت کے دن اللہ ان سے بیزار ہوگا۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی دی ہے، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے؟

تفسیر آیات

۱۔ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ: کفار اس پکار کے جواب میں کہیں گے: دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی کے بعد تو ہم حقیقت کو سمجھ گئے ہیں۔ اب اعتراف گناہ کے مرحلے پر آ گئے ہیں۔

بعض کے نزدیک پہلی موت وہ ہے جو دنیا میں آتی ہے۔ پھر برزخی زندگی پہلا احیاء ہے، پھر برزخی زندگی کو دوسری موت دی جاتی ہے۔ پھر قیامت کی زندگی دوسرا احیاء ہے۔

بعض کے نزدیک پہلی موت وہ ہے جو اس زندگی سے پہلے تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ....[1]

اللہ کے بارے میں تم کس طرح کفر اختیار کرتے ہو؟ حالانکہ تم بے جان تھے اللہ نے تمہیں حیات دی۔

اس آیت کے مطابق پہلی زندگی دنیوی زندگی ہے۔ دوسری موت وہ ہے جو دنیوی زندگی کا خاتمہ کرے اور دوسری حیات قیامت کی زندگی ہے۔ یہی نظریہ ہمارے نزدیک قرین واقع ہے۔

جب ان کافروں کو دوسری بار زندہ کیا جائے گا تو پردے ہٹ چکے ہوں گے۔ حقائق سامنے آ جائیں گے تو اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔

۲۔ فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ: اس ہولناک عذاب کا منظر دیکھ کر مایوسانہ استفہامیہ جملہ کہیں گے: کیا اس عذاب سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ خود انہیں معلوم ہو چکا ہوگا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ مشاہدۂ عذاب کے بعد آرزوئے نجات ہر کافر کرے گا۔

---

[1] ۲ بقرہ: ۲۸

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ایسا اس لیے ہوا کہ جب خدائے واحد کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تھے، پس (آج) فیصلہ برتر، بزرگ اللہ کے پاس ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ: اس عذاب سے نکلنے کے سارے راستے تم نے دنیا میں بند کر دیے تھے۔

۲۔ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ: تم نے سارے راستے بند اس طرح کیے کہ جب تمہیں صرف ایک اللہ کی طرف دعوت دی جاتی اور کہا جاتا: قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا....[1] کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نجات پاؤ گے تو اس نجات کا راستہ تم نے خود بند کر دیا۔

۳۔ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا: تم سے کہا گیا تھا:

مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ ....[2]

جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو وہ ایسا ہے گویا آسمان سے گر گیا پھر اسے پرندے اچک لیں ....

آج تم آسمان کی بلندی سے گر کر پاش پاش ہو رہے ہو چونکہ تم نے اللہ پر کفر اختیار کیا اور شرک پر ایمان لے آئے تھے۔

۴۔ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ: آج فیصلہ اسی خدائے واحد کے ہاتھ میں ہے جو ہر طاقت و قوت سے بالاتر قوت کا مالک ہے اور اپنی کبریائی میں بھی یکتا ہے۔

اہم نکات

۱۔ مشرک نجات کے سارے راستے دنیا میں بند کر کے جاتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ وہ وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے رزق نازل فرماتا ہے اور نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتا ہے جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

---

[1] حدیث نبویؐ۔ بحار ۱۸: ۲۰۲ [2] ۲۲ حج: ۳۱

تفسیر آیات

۱۔ هُوَ الَّذِیۡ یُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ: اللہ نے اس کائنات، آفاق و انفس میں اپنی ایک نہیں بے شمار نشانیاں دکھائی ہیں جو اللہ کی ربوبیت، وحدانیت اور مدبریت پر دلالت کرتی ہیں۔

کسی غیر خدا معبود کی طرف سے ایک آیت دکھاؤ:

هٰذَا خَلۡقُ اللّٰهِ فَاَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ....[1]

یہ ہے اللہ کی تخلیق، اب ذرا مجھے دکھاؤ اللہ کے سوا دوسروں نے کیا پیدا کیا ہے....

اس جگہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

لَوْ کَانَ اِلٰهٌ آخَرُ لَاَتَتْکَ رُسُلُهُ وَ لَرَاَیْتَ آثَارَ مَمْلَکَتِهٖ۔[2]

اگر کوئی اور معبود ہوتا تو اس کی طرف سے رسول آتے اور اس کی مملکت کے آثار دکھائی دیتے۔

۲۔ وَ یُنَزِّلُ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ رِزۡقًا: اللہ تعالیٰ کی تدبیری نشانیوں میں ایک اہم اور سب کے لیے محسوس نشانی روزی کی فراہمی ہے۔ یہ روزی اللہ آسمان سے فراہم کرتا ہے، جو آسمان خود مشرکین کے اعتراف کے مطابق اللہ کا بنایا ہوا ہے۔

پہلے بھی متعدد آیات میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ روزی کے بیشتر اسباب آسمان سے فراہم ہوتے ہیں۔ مثلاً ہوا، دھوپ، بارش اور بجلی۔ بجلی کی چمک سے فضا سے نائٹروجن زمین پر بارش کے پانی کے ذریعے گرتی ہے اور قدرتی کھاد کی صورت میں زمین کو سرسبز کرتی ہے۔

۳۔ وَ مَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنۡ یُّنِیۡبُ: ان سے آگاہ وہی ہو سکتے ہیں جو عناد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر ان نشانیوں میں غور کریں۔ ہٹ دھرمی کے ساتھ کسی کی فکر و ذکر فعال نہیں ہو سکتی۔

فَادۡعُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ وَ لَوۡ کَرِهَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ پس دین کو صرف اس کے لیے خالص کر کے اللہ ہی کو پکارو اگرچہ کفار کو برا لگے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَادۡعُوا اللّٰهَ: پس اگر غیر خدا کے معبود و مدبر ہونے پر کوئی ایک علامت بھی نہیں ہے تو اس موہوم چیز کو ترک کر کے صرف اللہ کو پکارو۔

۲۔ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ: دینداری اور نظریے کو صرف اللہ کے لیے خالص کرو۔ اس میں کسی غیر اللہ

---

[1] ۳۱ لقمان: ۱۱　[2] وسائل الشیعۃ ۲۷: ۱۷۵

کو شامل نہ کرو اور اللہ کی وحدانیت کا برملا اظہار کرو۔

۳۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ: دینداری میں کسی کی کراہت اور ناپسندی کی اعتنا نہیں کرنا چاہیے چونکہ دینداری کا تعلق انسان کی اپنی ابدی نجات سے ہے۔ کسی شخص یا جماعت کی پسند، ناپسند سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝۱۵

۱۵۔ وہ بلند درجات کا مالک اور صاحب عرش ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن کے بارے میں متنبہ کرے۔

تفسیر آیات

۱۔ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ: رفیع اگر بمعنی رافع ہے تو معنی یہ ہوں گے: وہ اپنے نیک بندوں کے درجات بلند کرنے والا ہے اور اگر بمعنی المرتفع ہو تو معنی یہ ہوں گے: وہ بلند ذات ہے اپنے علم و قدرت اور تمام اوصاف کمالیہ میں۔ ممکن ہے ذُو الْعَرْشِ قرینہ بن جائے دوسرے معنی کے لیے۔

۲۔ ذُو الْعَرْشِ: وہ عرش کا مالک ہے۔ ہم نے عرش کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے مقام تدبیری سے کی ہے۔ اس کے مطابق ذُو الْعَرْشِ کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ تدبیر کائنات کا مالک ہے۔

۳۔ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ: روح سے مراد یہاں وحی ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر وحی کو روح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ النحل آیت ۲ اور سورہ شوریٰ آیت ۵۲۔

وحی چونکہ ایک حیات بخش دستور اور انسانیت کے لیے ابدی حیات کی سعادت لے کر آتی ہے اس لیے وحی کو روح کہا ہے۔

۴۔ مِنْ اَمْرِهٖ: وحی کا تعلق امر الٰہی سے ہے اور امر الٰہی وہ امر تکوینی ہے جو کن فیکون سے مربوط ہے۔

۵۔ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ: یہ وحی اس ذات پر نازل ہو سکتی ہے جو مشیت الٰہی کے معیار وحی پر پوری اترتی ہو چونکہ وحی ظاہری حواس پر نہیں اترتی، اس ذات کے مرکزی نکتے پر اترتی ہے جسے قرآن قلب سے تعبیر کرتا ہے۔

۶۔ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ: وحی نازل کرنے کا ہدف بیان ہوا ہے کہ وحی انسان کو ان تمام خطرات سے آگاہ کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے حائل اور رکاوٹ ہیں۔

یَوۡمَ هُمۡ بٰرِزُوۡنَ ۚ لَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنۡهُمۡ شَیۡءٌ ؕ لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡیَوۡمَ ؕ لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ﴿۱۶﴾

۱۶۔اس دن وہ سب (قبروں سے) نکل پڑیں گے، اللہ سے ان کی کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے گی، (اس روز پوچھا جائے گا) آج کس کی بادشاہت ہے؟ (جواب ملے گا) خدائے واحد، قہار کی۔

تفسیر آیات

۱۔ یَوۡمَ هُمۡ بٰرِزُوۡنَ: اس دن وہ فاش ہو جائیں گے ان کے تمام اعمال سے پردہ اٹھ جائے گا:

یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ [1]　　اس روز تمام راز فاش ہو جائیں گے۔

۲۔ لَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰهِ: ان کے اعمال میں سے کوئی ایک چیز بھی اللہ سے پوشیدہ نہ ہو گی۔ وہ ان کے ظاہر و باطن، سب سے آگاہ ہے۔

۳۔ لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡیَوۡمَ: دنیا میں طاغوتوں کی سرکشی، سفاکوں کی خون ریزی، استحصالیوں کی سازش، ظالموں کی خونخواری اور مفاد پرستوں کی رہزنی کا بازار گرم رہتا تھا۔ آج کسی طاغوت کی جنبش، سفاک کے عذر پیش کرنے، استحصالیوں کی فدیہ ادا کرنے، ظالموں کی خون بہا دینے، مفاد پرستوں کے ذمے موجود قرض چکانے کی مجال نہ ہو گی۔ بتاؤ آج کس کی بادشاہی ہے؟

کائنات پر سناٹا چھایا ہو گا۔ فضائے کائنات میں ایک سکوت و جمود طاری ہو گا۔ عرصہ محشر میں ایک خاموشی چھائی ہوئی ہو گی۔

۴۔ لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ: اتنے میں ندا آئے گی: آج خدائے واحد قہار کی بادشاہی ہے۔ اس ذات کی بادشاہی ہے جو واحد ہونے کے باوجود قہار ہے۔ آج وہ سب مجرمین جو اللہ کی رحمت سے محروم ہیں اللہ کی قہاریت کی زد میں ہیں۔

اَلۡیَوۡمَ تُجۡزٰی كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا كَسَبَتۡ ؕ لَا ظُلۡمَ الۡیَوۡمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ آج ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، آج ظلم نہیں ہو گا، اللہ یقیناً جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلۡیَوۡمَ تُجۡزٰی كُلُّ نَفۡسٍ: آج کا دن یوم جزا ہے۔ یوم عدالت عظمی ہے۔ آج ہر شخص نے اپنے

---

[1] ۸۶ طارق: ۹

عمل کا نتیجہ دیکھنا ہے۔ اچھا ہے تو اچھا، برا ہے تو برا۔ ہر شخص کا عمل خود سامنے آئے گا۔ فیصلہ عمل نے خود کرنا ہے۔

۲۔ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ: آج ظلم کی نفی، یعنی ظلم کا وجود متصور نہیں ہے چونکہ جب فیصلہ خود عمل کے ہاتھ میں ہوگا تو ظلم کا وجود ممکن نہیں ہے۔

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ: اللہ کو ایک کا حساب، دوسرے کے حساب سے مشغول نہیں رکھتا۔ بہ یک وقت سب سے حساب لیا جائے گا لہٰذا حساب میں بھی کسی سے زیادتی کا امکان نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ قیامت کے دن خود عمل یا ساتھ نہیں چھوڑے گا یا جان نہیں چھوڑے گا۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ انہیں قریب الوقوع دن کے بارے میں متنبہ کیجیے، جب دل حلق تک آ رہے ہوں گے، غم سے گھٹ گھٹ جائیں گے، ظالموں کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی کوئی ایسا سفارشی جس کی بات سنی جائے۔

تشریح کلمات

الْاٰزِفَةِ: (ا ز ف) وقت کے ضیق اور قریب آنے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ: قیامت کے دن کے بارے میں ان کی تنبیہ کیجیے جو عنقریب آنے ہی والا ہے۔ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔ اس کے مقابلے میں قیامت کے بعد کی زندگی ابدی ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

من مات قامت قیامته۔[1] جو مر گیا، اس کی قیامت برپا ہوگئی۔

اس کی یہ توضیح کی گئی ہے کہ اکثر لوگوں کے لیے حیات برزخی نہیں ہے۔ انہیں ایسا لگے گا کہ مرنے کے دوسرے لمحے میں قیامت برپا ہوگئی۔

۲۔ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ: اس دن کی ہولناکی کی یہ حالت ہوگی کہ کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے۔ محشر میں ہر شخص اپنے مستقبل کا فیصلہ سننے کے لیے بے تاب ہوگا۔ ابدی زندگی کا فیصلہ، کس قدر کربناک

[1] بحار ۵۸: ۷

لمحات ہوں گے۔

۳۔ كٰظِمِيْنَ: غم کے گھونٹ پی رہے ہوں گے۔ اظہار کریں تو کس سے کریں۔

۴۔ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ: یہاں کوئی دوست ہے اور نہ سفارشی۔ کس سے فریاد کریں؟ جس کی طرف دیکھیں؟ نفسانفسی کی حالت میں ہر ایک حواس باختہ ہے۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اللہ، نگاہوں کی خیانت اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے، سے واقف ہے۔

تفسیر آیات

دوسری طرف حساب لینے والی ذات وہ ہے جو سینوں میں پوشیدہ رازوں کو جانتی ہے۔ اپنا جرم چھپانا بھی ممکن نہیں ہے۔

خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ میں خَآئِنَةَ بعض کے نزدیک مصدر کے معنوں میں ہے۔ یعنی خیانة الاعین۔ نگاہوں کی خیانت، نامحرموں پر بری نگاہ ڈالنا ہے۔ حدیث ہے:

ان النظرة الاولی لك و الثانية عليك.[1]　　پہلی نگاہ گناہ نہیں ہے اور دوسری نگاہ گناہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

الم تر الی الرجل ينظر الی الشئ و كانه لاينظر فذلك خائنة الاعين۔[2]　　کسی کی طرف (چور نگاہ سے) دیکھنا کہ ایسا لگے وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا، نگاہوں کی خیانت ہے۔

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور اللہ برحق فیصلہ کرتا ہے اور اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ کرنے کے (اہل) نہیں ہیں، یقیناً اللہ ہی خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ: چونکہ تمام فیصلے اسی کے پاس ہیں، خالق وہی، رازق وہی اور تدبیر اسی کی، تشریع اسی کی طرف سے، قانون اسی نے دیا ہے لہٰذا فیصلہ بھی وہی کرے گا۔ غیر اللہ کے پاس مذکورہ

---

[1] مجمع البیان　　[2] نور الثقلین ذیل آیت۔ معانی الاخبار ص ۱۴۷

چیزوں میں سے کوئی ایک چیز بھی نہیں ہے وہ کس چیز کا فیصلہ کریں گے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِہِمْ ؕ کَانُوْا ہُمْ اَشَدَّ مِنْہُمْ قُوَّۃً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِہِمْ ؕ وَمَا کَانَ لَہُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ہیں تا کہ وہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ طاقت اور زمین پر اپنے آثار چھوڑنے میں ان سے کہیں زیادہ زبردست تھے، پس اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں گرفت میں لے لیا اور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

اس آیت کی تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیں سورہ روم آیت ۹۔

ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْہِمْ رُسُلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوْا فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّہٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ یہ اس لیے کہ ان کے پیغمبر واضح دلائل لے کر ان کے پاس آتے تھے لیکن انہوں نے انکار کر دیا، پھر اللہ نے انہیں گرفت میں لے لیا، اللہ یقیناً بڑا طاقتور، عذاب دینے میں سخت ہے۔

تفسیر آیات

وہ اللہ کی گرفت میں اس لیے نہیں آئے کہ انہیں حقیقت حال کا علم نہ تھا، انہیں بتانے والا کوئی نہ تھا، ان پر حجت پوری نہ ہوئی بلکہ یہ سب کچھ ہونے کے بعد ان لوگوں نے اپنے کفر پر ڈٹ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا،

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَہَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو ان لوگوں نے کہا: یہ تو بہت جھوٹا جادوگر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی: ہم نے موسیٰ کو آیات اور سلطان مبین دے کر بھیجا۔ قرآنی استعمالات میں سلطان مبین اس واضح دلیل کو کہتے ہیں جس کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس دلیل کو سلطان اس لیے کہا گیا کہ جس کے پاس اس قسم کی دلیل ہو گی وہ بالا دست ہو گا اور مد مقابل زیر ہو گا۔

آیات سے مراد وہ معجزات ہو سکتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ پس جب انہوں نے ہماری طرف سے ان لوگوں کو حق پہنچایا تو وہ کہنے لگے: جو اس کے ساتھ ایمان لے آئیں، ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو (مگر) کافروں کی چال اکارت ہی جاتی ہے۔

تفسیر آیات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے کے بعد فرعون کی طرف سے یہ حکم صادر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے ہر بچے کو قتل کر دیا جائے اور بچیوں کو چھوڑ دیا جائے۔

مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو الاعراف آیت ۱۴۱۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو پکارے مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا زمین میں فساد برپا کرے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى: فرعون کا یہ کہنا کہ مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو، بتاتا ہے

کہ اس کے سامنے کوئی رکاوٹ تھی ورنہ وہ بہت پہلے انہیں قتل کر چکا ہوتا۔

سورہ اعراف آیت ۱۱۱ اور سورہ شعراء آیت ۳۶ میں قتل نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلی بار فرعون کے دربار میں عصا اور ید بیضا کے دو عظیم معجزے دیکھائے تو فرعون نے اپنے درباریوں سے پوچھا تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے موسیٰ و ہارون کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ یہ دونوں جادوگر ہیں تو درباریوں نے رائے دی تھی: اَرْجِهْ وَاَخَاهُ ...[1] اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو۔

ممکن ہے مہلت کا مشورہ اس لیے دیا ہو کہ اگر فوری قتل کیا جائے تو لوگ انہیں سچے نبی تسلیم کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ جادو کا توڑ جادو سے کیا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حیرت انگیز معجزات دیکھ کر فرعون کے درباریوں میں اس قسم کی سوچ موجود تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ میں سچے ہو سکتے ہیں لہٰذا ان کے خلاف انتہائی قدم اٹھانے میں تأمل سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ اگلی آیت میں اس مومن کا ذکر آتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے حق میں نہ تھے۔

۲۔ وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ: پوری رعونت اور تکبر کے لہجے میں کہتا ہے: میں اسے قتل کرنے لگوں تو وہ اپنے رب کو مدد کے لیے پکارے کہ میرے ہاتھ قتل ہونے سے آ کر بچا لے۔

۳۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ: مجھے خطرہ ہے کہ موسیٰ تمہارا دین بدل ڈالے گا۔ اس خطرے کی وجہ یہ تھی کہ فرعونی سلطنت ان کے مذہبی نظریے پر قائم تھی۔ نظریہ یہ تھا: سلطنت و اقتدار کے معبود سورج (عشتار) کا زمین میں نمائندہ فرعون ہے لہٰذا اس کی سلطنت کا جواز اپنے معبود کا نمایندہ ہونا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غیر اللہ معبودوں کی نفی کی اور خود کے رب العالمین کا نمایندہ (رسول) ہونے کا اعلان کیا تو اس کا مطلب فرعون کے دین و سلطنت کی نفی تھی۔

۴۔ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ: اگر پوری طرح دین تبدیل کرنے میں کامیاب نہ بھی ہوا اس کی دعوت سے زمین میں فساد ضرور برپا ہو گا۔ موجودہ یک طرفہ نظریہ ختم ہو جائے گا۔ دو نظریے وجود میں آئیں گے۔ اس طرح ملک میں فساد برپا ہو گا۔

فساد کے خطرے کا احساس ثابت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو پذیرائی مل رہی تھی اور فرعون کی سلطنت کا یہ پروپیگنڈہ کہ یہ جادوگر ہے، موثر واقع نہیں ہو رہا تھا۔

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ

۲۷۔ اور موسیٰ نے کہا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس تکبر کرنے والے سے

---

[1] ۷ اعراف: ۱۱۱

ع ۸ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾　　جو یوم حساب پر ایمان نہیں لاتا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ: طاغوت اور متکبر کی دھمکیوں کے مقابلے میں اللہ کی پناہ سب سے بڑی طاقت ہے۔ چنانچہ فرعون کے اس جملے کے جواب میں ''میں دیکھتا ہوں اس کا رب اس کو کیسے بچاتا ہے'' فرمایا: میں اسی ذات کی پناہ میں جاتا ہوں جو نہ صرف میرا رب ہے، وہ تمہارا بھی رب ہے۔ میری اور تمہاری تقدیر، سب اس رب کے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ: ایک شخص اگر متکبر ہو، اپنے آپ کو سب سے طاقتور اور بالادست سمجھتا ہو اور انتہائی قدم اٹھانے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو، نہ قیامت کا تصور، نہ حساب کتاب کا ڈر تو یہ شخص نہایت سفاک اور خونخوار ہوتا ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۚ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔اور آل فرعون میں سے ایک مومن جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا کہنے لگا: کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے؟ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اس کے خلاف جائے گا اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر واقع ہو ہی جائے گا اللہ یقیناً تجاوز کرنے والے جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۚ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ: فرعون کے درباریوں میں ایک قبطی، بقولے فرعون کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھا۔ یہ وہی حزقیل علیہ السلام ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ارادہ قتل سے آگاہ کیا تھا۔ انہی کے مشورے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہجرت فرمائی۔

۲۔ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ: یہ مومن اپنا ایمان چھپاتا تھا۔ ایمان چھپا کر اپنے آپ کو تحفظ بھی دیتا اور اس تقیہ کی وجہ سے اولوالعزم رسول کو بچانے کا موقع بھی میسر آتا تھا۔ چنانچہ دو اہم اور خطرناک مقامات پر اس

مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچایا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

التقية من دينی و دين آبائی ولا دين لمن لا تقية له والتقية ترس الله فی الارض لان مومن آل فرعون لو اظهر الاسلام لقتل۔[1]

تقیہ میرے اور میرے آباء کے دین میں سے ہے۔ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا دین نہیں ہے۔ تقیہ روئے زمین پر اللہ کی سپر ہے۔ اگر مومن آل فرعون اسلام ظاہر کرتا تو قتل ہو جاتا۔

سورہ قصص آیت ۲۰ میں بھی اس مومن کا ذکر آیا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

الصديقون ثلاثة حبيب النجار مومن آل ياسين و مومن آل فرعون الذی قال اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ والثالث علی بن ابی طالب و هو افضلهم۔[2]

صدیق تین ہیں: حبیب النجار مومن آل یاسین اور مومن آل فرعون جس نے کہا تھا کہ تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ تیسرے علی بن ابی طالب ہیں جو ان میں افضل ہیں۔

افضل الانبیاء و الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحفظ دینے والے کا سب صدیقوں سے افضل ہونا قدرتی بات ہے۔ پھر حضرت علی علیہ السلام نے صرف شب ہجرت بستر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سو کر اپنی جان کا نذرانہ پیش نہیں کیا بلکہ شعب ابی طالب میں ہمیشہ خطرے کے وقت حضرت ابو طالب علیہ السلام اپنے بیٹے علیہ السلام کو بستر رسول پر سلاتے تھے۔ اور جنگ احد میں حضرت علی علیہ السلام نے ہی حضرت ختم المرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحفظ فراہم فرمایا۔

۳۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ: کیا تم اس شخص کو اس جرم میں قتل کرو گے کہ یہ اللہ کو رب تسلیم کرتا ہے۔ کسی پر ہاتھ دراز نہیں کیا، کسی کو ضرر نہیں پہنچایا، اپنا ایک نظریہ رکھتا ہے۔ کسی کو عقیدے کی بنیاد پر قتل کر ڈالنا کس قدر بڑا جرم ہے۔

۴۔ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ: پھر وہ اپنے عقیدے پر واضح دلیل بھی پیش کرتا ہے۔ دلیل نہ ماننا تو جرم ہوسکتا ہے لیکن دلیل پیش کرنا تو کوئی جرم نہیں ہے۔

۵۔ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ: جابروں اور تنگ نظروں سے خطرہ لاحق ہونے کی صورت میں حق چھپانا جابروں کے لیے باعث ننگ و عار ہے، حق چھپانے والے کے لیے نہیں۔

چنانچہ جو لوگ حکمرانوں کے ہم مذہب رہے ہیں ان کے لیے تقیہ کی نوبت نہیں آتی تھی۔ البتہ انہیں تقیہ کا تجربہ ایک بار ہو گیا تھا جب خلق قرآن کے بارے میں بنی عباس کے تنگ نظر جابروں کے سامنے اہل سنت کے علماء کو بھی اپنا نظریہ چھپانا پڑا تھا۔

چنانچہ مومن آل فرعون اپنی تقریر میں حق کا برملا اظہار نہیں کرتے بلکہ بظاہر تردد کا اظہار کرتے

---

[1] بحار الانوار ۱۳: ۱۵۸ [2] تفسیر رازی ذیل آیہ

ہیں کہ اگر موسیٰ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اس کے خلاف جائے گا تمہیں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۶۔ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا: اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو جس عذاب سے یہ ڈرا رہے ہیں اس میں سے کچھ عذاب تو آنے والا ہے۔

۷۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ: خواہ یہ تجاوز کار کوئی ہو اسے اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ اگر موسیٰ ایسا ہے تو اللہ اسے کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اے میری قوم! آج تمہاری بادشاہت ہے اور ملک میں تم غالب ہو پس اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو ہماری کون مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا: میں تمہیں صرف وہی رائے دوں گا جسے میں صائب سمجھتا ہوں اور میں اسی راستے کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں جو درست ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ: آل فرعون کا یہ مومن اپنے ایمان کا کھل کر اظہار نہیں کر رہے ہیں بلکہ فرعون کا خیر خواہ ظاہر کر کے کہتے ہیں: آج تمہاری حکومت ہے۔ آج تمہاری بالادستی ہے۔ اپنی عاقبت کا سوچو۔

۲۔ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا: اگر ہم پر عذاب آ گیا تو ہماری کون مدد کرے گا۔ یہ لہجہ بظاہر غیر جانبدارانہ ہے لیکن فی الواقع ایک دعوت فکر ہے۔

۳۔ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى: فرعون اپنی رائے کے صائب ہونے پر مصر ہے۔ جیسا کہ ہر جابر کا یہ مزاج ہوتا ہے کہ وہ اقتدار کے نشے میں بدمست ہوتا ہے اور کبھی اپنے فردا کے بارے میں نہیں سوچتا، نہ ہی کسی ناصح کی نصیحت پر توجہ دیتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور جو شخص ایمان لایا تھا کہنے لگا: اے میری قوم! مجھے خوف ہے کہ تم پر کہیں وہ دن نہ آئے جیسا (پہلی) امتوں پر آیا تھا،

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ

۳۱۔ جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے

وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝۳۱

بعد والی امتوں پر آیا تھا اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝۳۲ۙ

۳۲۔ اور اے میری قوم! مجھے تمہارے بارے میں فریاد کے دن (قیامت) کا خوف ہے۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳

۳۳۔ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے تمہیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ: مومن آل فرعون کی نصیحت جاری ہے۔ اس مومن کے پیغمبرانہ اقوال دیکھ کر بعض کو یہ خیال گزرا کہ اس جگہ الَّذِيْٓ اٰمَنَ سے مراد خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

۲۔ يَوْمَ الْاَحْزَابِ: احزاب سے مراد گزشتہ قومیں ہیں جن کا ذکر بعد کی آیت میں آ رہا ہے۔

۳۔ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ: مجھے خوف ہے تمہاری سرنوشت بھی قوم نوح، عاد اور ثمود کی طرح نہ ہو جائے چونکہ صورت حال ایک جیسی ہے۔ ان کی طرف بھی اسی طرح رسول آئے تھے جیسے اب موسیٰ علیہ السلام آئے ہیں اور تمہاری قوم موسیٰ کی اسی طرح تکذیب کر رہی ہے جیسے ان قوموں نے تکذیب کی تھی۔ لہٰذا عذاب بھی اسی طرح آ سکتا ہے جیسے ان قوموں پر آیا تھا۔

۴۔ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا: اگر عذاب آیا تو یہ خود تمہارے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ اللہ ہر قسم کی ظلم و زیادتی سے مبرا ہے۔

۵۔ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ: يَوْمَ التَّنَادِ فریاد کے دن سے مراد روز قیامت ہے، جس میں کافر لوگ مدد کے لیے پکاریں گے مگر کوئی مدد کو آنے والا نہیں ملے گا۔

۶۔ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ: قیامت کے دن عذاب کا مشاہدہ کرنے پر تم اس عذاب سے بھاگنا شروع کرو گے لیکن اللہ کی حکومت سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔، نہ کوئی بچانے والا ہوگا۔

۷۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ: جس سے مصدر ہدایت (اللہ) ہاتھ اٹھا لے اور اس کے نتیجے میں گمراہی کے گھڑے میں گر جائے، اسے کہاں سے ہدایت ملے گی؟

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور بتحقیق اس سے پہلے یوسف واضح دلائل کے ساتھ تمہارے پاس آئے مگر تمہیں اس چیز میں شک ہی رہا جو وہ تمہارے پاس لائے تھے یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہوا تو تم کہنے لگے: ان کے بعد اللہ کوئی پیغمبر مبعوث نہیں کرے گا اس طرح اللہ ان لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے جو تجاوز کرنے والے، شک کرنے والے ہوتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ: مومن آل فرعون کی ناصحانہ گفتگو جاری ہے۔ فرمایا: موسیٰ سے پہلے تمہارے پاس یوسف واضح دلائل کے ساتھ آئے تھے۔

یہاں ایک سوال ذہنوں میں آتا ہے کہ کیا حضرت یوسف علیہ السلام قوم مصر کی طرف ایک نبی مرسل کے طور پر مبعوث ہوئے تھے؟ اگر ایسا ہے تو آپ علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ سے صرف خزائن الارض کی وزارت کیوں مانگی؟ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ...۔[1]

اس سوال کا جواب آسان نہیں ہے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کی نوعیت معلوم نہیں ہے۔ ممکن ہے آپ علیہ السلام کو دعوت کا حکم نہ تھا صرف عادلانہ طور پر حکومت کرنے، عدل و انصاف متعارف کرانے کا حکم تھا اور آل ابراہیم کا تعارف اور آزمائش مقصود تھی۔ حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کر کے کنعان کو اپنا مستقر بنائیں اور ایک فرزند کو حجاز کی خشک وادی میں آباد فرمائیں۔ آپ علیہ السلام کی آل میں سے چند ہستیاں مصر میں آباد ہوں۔ مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دعوت اور تحریک کا آغاز کرنا تھا۔ اس کے لیے اس تحریک سے پہلے آل ابراہیم کو ان مراحل سے گزارنا مقصود ہو سکتا ہے۔

۲۔ بِالْبَيِّنٰتِ: حضرت یوسف علیہ السلام واضح دلائل لے کر آئے تھے۔ یہاں بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے کوئی دعوت پیش نہیں کرنا تھی اور کوئی توحیدی تحریک نہیں چلانی تھی تو بینات کی کیا ضرورت تھی؟ پھر وہ بینات کیا ہیں؟

جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جس مقصد کے لیے نبی بنایا گیا تھا اس کے لیے بھی بینات کی ضرورت تھی۔ مثلاً اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تمہید کے طور پر بھیجا گیا ہو تو بھی آپ علیہ السلام کی شخصیت کی

[1] ۱۲ یوسف: ۵۵

طرف متوجہ ہونے کے لیے بینات لازم تھیں۔

رہا یہ سوال کہ وہ بینات کیا تھیں؟ جواب یہ ہے کہ وہ بینات یہ ہیں:

i۔ آپ علیہ السلام کی پاک دامنی۔

ii۔ بچے کی آپ علیہ السلام کے حق میں گواہی۔

iii۔ خواب کی سچی تعبیر۔

iv۔ مصری خواتین کا اعتراف۔

v۔ ایک عادلانہ حکومت کا قیام۔

vi۔ ملک کو مہلک قحط سے بچانا۔

۳۔ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ: حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی قسم کی توحیدی تحریک نہیں چلائی تھی اس لیے ان کی تکذیب و تردید کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ صرف اس آیت میں شک کا ذکر ملتا ہے۔ اس شک کی تفصیل نہیں ملتی۔ قرآن نے صرف اتنا فرمایا: یوسف علیہ السلام جو کچھ تمہارے پاس لائے تھے اس میں ان کو شک رہا۔ وہ کیا چیز تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام لے کر آئے تھے؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو کچھ پیش کیا وہ عدل و انصاف کی ایک لازوال مثال تھی۔ اس میں شک کا مطلب کیا یہ ہے کہ وہ پیغمبر تھے یا نہ تھے؟ ظاہر آیت سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔ کیا ان کی زندگی میں ان کی رسالت پر شک کیا؟ یا زندگی کے بعد انہیں رسول تسلیم کیا؟ ایک امکانی صورت یہ ہے کہ حضرت علیہ السلام کی نبوت پر شک کرنے والوں سے مراد صرف بنی اسرائیل ہو سکتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے ان کی رسالت کو قبول کیا ہو، ورنہ مصر والوں نے کسی کی رسالت کو کبھی قبول کیا ہو، اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا بلکہ فراعنہ کے زمانے کے لوگوں کی باتوں سے اس کے برعکس ثابت ہوتا ہے لیکن سیاق آیت اس توجیہ کے مطابق نہیں ہے چونکہ بظاہر وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ کے مخاطب مصری ہیں۔ اسی طرح قُلْتُمْ ہے۔

۴۔ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا: اس کا ظاہری معنی یہ بنتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا وصال ہوا تو انہیں رسول تسلیم کیا۔ ساتھ یہ عقیدہ بھی قائم کیا کہ ان کے بعد کوئی رسل نہیں آئے گا۔ ممکن ہے یہ عقیدہ رکھنے والے بنی اسرائیل ہوں۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ	۳۵۔ جو اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر ایسی دلیل کے جو اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہو (ان کی) یہ بات اللہ اور ایمان لانے

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

والوں کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے، اسی طرح ہر متکبر، سرکش کے دل پر اللہ مہر لگا دیتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ: جو آیات اور معجزات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں، ان میں کج بحثی کرتے ہیں۔

۲۔ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ: ان آیات کے خلاف ان کے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ صرف اندھی تقلید کی بنیاد پر ان آیات میں جدال کرتے ہیں۔

۳۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ: اللہ کی آیات کو بغیر دلیل کے رد کرنا اللہ کے ہاں انتہائی مبغوض، ناپسندیدہ عمل ہے نیز اہل ایمان بھی اسے شدید ناپسند کرتے ہیں۔

۴۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ: اس جرم میں وہ لوگ مبتلا رہتے ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا ہاتھ ان سے اُٹھا لیتا ہے تو اس کے بعد گمراہی کے سوا کوئی صورت نہیں رہتی ہے۔ ان سے ہاتھ اٹھانے کی وجہ ان کا متکبر، جبار اور سرکش ہونا ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

۳۶۔ اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ، شاید میں راستوں تک رسائی حاصل کر لوں،

۳۷۔ آسمانوں کے راستوں تک، پھر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور میرا گمان یہ ہے کہ موسیٰ جھوٹا ہے، اس طرح فرعون کے لیے اس کی بدعملی کو خوشنما بنا دیا گیا اور وہ راہ راست سے روک دیا گیا اور فرعون کی چال تو صرف گھاٹے میں ہے۔

تشریح کلمات

صَرْحًا: (ص ر ح) بلند عمارت

الْاَسْبَابَ: (س ب ب) سبب اصل میں اس رسی کو کہتے ہیں جس سے درخت خرما وغیرہ پر چڑھا

جائے۔ پھر اسی مناسبت سے ہر اس شے کو سبب کہا جاتا ہے جو دوسری شے تک رسائی کا ذریعہ بنتی ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ: فرعون اس مومن کے منطقی استدلال کا جواب تو نہ دے سکا البتہ ایک تمسخر کے طور پر کہا ہوگا: موسیٰ کا خدا زمین پر تو ہے نہیں، آسمان میں دیکھتا ہوں۔ بعض کا خیال ہے کہ فرعون، موسیٰ علیہ السلام کا خدا تلاش کرنے کے لیے ایک رصد گاہ بنانا چاہتا تھا تاکہ اپنی قوم کو دھوکہ دے سکے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کوئی خدا نہیں ہے۔ اس آیت کی تشریح سورہ قصص آیت ۳۸ میں گزر چکی ہے اور مستشرقین کے اعتراض کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

۲۔ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ: طاغوت اور سرکش لوگ چونکہ فطرت سے بہت دور اور قدروں کے پیمانے بدل چکے ہوتے ہیں اس لیے ان کی باغیانہ نگاہ میں جرم خوشنما ہو جاتا ہے اور ظلم و زیادتی ان کے نزدیک عدل و انصاف سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔

۳۔ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ: سوء عمل مزیّن ہونے، برائی اچھی لگنے کی وجہ سے اسے راہ راست سے دور کر دیا گیا۔

۴۔ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توحیدی تحریک کے خلاف فرعون کی تمام تر سازش ناکام ہو کر رہ جائے گی۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور جو شخص ایمان لایا تھا بولا: اے میری قوم! میری اتباع کرو، میں تمہیں صحیح راستہ دکھاتا ہوں۔

تفسیر آیات

ایسا معلوم ہوتا ہے یہ مومن اپنا پیغمبرانہ موقف اختیار کرتے ہوئے اس مرحلے میں آ کر اپنے ایمان کا اظہار کر کے تبلیغ شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ فرعون کے وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ کے جواب میں فرمایا: اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ

۳۹۔ اے میری قوم! یہ دنیاوی زندگی تو صرف تھوڑی دیر کی لذت ہے اور آخرت یقیناً دائمی

الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾　　قیام گاہ ہے۔

دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی میں موازنہ کر کے ضمیروں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ جو برائی کا ارتکاب کرے گا اسے اتنا ہی بدلہ ملے گا اور جو نیکی کرے گا وہ مرد ہو یا عورت اگر صاحب ایمان بھی ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں بیشمار رزق ملے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً: ایک اہم نکتے کی وضاحت ہوگئی کہ گناہ کی مناسبت سے سزا ملے گی۔

۲۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا: لیکن نیکی کے ثواب کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔ یہاں جو ثواب ملے گا اسے وصف و حساب میں نہیں لایا جا سکتا۔

واضح رہے قرآن جب دنیوی نعمتوں کے بارے میں رزق بغیر حساب فرماتا ہے تو بغیر حساب کا مطلب تفضّل ہے چونکہ انسان اللہ تعالیٰ کا مملوک ہے۔ مملوک جو کام کرے وہ مالک کا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جو کچھ بھی دیا جائے گا وہ بلا استحقاق اور تفضّل ہے۔ اپنے فضل و کرم سے عنایت فرماتا ہے۔

۳۔ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى: اس بات کی بھی وضاحت ہوگئی کہ عمل و ایمان کے اعتبار سے مرد اور عورت برابر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ یوں اس جاہلی موقف کو مسترد کر دیا کہ عورت ناپاک جنس ہے۔

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

۴۱۔ اور اے میری قوم! آخر مجھے ہوا کیا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آتش کی طرف بلاتے ہو؟

۴۲۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اسے اللہ کا شریک قرار دوں جس کا مجھے علم ہی نہیں ہے اور میں تمہیں بڑے غالب آنے والے، بخشنے والے اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو اس کی نہ دنیا میں کوئی دعوت ہے اور نہ آخرت میں اور ہماری بازگشت یقیناً اللہ کی طرف ہے اور حد سے تجاوز کرنے والے تو یقیناً جہنمی ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَیٰقَوْمِ مَالِیْٓ اَدْعُوْکُمْ: مومن آل فرعون اپنے پیغمبرانہ دعوت کو جاری رکھتے ہوئے اپنے موقف اور مشرکین کے موقف میں موازنہ کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں: میں تمہیں آتش جہنم سے نجات کی طرف بلاتا ہوں، تم مجھے آتش کی طرف بلا رہے ہو۔

۲۔ مَالَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ: تمہارے موقف پر کوئی دلیل نہیں ہے جو ثابت کرے کہ اللہ کا کوئی شریک موجود ہے۔ یہ شریک تمہارے وہم و خیال میں موجود ہے۔

جب کہ میرے موقف پر دلیل موجود ہے کہ اس کائنات کے نظام کی وحدت اس کے خالق کی وحدت پر دلیل ہے۔

۳۔ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ: اپنے موقف پر دلیل پیش کر رہے ہیں کہ جس شریک کی طرف تم بلا رہے ہو اس کی طرف سے نہ کوئی رسول آیا، نہ کوئی کتاب نازل ہوئی، نہ کوئی معجزات پیش کیے گئے لہٰذا تمہارے شریکوں کی طرف سے نہ دنیا کے لیے کوئی دعوت ہے کہ ان کی طرف سے کوئی دستور حیات دیا گیا ہو، نہ آخرت کے لیے کوئی دعوت ہے کہ ابدی زندگی کی سعادت کا کوئی پیغام دیا گیا ہو۔

فَسَتَذْکُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَکُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ جو بات (آج) میں تم سے کہہ رہا ہوں (کل) تم اسے ضرور یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ بندوں پر خوب نگاہ کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَسَتَذْکُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَکُمْ: جب عذاب الٰہی تم پر نازل ہوگا اور نجات کے سارے راستے تم پر بند ہو جائیں گے تو اس وقت تمہیں میری نصیحتیں یاد آئیں گی۔

۲۔ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ: یہاں ایک بات ذہن میں آنا ممکن ہے کہ اے مومن آل فرعون!

تم کسی آنے والے ممکنہ عذاب کی بات کر رہے ہو، عذاب تو تمہارے سر پر منڈلا رہا ہے. تم فرعون جیسے جابر کے سامنے ایسی باتیں کر رہے ہو۔ اس ممکنہ سوال کے جواب میں ایک نہایت ایمان اور یقین پر مبنی بات کرتے ہیں: میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ مجھے بچائے گا۔

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ: میں اللہ کی نگاہ میں ہوں. وہ دلوں کی کیفیت جانتا ہے لہٰذا مجھے کسی کا کوئی خوف نہیں ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ پس اللہ نے اس (مومن) کو ان کی بری چالوں سے بچایا اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔

تفسیر آیات

چنانچہ ہوا بھی ایسا۔ اس مومن نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا تو اللہ نے فرعونیوں کی بری چال سے بچا لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے فرعونیوں نے اس مومن کے خلاف کوئی قدم اٹھایا ہے جسے اللہ نے ناکام بنایا اور آل فرعون کو اس عذاب نے آلیا جس کی اس مومن نے پیش گوئی فرمائی تھی۔

اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ ۫ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ وہ لوگ صبح و شام آتش جہنم کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور جس دن قیامت برپا ہو گی (تو حکم ہو گا) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا: آل فرعون برزخی زندگی میں آگ کے سامنے صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ برزخی عذاب کا ذکر ہے۔

۲۔ وَیَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ: قیامت کے دن کا عذاب، برزخی عذاب سے زیادہ شدید ہو گا۔

اس آیت سے اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ برزخی زندگی یا تو شہیدوں اور بلند درجات والوں کو ملے گی یا سنگین جرائم کے مرتکب کافروں کے لیے ہو گی۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور جب وہ جہنم میں جھگڑیں گے تو کمزور درجے کے لوگ بڑا بننے والوں سے کہیں گے: ہم تو تمہارے تابع تھے، تو کیا تم ہم سے آتش کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو؟

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ بڑا بننے والے کہیں گے: ہم سب اس (آتش) میں ہیں، اللہ تو بندوں کے درمیان یقیناً فیصلہ کر چکا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ: شکست خوردہ لوگ شکست کے بعد آپس میں لڑتے جھگڑے ہیں۔ اہل جہنم میں جھگڑے کا قرآن میں دیگر مقامات پر بھی ذکر ہوا ہے۔

۲۔ کمزور درجے کے لوگ ان بڑے لوگوں سے، جن کی وہ دنیا میں تابعداری کرتے رہے ہیں یہاں بھی توقعات کا اظہار کریں گے۔

۳۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ: توقع یہ ظاہر کریں گے کہ کیا تم آتش کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو؟ انہیں معلوم ہے کہ وہ نہیں بچا سکتے۔ شاید یہ بات صرف انہیں مزید خوار کرنے کے لیے کہہ رہے ہوں گے یا دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے کہہ رہے ہوں گے یا ممکن ہے دنیا میں ان سرداروں کے آگے ہاتھ پھلانے کی عادت راسخ ہوگئی تھی اس کے تحت آخرت میں ان کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہوں۔

۴۔ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا: سرداروں کی طرف سے جواب ملے گا: جس جہنم میں تم ہو اس میں ہم بھی ہیں۔ ہم اگر جہنم سے باہر ہوتے تو امکان کا تصور ہے کہ ہم تمہارے لیے کچھ کر سکیں گے مگر قیدی دوسرے قیدی کو کیسے چھڑا سکتا ہے۔

۵۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ: جہنم میں آنے کی نوبت اللہ کے فیصلے کے مطابق آئی ہے۔ اللہ کے فیصلے کو کون ٹال سکتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا

۴۹۔ اور جو لوگ آتش جہنم میں ہوں گے وہ جہنم کے کارندوں سے کہیں گے: اپنے پروردگار سے

يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾

درخواست کرو کہ ہم سے ایک دن کے لیے عذاب میں تخفیف کرے۔

تفسیر آیات

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ: اہل جہنم کو اس بات کا تو علم ہو گیا کہ یہ عذاب چند دنوں کے لیے نہیں، دائمی اور بلا فاصلہ ہے۔ دوسری یہ بات بھی ان کے علم میں آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعا نہیں سنے گا۔ اس لیے وہ جہنم کے خزانہ داروں سے درخواست کریں گے کہ وہ اللہ سے درخواست کریں۔ وہ صرف ایک دن کے لیے پورے عذاب کے ختم ہونے کی نہیں بلکہ اس میں تخفیف کی تمنا کرتے ہیں۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ وہ کہیں گے: کیا تمہارے پیغمبر واضح دلائل لے کر تمہارے پاس نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں تو وہ کہیں گے: پس درخواست کرتے رہو اور کفار کی درخواست بے نتیجہ ہی رہے گی۔

تفسیر آیات

۱۔ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ: جہنم کے کارندے جواب میں کہیں گے: کیا تمہارے پاس واضح دلائل کے ساتھ اللہ کے رسولوں نے حجت پوری نہیں کی تھی۔

۲۔ قَالُوْا بَلٰى: وہ کہیں گے ہاں! رسول بھی آئے تھے، حجت بھی پوری کی تھی۔

۳۔ قَالُوْا فَادْعُوْا: اگر واضح دلائل کے ساتھ حجت پوری ہونے کے بعد تم نے انکار کیا تھا تو آج تمہاری دعا کے سنے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اگر پیغام نہ پہنچا ہو، حجت پوری نہ ہوئی ہو تو دعا سنے جانے کا امکان ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے رہیں گے اور اس روز بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور مومنوں کی نصرت فرمائے گا۔ اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور یہ بھی وعدہ ہے جسے اللہ کی نصرت میسر آتی ہے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا:

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ....[1] (مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔

کسی مشن کی کامیابی و ناکامیابی اس کے انجام کے اعتبار سے ہے۔ کسی تحریک نے اپنے لیے جس مقصد کا تعین کیا ہے وہ حاصل ہو جاتا ہے تو کامیابی ہے۔ دوسری صورت میں ناکامی ہے۔

یہاں سوال یہ آئے گا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے سامنے کیا مقصد رکھا ہے؟ کیا وہ مقصد اہل حق کا اس طرح غلبہ ہے کہ اہل باطل کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور معاملہ یکطرفہ ہو جائے۔ یعنی اہل حق کے موجود رہنے کا حق رہ جائے؟ یا یہ مقصد دیا ہے کہ اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچانے اور لوگوں پر حجت پوری کرنے کے لیے آواز حق کو زندہ کیا جائے؟

اگر اللہ نے پہلا مقصد اپنے رسولوں کے سامنے رکھا ہے تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل باطل ابھی تک اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہیں۔ اللہ کا وعدۂ نصرت کب پورا ہو گا؟ اور اگر اللہ نے دوسرا مقصد سامنے رکھا ہے تو صاف نظر آتا ہے اللہ نے اپنا وعدہ نصرت پورا کیا ہے۔ آج آواز حق اپنی پوری قوت کے ساتھ زندہ ہے۔

آج نمرود و فرعون کی طاقت خاک میں مل گئی ہے لیکن کرۂ ارض پر ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام زندہ ہیں۔ ابوجہل تاریخ کی تاریک تہوں میں دفن ہو گیا ہے مگر عبد اللہ کے یتیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول بالا ہے۔ یزید کا نام داخل دشنام ہے جب کہ حسین علیہ السلام کا نام فاتحین میں سرفہرست ہے۔

لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ آواز حق کو اللہ کی نصرت حاصل رہی ہے اور یہ اپنی پوری طاقت و قوت کے ساتھ زندہ ہے جب کہ حق کو دبانے کی کوشش کرنے والی قوتیں اپنے مقصد میں ناکام ہیں۔

درست ہے باطل قوتیں ہماری سرزمینوں، اقتصادیات اور ہمارے سیاسی امور پر تسلط قائم کرتی ہیں لیکن حق کی آواز کو خود ان کے اپنے ملکوں میں پذیرائی مل رہی ہے۔ وہ ہمارے درمیان مادی طاقت کا نفوذ کرتے ہیں جو وقتی اور ناپائیدار ہے اور حق ان کے ذہنوں میں نفوذ کر رہا ہے جو ابدی اور دائمی ہے۔ فافھم ذلک۔

فرانس میں حجاب پر اور سوئزرلینڈ میں مساجد کے میناروں پر پابندی نفوذ حق سے خائف ہونے

---

[1] ۳ آل عمران: ۱۶۰

والوں کی پریشانی حال کا مظہر ہے۔

۲۔ وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ: جس دن گواہ اللہ کی عدالت میں پیش ہوں گے اس دن بھی اللہ اپنے رسولوں اور مومنین کی نصرت فرمائے گا۔ البتہ دنیا اور آخرت کی نصرت میں فرق ہو گا۔ دنیا دار امتحان ہے۔ یہاں باطل کو بھی سرکشی کی مہلت دی جاتی ہے۔ حق کی آواز مٹانے کی باطل کی کوشش ناکام بنا دی جاتی ہے اور اہل حق کو اللہ نصرت عطا فرماتا ہے۔

جب کہ قیامت کے دن کی نصرت یہ ہے کہ رسولوں اور مومنوں کو نعمتوں سے نوازا جائے گا اور ان کے دشمنوں کو دائمی رسوائی اور عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اس روز ظالموں کو ان کی معذرت فائدہ نہیں دے گی اور ان پر لعنت پڑے گی اور ان کے لیے بدترین ٹھکانا ہو گا۔

تفسیر آیات

۱۔ قیامت کے دن یہ لوگ اپنی معذرت پیش ہی نہیں کر سکیں گے:

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ [1]　　اور انہیں اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ عذر پیش کریں۔

یا ان کی معذرت قبول نہ ہو گی چونکہ معذرت قبول کرنا ایک قسم کی رحمت ہے۔

۲۔ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ: قیامت کے دن وہ ہر قسم کی رحمت سے دور ہوں گے لہٰذا ان کی کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

۵۳۔ اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو ہم نے اس کتاب کا وارث بنایا،

۵۴۔ جو صاحبان عقل کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی.

تفسیر آیات

۱۔ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لحاظ سے ہے۔ اللہ کا یہ ارشاد ہے: ہم نے موسیٰ کو فرعون کے مقابلے کے لیے مامور کیا تو انہیں کامیاب بنانا ہمارے ذمے تھا، چنانچہ موسیٰ کو ہم نے کامیاب بنایا اور بنی اسرائیل کو مظلومیت کے بعد کتاب کا وارث بنا دیا۔

---

[1] ۷۷ مرسلات ۳۶

اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک لطیف اشارہ ہے:
جس نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون جیسے طاغوت کے مقابلے میں کامیابی عنایت کی ہے وہ آپ ﷺ کو بھی کامیابی عنایت کرے گا۔

۲۔ هُدًى وَّذِكْرٰى: جو کتاب بنی اسرائیل کو دی گئی ہے وہ ہدایت اور نصیحت پر مشتمل تھی۔ اس ہدایت اور نصیحت کو صاحبان عقل وخرد سے سروکار تھا۔ صاحبان عقل سے توقعات وابستہ کرنا خود دلیل ہے اس بات کی کہ یہ باتیں حق وحقیقت پر مبنی ہیں۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ پس آپ صبر کریں، یقیناً اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اپنے گناہ کے لیے استغفار کریں اور صبح و شام اپنے رب کی ثناء کے ساتھ تسبیح کریں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ بیان کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرمایا: جب طاغوتوں کا انجام آپ نے دیکھ لیا تو درپیش مشکلات میں صبر سے کام لیں۔ ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی مدد کرنے والے ہیں۔ وعدۂ فتح ونصرت کے بعد صبر کا حکم دیا تاکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے صبر کرنا آسان ہو جائے۔ البتہ یہ صبر اتنا آسان بھی نہیں ہوتا چونکہ اللہ کی طرف سے فتح ونصرت انتہائی مشکلات سر کرنے کے بعد آتی ہے۔

۲۔ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ: اپنے گناہ کے لیے استغفار کر۔ اس آیت میں وعدہ نصرت کے بعد استغفار کا حکم اس بات کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ آپؐ کی تحریک میں کچھ افراد کی وجہ سے جو قصور موجود ہے۔ اس کی تلافی کر۔ چونکہ غفران کے ایک معنی تلافی کے ہیں۔ جیسا کہ سورہ فتح آیت ۱،۲ میں فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ...

(اے رسول) ہم نے آپ کو فتح دی، ایک نمایاں فتح۔ تاکہ اللہ آپ کی (تحریک کی) اگلی اور پچھلی خامیوں کو دور فرمائے۔

اس آیت میں فتح مبین اور غفران ذنب کے درمیان ربط اسی صورت میں قائم ہوسکتا ہے اگر لِّيَغْفِرَ میں غفران کو بمعنی تلافی لیا جائے کہ ہم نے آپ کو فتح مبین سے نوازا تاکہ آپ کی تحریک میں موجود اگلی اور پچھلی کوتاہیوں کی تلافی ہو جائے۔ والعلم عند اللّٰہ۔

۳۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ: ساتھ تسبیح کا حکم بھی فتح ونصرت کی صورت میں آیا کرتا ہے۔ جیسے اِذَا جَآءَ

نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۔[1] کے آخر میں حکم ہوا: فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ .... [2]

لہٰذا فتح و نصرت حاصل ہونے کے موقع پر تسبیح و استغفار کا حکم اور ان کا آپس میں ربط قابل غور اور مطالعہ ہے۔ ان میں ربط اور راز صرف ائمہ علیہم السلام بتا سکتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰىہُمۡ ۙ اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ اِلَّا کِبۡرٌ مَّا ہُمۡ بِبَالِغِیۡہِ ۚ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، ان کے دلوں میں بڑائی کے سوا کچھ نہیں، وہ اس (بڑائی) تک نہیں پہنچ پائیں گے، لہٰذا آپ اللہ کی پناہ مانگیں، وہ یقیناً خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اس سورہ میں موجود متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہو رہا تھا اس وقت کفار مکہ نے کج بحثیاں شروع کر کے مختلف شبہات پیدا کر دیے اور الزامات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ان کج بحثیوں میں یہ لوگ بغیر کسی قسم کی سند اور حوالے کے باتیں اٹھاتے تھے اور بغیر سلطان، دلیل و منطق کے صرف اندھی تقلید اور واہموں کی بنیاد پر جھگڑے چھیڑتے تھے۔

۲۔ اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ اِلَّا کِبۡرٌ: ان کے دلوں میں اگر کوئی بات ہے تو وہ صرف تکبر ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس بات سے بالاتر سمجھتے ہیں کہ بنی ہاشم کے ایک فرد کو اللہ کا رسول تسلیم کریں اور اپنی بالا دستی رکھنا چاہتے ہیں۔

۳۔ مَّا ہُمۡ بِبَالِغِیۡہِ: وہ اس بالادستی کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ اس میں ایک اہم نوید ہے کہ یہ لوگ عنقریب زیر ہونے والے ہیں۔

۴۔ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ: آپ اللہ کی پناہ میں آ جائیں۔ وہ آپ کی باتیں سننے اور آپ کے حالات پر نظر رکھنے والا ہے۔

دشمنوں کی ذلت و خواری کی نوید اور اللہ کی پناہ، مشکل ترین حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بہت بڑی تقویت ہے۔

---

[1] ۱۱۰ نصر: ۱　　[2] ۱۱۰ نصر: ۳ اپنے رب کی ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے خلق کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر آیات

۱۔ اگرچہ اس کائنات میں انسان اور حیات کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی اور معجزہ ہے تاہم ایک بے بیکراں کائنات کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کہیں زیادہ بڑا کام ہے۔

سورہ نازعات: ۲۷ میں فرمایا:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۝

کیا تمہارا خلق کرنا زیادہ مشکل ہے یا اس آسمان کا جسے اس نے بنایا ہے؟

اس آیت کا مفہوم بھی یہی ہے کہ آسمانوں کا بنانا زیادہ اشد و اکبر ہے تو تمہارا یہ کہنا نہایت نادانی ہے: ان بوسیدہ ہڈیوں کو اللہ دوبارہ کیسے پیدا کرے گا؟ کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ انسان کے دوبارہ بنانے سے کائنات کا بنانا زیادہ سنگین کام تھا جسے اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا ہے تو انسان کو دوبارہ خلق کرنے میں اللہ کو کون سی دشواری پیش آئے گی۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے نیز نہ ہی ایماندار اور عمل صالح بجالانے والے اور بدکار، تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ آخرت کا ہونا لازمی امر ہے ورنہ یہ کائنات بے مقصد اور عبث ہو جاتی ہے لہٰذا عدل الٰہی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ قیامت ہو۔ جہاں ایمانی بصیرت رکھنے والے اندھوں کے برابر نہ ہوں گے اور نیک اعمال بجالانے والے، بدکاروں کے برابر نہ ہوں گے۔

قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ: کیا اس بات سے نصیحت نہیں لیتے کہ اس کائنات کی ساخت اور اس میں ظالم و مظلوم کا ہونا، صالح اور بدکار کا وجود عدل و انصاف کا متقاضی ہے۔ کوئی عدالت ایسی ہونی چاہیے جہاں ان میں فیصلہ ہو۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر آیات

صالح اور بدعمل، ظالم اور مظلوم کے برابر نہ ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ قیامت کا آنا ناقابل تردید حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن مجید میں تصور آخرت کی سب سے زیادہ تاکید کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور تمہارا پروردگار فرماتا ہے: مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ از راہ تکبر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں یقیناً وہ ذلیل ہو کر عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ اُدْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ: اس آیت مبارکہ میں ایک حکم، ایک وعدہ ہے: اُدْعُوْنِيْۤ مجھے پکارو، مجھ سے مانگو ایک حکم ہے۔ اَسْتَجِبْ لَكُمْ میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، ایک وعدہ ہے۔ یہ بات اپنی جگہ مسلم اور یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُفْتَحَ بَابَ الدُّعَاءِ وَ يُغْلِقَ عَلَيْهِ بَابَ الْاِجَابَةِ۔ [1]

اللہ ایسے نہیں کر سکتا کہ دعا کا دروازہ کھولے اور قبول دعا کا دروازہ بند کر دے۔

بات رہ جاتی ہے حکم کی تعمیل کی۔

اُدْعُوْنِيْۤ: مجھ سے مانگو۔ اس حکم کی تعمیل قابل توجہ، اہمیت کی حامل اور تقدیر ساز ہے۔ انسان سے دعا صادر ہو جائے، اللہ تعالیٰ کو پکار لے، اپنے معبود سے مانگنے کا عمل وجود میں آ جائے۔ اس تقدیر ساز عمل کا وجود چند عناصر کی ترکیب سے ممکن ہے:

الف۔ دعا خشوع قلب سے ہو، انسان کا پورا وجود سراپا احتیاج بن جائے، طلب اور درخواست کا اظہار پورے وجود سے ہو۔ جس طرح انسان بھوک سے نڈھال ہو جاتا ہے تو اس کا اظہار پورا وجود کرتا اور پورے وجود سے کھانے کی طلب اور درخواست ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا

---

[1] وسائل الشیعۃ ۷: ۲۷

ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ....[1] اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کرو، عاجزی اور خاموشی کے ساتھ۔

حدیث نبوی ہے:

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ دُعَاءَ قَلْبٍ سَاهٍ۔[2] اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اذا اقشعر جلدك و دمعت عيناك و وجل قلبك فدونك دونك فقد قصد قصدك۔[3] اگر دعا کے وقت تجھ پر لرزہ طاری ہو جائے، آنکھیں اشکبار ہوں، دل میں خوف آ جائے تو سمجھ لے تیری حاجت تیرے سامنے ہے۔ تیرا مقصد حاصل ہے۔

ب۔ معرفت: اس بات کی معرفت کے ساتھ دعا ہونی چاہیے کہ میں کس کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں۔

روایت ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال ہوا: کیا وجہ ہے ہم دعائیں کرتے ہیں قبول نہیں ہوتیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

لِاَنَّكُمْ تَدْعُونَ مَنْ لَا تَعْرِفُونَهُ۔[4] وہ اس لیے کہ تم ایسی ذات کو پکارتے ہو جس کی تم معرفت نہیں رکھتے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

لَوْ عَرَفْتُمُ اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَةِ لَزَالَتِ الْجِبَالُ بِدُعَائِكُمْ۔[5] اگر تم اللہ کی اس طرح معرفت حاصل کرو جیسی معرفت کا حق ہے تو تمہاری دعاؤں سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔

ج۔ قبولیت کا عقیدہ ہو: دعا کرتے ہوئے اس بات پر اطمینان اور عقیدہ ہونا چاہیے کہ ایسی ذات کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا رہا ہوں جہاں سے کوئی سوالی خالی ہاتھ واپس نہیں ہوتا۔

حدیث نبوی ہے:

ادْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْاِجَابَةِ۔[6] اللہ سے اس حال میں دعا کرو کہ قبولیت پر یقین ہو۔

نیز حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بِی فَلَا يَظُنَّ بِی میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں لہٰذا

---

[1] الاعراف: ۵۵ [2] الوسائل ۷: ۵۳ [3] عدة الداعی: ۱۶۷ [4] مستدرك الوسائل ۵: ۱۹۱
[5] مستدرك الوسائل ۱۷: ۳۰۱ [6] مستدرك الوسائل ۵: ۱۹۰

اِلَّا خَیْراً۔[1]　　مجھ سے حسن ظن رکھو۔

د۔ قانون طبیعت کی خلاف ورزی نہ کرے: اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قانون فطرت و طبیعت کی خلاف ورزی کر کے دعا کرتا ہے، اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔

حدیث نبوی ہے:

خمسة لا یستجاب لهم احدهم رجل مر بحائط مائل و هو یقبل الیه و لم یسرع المشی حتی سقط علیه...۔[2]

پانچ افراد کی دعا قبول نہ ہوگی: ایک وہ شخص جو گرنے والی دیوار کی طرف جا رہا ہو اور گزرنے میں تیزی نہ کرے یہاں تک کہ دیوار اس پر گر جائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اَرْبَعَةٌ لَا تُسْتَجَابُ لَهُمْ دَعْوَةٌ۔ رَجُلٌ جَالِسٌ فِی بَیْتِهِ یَقُولُ اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِی فَیُقَالُ لَهُ اَلَمْ آمُرْكَ بِالطَّلَبِ...۔[3]

چار افراد کی دعا قبول نہ ہوگی۔ ایک وہ جو گھر بیٹھ کر دعا کرتا ہے: اے اللہ! مجھے روزی دے۔ اس سے کہا جائے گا کیا میں نے تجھے روزی کمانے کا حکم نہیں دیا تھا؟

ھ۔ بدعمل نہ ہو: ایک طرف اللہ کے حکم عدولی کو اپنا شیوہ بنایا ہو، دوسری طرف اللہ سے دعا کرتا ہو۔ ایک طرف اللہ سے منہ موڑتا ہو، دوسری طرف اللہ کی طرف رخ کر کے کچھ مانگتا ہو۔ ایسے شخص کی دعا قبول نہ ہوگی۔

حدیث نبوی ہے:

یَااَبَاذَرٍّ! مَثَلُ الَّذِی یَدْعُو بِغَیْرِ عَمَلٍ كَمَثَلِ الَّذِی یَرْمِی بِغَیْرِ وَتَرٍ...۔[4]

اے ابوذر! جو عمل کے بغیر دعا کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو کمان کے بغیر تیراندازی کرنا چاہتا ہے

دوسری حدیث میں آیا ہے:

مَنْ سَرَّهُ اَنْ یُسْتَجَابَ دَعْوَتُهُ فَلْیُطَیِّبْ كَسْبَهُ۔[5]

جسے یہ پسند ہو اس کی دعا قبول ہو تو اپنی کمائی کو پاکیزہ رکھے۔

دعا کی دیگر خصوصیات کے بارے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۱۸۶۔

۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ: جو لوگ از راہ تکبر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ آیت کے اس جملے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دعا کرنا عبادت ہے۔ دعا نہ کرنا، ترک عبادت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے:

---

[1] وسائل الشیعة ۱۵: ۲۳۱　[2] بحار الانوار۔ ۵: ۱۰۵　[3] الکافی ۲: ۵۱۶　[4] الوسائل ۷: ۸۴　[5] مستدرک الوسائل ۱۳: ۲۷

الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ...۔[1] دعا مغز عبادت ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے:

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةِ...۔[2] دعا ہی عبادت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا، اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے جو ہر چیز کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟

تفسیر آیات

۱۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ: اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تا کہ تم آرام کرو۔ رات اور دن کی آمد و رفت اللہ تعالیٰ کی آیات ربوبیت اور مدبریت میں سے ہے۔ سورہ یونس آیت ۶۷ میں آیت کے اس جملے کی تشریح ہو چکی ہے۔

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ: شب و روز کی گردش پر کرۂ ارض پر ہر ذی روح کی زندگی موقوف ہے۔ اسی لیے سورہ قصص آیت ۷۳ میں اسی گردش لیل و نہار کو رحمت خدا سے تعبیر فرمایا ہے۔

۳۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ: مشرکین اس ذات کا شکر نہیں کرتے جس نے یہ رحمت، یہ فضل و کرم عنایت کیا ہے بلکہ وہ اپنے شرکاء کی مہربانی سمجھتے ہیں۔

۴۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ: یہی اللہ تمہارا رب ہے جس نے تمہارے لیے متاع حیات اور سامان زیست فراہم کیا، نہ تمہارے بے شعور معبود۔

۵۔ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: وہ ہر شے کا خالق ہے لہٰذا خالق ہی لائق عبادت ہوتا ہے۔ اس قسم کی مختلف آیات کی روشنی میں ہم نے عبادت کی یہ تعریف اختیار کی ہے: کسی ذات کو خالق اور ربّ سمجھ کر اس کی تعظیم کرنا عبادت ہے۔

۶۔ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ: حقیقی رب تو وہ ہے جو خالق ہے۔ اسی کے قبضے میں تمہاری جان ہے۔ اس ذات

---

[1] وسائل الشیعۃ ۷: ۴۷ [2] الکافی ۲: ۴۶۷

ذات کو چھوڑ کر کس واہمے میں بھٹک رہے ہو۔

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹکتے رہے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔

تفسیر آیات

جو کافر اللہ کی ان نشانیوں کا انکار کرتے ہیں جن سے اللہ کی ربوبیت اور مدبریت واضح طور پر ثابت ہے وہ راہ نجات سے بھٹک جائیں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار اور آسمان کو عمارت بنایا اور اسی نے تمہاری صورت بنائی تو بہترین صورت بنائی اور تمہیں پاکیزہ رزق دیا، یہی اللہ تمہارا رب ہے، پس بابرکت ہے وہ اللہ جو عالمین کا رب ہے۔

تفسیر آیات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور تدبیریت پر دلالت کرنے والے واضح ترین دلائل کا ذکر ہے:

۱۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا: کرۂ ارض اللہ نے اس طرح خلق فرمایا کہ یہاں حیات کے لیے ضروری چیزیں مہیا ہوسکیں اور جائے قرار ثابت ہو۔ زندگی کے لوازم کی فراہمی میں کرۂ ارض کی تخلیق کا انداز اور نوعیت ہی بنیاد ہے۔ اسے خلق فرماتے ہوئے اس کے حجم کو ایسا رکھا کہ یہاں زندگی کا ماحول سازگار ہو چونکہ کرۂ ارض موجودہ حجم سے بڑا یا چھوٹا ہونے کی صورت میں یہاں زندگی ممکن نہ تھی۔ اس کا سورج سے فاصلہ، اس کی گردش کی مختلف قسمیں، سب کو یہاں زندگی کے لیے سازگار بنایا۔ اگر زمین کی محوری اور سورج کے گرد گردش، موجودہ گردش کی رفتار سے تیز تر ہوتی تو یہاں زندگی ممکن نہ تھی۔ اگر اس کی محوری گردش نہ ہوتی تو سمندروں کا وجود ممکن نہ تھا اور موسم بھی مختلف نہ ہوتے۔ اگر آکسیجن کا موجودہ تناسب ۲۱ فیصد سے بڑھ کر ۵۰ فیصد ہو جاتا تو یہاں آگ ہی آگ ہوتی اور اگر ۲۱ فیصد سے گھٹ کر دس فیصد رہ جاتا تو حرارت کی کمی کی وجہ سے زندگی ممکن نہ ہوتی۔ اس طرح کی ہزاروں باتیں اس زمین کے جائے قرار ہونے کے لیے لازمی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فراہم فرمائی ہیں۔ اسی لیے ہم نے تکراراً یہ بات واضح کی کہ تخلیق اور

تدبیر ناقابل تفریق ہے۔

۲۔ وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً: اور آسمان کو ایسی عمارت بنایا جو چھت کا کام دے کہ آسمانوں سے آنے والے حیات بخش شعاعوں کو آنے دے اور حیات کے منافی اور مضر چیزوں، جیسے قاتل شعاعوں اور پتھروں کو نہ آنے دے۔

۳۔ وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ: تمہاری صورت بنائی تو بہترین صورت گری فرمائی۔ انسان کو اللہ تعالیٰ جس انداز میں خلق فرمایا اس پر خود قدرت کو ناز ہے فرمایا: فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ نیز فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۔[1] بتحقیق ہم نے انسان کو بہترین اعتدال میں پیدا کیا۔ چنانچہ انسان کی ساخت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اس کی قامت، دونوں ہاتھ، اس کی انگلیاں، انگلیوں کی ساخت کا انداز، دونوں پاؤں، گردن و دیگر اعضاء و جوارح کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ اس انسان کے لیے بہت سی چیزوں کو تسخیر کرنا ممکن ہو سکے:

وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ[2] کیا ہم نے اس کے لیے نہیں بنائیں دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ؟

۴۔ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ: اور تمہیں پاکیزہ رزق دیا۔ پاکیزہ، گوارا، لذیذ اور جسم و جان سے ہم آہنگ رزق، مختلف رنگوں، خصلتوں اور لذتوں پر مشتمل عنایت فرمایا۔ ان ارزاق کی فراہمی میں صرف انسان کو زندہ رکھنا نظر میں نہیں رکھا، ورنہ اس کے لیے گندم یا جو کا دانہ کافی تھا بلکہ انسانی ذوق اور خواہشات کا بھی لحاظ رکھا ہے۔

۵۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ: یہ ہے تمہارا رب۔ جس نے زمین و آسمان کی تخلیق جو کا انداز اختیار کیا تمہاری صورت گری کے لیے جو طریقہ اپنایا اور تمہاری زندگی برقرار رکھنے اور ذوق کی تسکین کے لیے روزی فراہم کی وہ تمہارا رب ہے۔ اسی کی بندگی کرو۔

۶۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ: ان بتوں میں کیا برکت ہو گی، جو نہ صرف عالمین کے رب نہیں بلکہ اپنی ذات کے بھی رب نہیں ہیں۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۵

۶۵۔ وہی زندہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم دین کو اس کے لیے خالص کر کے اسی کو پکارو، ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جو عالمین کا پروردگار ہے۔

---

[1] ۹۵ تین: ۴ [2] ۹۰ بلد: ۹۔۱۰

تفسیر آیات

۱۔ هُوَ الۡحَیُّ: اللہ کی ذات ہی زندہ ہے۔ جو بذات خود زندہ اور دوسروں کی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ باقی تمام زندوں کی زندگی مستعار ہے۔ وہی لائق عادت ہے۔

۲۔ فَادۡعُوۡهُ: پس عقل کا تقاضا ہے حیات دہندہ کی بندگی کی جائے۔ پکارنا اسی کو چاہیے جو ہمیشہ زندہ ہو، نہ وہ غافل ہو، نہ اسے نیند آتی ہو: لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ ....[1]

۳۔ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ: بندگی میں اللہ کے علاوہ کسی موہوم معبود کو شریک نہ کیا جائے۔

۴۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ: لائق حمد وہی ہے جو عالمین کا واحد رب ہے۔

قُلۡ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الۡبَیِّنٰتُ مِنۡ رَّبِّیۡ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ کہہ دیجیے: مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلائل آ چکے ہیں اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں رب العالمین کا تابع فرمان رہوں۔

تفسیر آیات

قُلۡ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ: کہہ دیجیے غیر اللہ کی پرستش کو میں نے کسی ذاتی مفاد اور دنیوی مصلحت کی بنا پر مسترد نہیں کیا بلکہ مجھے اس سے روکا گیا ہے۔ وحی نے روکا، فطرت نے روکا، دلیل نے روکا ہے۔ چنانچہ ان سب دلائل کا مصدر اور سرچشمہ میرا ربّ ہے۔

۲۔ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ: اور ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کا تابع فرمان رہوں۔

لہٰذا غیر اللہ کی عبادت سے روگردانی اور رب العالمین کا تابع فرمان رہنا ان بینات کی بنا پر ہے جو میرے رب کی طرف سے مجھے ملی ہیں۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ

۶۷۔ وہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر لوتھڑے سے پھر تمہیں بچے کی صورت

[1] ۲ بقرۃ: ۲۵۵

يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

میں پیدا کرتا ہے پھر (تمہاری نشوونما کرتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ پھر (تمہیں مزید زندگی دیتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچ پاؤ اور تم میں سے کوئی تو پہلے ہی مر جاتا ہے اور (بعض کو مہلت ملتی ہے) تاکہ تم اپنے مقررہ وقت کو پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل سے کام لو۔

تفسیر آیات

اس آیت کی تشریح کے لیے سورہ حج آیت ۵ ملاحظہ فرمائیں

کوئی تو اپنی طبعی عمر پوری کر لیتا ہے اور کوئی طبعی عمر پوری کرنے سے پہلے مر جاتا ہے۔ اَجَلًا مُّسَمًّى مقررہ وقت ہوتا ہے جس میں تغیر و تبدیل کا امکان نہیں ہوتا خواہ کتنی لمبی عمر کیوں نہ گزاری جائے۔

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ وہی تو ہے جو زندگی دیتا ہے اور وہی موت بھی دیتا ہے پھر جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے: ہو جا! پس وہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جب کسی چیز کی ایجاد کے لیے اللہ کا صرف ارادہ کافی ہے تو اعادۂ حیات میں اسے کون سی رکاوٹ پیش آئے گی۔

۲۔ كُنْ فَيَكُوْنُ کے بارے میں تشریح پہلے ہو چکی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۚ فَسَوْفَ

۶۹۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں؟ یہ لوگ کہاں پھرے جاتے ہیں؟

۷۰۔ جنہوں نے اس کتاب کی اور جو کچھ ہم نے پیغمبروں کو دے کر بھیجا ہے اس کی تکذیب کی

يَعْلَمُوْنَ﴿۷۰﴾　　ہے، انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

تفسیر آیات

اس سورہ مبارکہ میں مشرکین کے جھگڑوں کا تیسری بار ذکر ہو رہا ہے۔ اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ ایسے حالات میں نازل ہوا ہے جب مشرکین نے طرح طرح کے شبہات اور الزامات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔

ان مشرکین کو، جو الزامات عائد اور الکتاب قرآن کی تکذیب کرتے ہیں، بتایا جا رہا ہے: اَنّٰی یُصْرَفُوْنَ وہ کہاں پھرے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی تباہی کی طرف جا رہے ہیں نیز ان کے انجام بد کے بارے میں فرمایا: فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ کس انجام بد سے دوچار ہونے والے ہیں۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ۪﴿۷۱﴾

۷۱۔ جب طوق اور زنجیریں ان کی گردنوں میں ہوں گی، گھسیٹے جا رہے ہوں گے،

فِی الْحَمِیْمِ ۬ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ﴿۷۲﴾

۷۲۔ کھولتے پانی کی طرف، پھر آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔

تشریح کلمات

الْاَغْلٰلُ: (غ ل ل) طوق کے معنوں میں ہے۔

السَّلٰسِلُ: (س ل ل) سلسلة زنجیر کے معنوں میں ہے۔

یُسْجَرُوْنَ: (س ج ر) السجر زور سے آگ بھڑکانے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

اپنے انجام بد کا انہیں اس وقت علم ہو جائے گا جب انہیں طوق اور زنجیروں میں جکڑ کر کھولتے پانی میں، پھر آتش جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَۙ﴿۷۳﴾

۷۳۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا: کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے،

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۴

۷۴۔ اللہ کو چھوڑ کر؟ وہ کہیں گے: وہ تو ہم سے ناپید ہوگئے بلکہ ہم تو پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہیں تھے، اسی طرح کفار کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے۔

تفسیر آیات

جب یہ مشرکین عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے، حقائق کھل کر ان کے سامنے آ جائیں گے اس وقت طنزیہ طور پر ان سے پوچھا جائے گا: کہاں ہیں تمہارے شریک معبود؟ وہ اعتراف کریں گے کہ ہم اوہام پرستی میں مبتلا تھے۔ جنہیں ہم پوجتے تھے آج پتہ چلا یہ غیر اللہ اپنا وجود تک نہیں رکھتے تھے۔ ہم دنیا میں ایک لا شیء کی پرستش کرتے تھے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝۷۵

۷۵۔ یہ (انجام) اس لیے ہوا کہ تم زمین میں حق کے برخلاف (باطل پر) خوش ہوتے تھے اور اس کا بدلہ ہے کہ تم اترایا کرتے تھے۔

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۷۶

۷۶۔ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جس میں تم ہمیشہ رہو گے، تکبر کرنے والوں کا کتنا برا ٹھکانا ہے۔

تشریح کلمات

تَمْرَحُوْنَ: (م ر ح) المرح کے معنی ہیں بہت زیادہ اور شدید خوشی، جس میں انسان اترانے لگ جائے۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ عذاب خود تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے کہ تم اپنے باطل پر ناحق خوش ہوتے اور حق کو ناکام دیکھ کر خوشی حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ جہاں اہل حق کو کوئی دشواری پیش آتی یا ان پر ظلم ہوتا تو تم اس پر خوش ہوتے تھے۔

۲۔ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ: اور یہ عذاب اس وجہ سے ہے کہ تم دنیا میں اپنے باطل پر مگن تھے اور اس پر اتراتے بھی تھے۔ مجمع البیان میں ہے کہ تَفْرَحُوْنَ کو بِغَيْرِ الْحَقِّ کی قید کے ساتھ اور تَمْرَحُوْنَ

کو قید کے بغیر ذکر اس لیے فرمایا کہ فرح خوشی برحق بھی ہوسکتی ہے جب کہ مرح اترانا کسی بھی صورت میں برحق نہیں ہے۔

۲۔ ان کا خوشی منانا اور اترانا ان کے تکبر کی وجہ سے تھا اور اسی تکبر کی وجہ سے وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ پس آپ صبر کریں، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، اب انہیں ہم نے جو وعدہ (عذاب) دیا ہے اس میں سے کچھ حصہ ہم آپ کو (زندگی ہی میں) دکھا دیں یا آپ کو دنیا سے اٹھالیں بہرحال انہیں ہماری طرف پلٹ کر آنا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ: ان مشرکین کی خوشی منانے، اترانے، الزام تراشیوں اور بحث و جدال پر آپ صبر کریں۔ آپ کے ساتھ جو وعدۂ فتح ہے وہ برحق ہے۔

۲۔ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ: جس عذاب کا ہم ان مشرکین سے وعدہ کر رہے ہیں اس کا کچھ حصہ آپ کو آپ کی زندگی میں دکھا دیں۔ آیت کے اس جملے کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ یونس آیت ۴۶۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ اور بتحقیق ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں، ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور بعض کے حالات آپ سے بیان نہیں کیے اور کسی پیغمبر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے، پھر جب اللہ کا حکم آ گیا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور اس طرح اہل باطل خسارے میں پڑ گئے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا: ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں۔ ان میں سے بعض کا ہم نے آپ سے ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔ قرآن میں مذکور یا غیر مذکور مرسلین کو بھی آپ کی طرح مسائل پیش آئے۔

پہلا مسئلہ یہ پیش آیا کہ ان کی اپنی قوم نے تکذیب کی، انہیں اذیت پہنچائی اور ان کے مشن کو ناکام بنانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا لیکن آخر میں ہمیشہ کامیابی رسولوں ہی کی رہی اور ان کے دشمن ناکام ہو گئے۔

۲۔ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ: کسی رسول کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر معجزہ پیش کرے۔ معجزے کی دو قسمیں ہیں: پہلا معجزہ وہ ہے جو رسول کو ابتدائی طور پر اپنی رسالت و نبوت کی تائید و تصدیق کے لیے اللہ کی طرف سے عنایت ہوتا ہے۔ دوسرا معجزہ وہ ہے جو اس ابتدائی معجزے کے علاوہ لوگوں کے مطالبے پر پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی قسم کے معجزے کو نہ ماننے سے عذاب اور فوری فیصلہ نہیں آتا بلکہ انکار و کفر کے باوجود مہلت مل جایا کرتی ہے۔

جب کہ دوسری قسم، لوگوں کے مطالبے پر دکھائے جانے والے معجزے کا اگر لوگوں نے انکار کیا تو منکرین کو مہلت نہیں ملتی۔ اس آیت میں دوسری قسم کے معجزے کی طرف اشارہ ہے

۳۔ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ: کہ جب مطالبے پر معجزہ آئے گا تو یہ معجزہ امر الٰہی کا فیصلہ لے کر آئے گا، پھر مہلت نہیں ملے گی۔ جیسے قوم صالح نے اونٹنی کا معجزہ طلب کیا۔ انکار پر اس قوم پر تباہی آ گئی اور نزول مائدہ کا مطالبہ ہوا تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ [1]

میں یہ خوان تم پر نازل کرنے والا ہوں لیکن اگر اس کے بعد تم میں سے کوئی کفر اختیار کرے گا تو اسے میں ایسا عذاب دوں گا کہ اس جیسا عذاب عالمین میں کسی کو نہ دیا ہو گا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا

۷۹۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے تا کہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور بعض کا گوشت کھاؤ۔

۸۰۔ اور تمہارے لیے ان میں منفعت ہے اور تا کہ

---

[1] ۵ مائدہ: ۱۱۵

حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾

تمہارے دلوں میں (کہیں جانے کی) حاجت ہو تو ان پر (سوار ہوکر) پہنچ جاؤ نیز ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو۔

تفسیر آیات

اللہ نے حیوانات انسان کے لیے مسخر بنائے ہیں۔ چنانچہ انسان حیوانات پر سواری کرتا ہے، بار برداری کا کام لیتا ہے۔ ان سے دودھ، گوشت حاصل کرتا ہے۔ ان کی کھال، اون اور گوبر تک سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ مشرکین اگر اللہ کو ان حیوانات کا خالق تسلیم کرتے ہیں تو اللہ کو مدبر بھی تسلیم کرنا پڑے گا چونکہ ان حیوانات کو اللہ نے جس انداز سے خلق فرمایا ہے اس میں تدبیر حیاتِ انسان ہے ورنہ خود حیوانات کے وجود سے لے کر ان میں موجود مذکورہ اشیاء یا تو انسانی کی زندگی کے کسی کام میں نہ آتیں یا انسانی زندگی کی ضروریات کے منافی ہوتیں۔

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۫ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے پس تم اس کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے۔

تفسیر آیات

تمہارے گرد و پیش میں موجود ہزاروں کی تعداد میں موجود ایسی واضح نشانیوں کی اللہ نشاندہی فرماتا ہے جن سے تم غافل ہو اور ان آیات کو روز کا معمول تصور کر کے نظر انداز کرتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشاندہی کے بعد تمہارے پاس انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر تم اللہ کی کس کس نشانی کا انکار کرو گے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ انہیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ تعداد میں ان سے کہیں زیادہ تھے نیز طاقت اور زمین میں (اپنے) آثار چھوڑنے میں بھی ان سے زیادہ تھے، (اس کے باوجود) جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔

تفسیر آیات

درس عبرت حاصل کرنے کے لیے ارضی مطالعہ کو قرآن نہایت اہمیت دیتا ہے جس سے طاغوتوں اور ظالموں کے انجام کا بخوبی علم ہوتا ہے۔

اس آیت کی تشریح کے لیے سورہ روم آیت ۹ ملاحظہ فرمائیں۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ پھر جب ان کے پیغمبر واضح دلائل کے ساتھ ان کے پاس آئے تو وہ اس علم پر نازاں تھے جو ان کے پاس تھا، پھر انہیں اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ: تم سے پہلے گزرے ہوئے قوموں کی طرف علوم الٰہی کی گوہر فشانی کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام آئے اور جاہلیت کے اندھیروں میں علم کی روشنی پھیلائی۔ تاریک دلوں میں ابدی سعادت پر مشتمل ضیا پاشی کی تو اس علم کو بڑی حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا۔ اس کا مذاق اڑایا اور اس علم کے حاملین کو حقیر سمجھا۔

۲۔ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ: اور ان کے پاس جو سطحی علم ہے اس پر یہ بہت خوش ہیں:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا...[1] لوگ تو دنیا کی ظاہری زندگی کے بارے میں جانتے ہیں.

لیکن یہ لوگ حقائق سے آگہی نہیں رکھتے۔ مفروضوں کو علم کا نام دیتے، واہموں کو معلومات شمار کرتے اور اندھی تقلید کو دانشمندی سمجھتے ہیں۔

جدید جاہلیت میں بھی یہی صورت حال ہے کہ سائنسی باتیں خواہ ابھی تھیوری کے مرحلوں میں ہی کیوں نہ ہوں لوگوں میں علوم انبیاء علیہم السلام سے زیادہ قابل توجہ ہیں بلکہ دینی علوم کا مذاق اڑاتے ہیں۔ دینی علوم کے حاملین کو حقیر سمجھتے بلکہ دینی علوم کو علم ہی شمار نہیں کرتے انہیں ان پڑھ کہ دیتے ہیں جب کہ خود چند اجنبی کھوکھلی اصطلاحات کے علاوہ ہر گونہ علم سے فارغ ہوتے ہیں۔

۳۔ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے اسی چیز نے انہیں گرفت میں لے لیا۔ وہ اسی دام میں پھنس گئے جسے وہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔

---

[1] ۳۰ روم: ۷

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم خدائے واحد پر ایمان لاتے ہیں اور جسے ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اس کا انکار کرتے ہیں۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع

۸۵۔لیکن ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان ان کے لیے فائدہ مند نہیں رہے گا، یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں چلی آ رہی ہے اور اس وقت کفار خسارے میں پڑ گئے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا: جب عذاب کا مشاہدہ ہو گا تو سارے پردے ہٹ چکے اور حقائق سامنے آ گئے ہوں گے اس وقت ایمان لانا ایک قہری بات ہو گی اگرچہ اس وقت اللہ کی وحدانیت پر یقین ہو گا اور ایمان بھی پختہ ہو گا لیکن یہ قہری ایمان ہے۔

۲۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ: لیکن اس قہری ایمان کا کوئی فائدہ نہ ہو گا چونکہ اس ایمان کا تعلق اختیار سے نہیں۔ دنیا میں انسان ایمان کا انتخاب کرتا ہے اور کفر و ایمان میں سے ایمان کو اختیار و ارادے کے ساتھ قبول کرتا ہے لیکن عذاب کے مشاہدے کے بعد سوائے ایمان کے دوسری صورت نہیں ہے۔

۲۔ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ: تمام بندوں کے لیے بلا استثنا اللہ کا یہ دستور رہا ہے کہ موت سامنے آنے اور عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد نہ توبہ قبول ہو گی، نہ ایمان کا کوئی فائدہ ہو گا۔

مروی ہے:

> حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کا ایمان کیوں قبول نہیں کیا حالانکہ وہ اللہ پر ایمان لے آیا اور توحید کا اقرار کیا تھا؟ فرمایا: چونکہ وہ عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لایا تھا۔[1]

[1] تفسیر البرہان ۴: ۷۷۲

فہرست مطالب

سورۃ الاحزاب

تعارف سورۃ _____ ۹

شان نزول _____ ۱۱

کافروں اور منافقوں کی سازش کو ناکام بنانے
کے لیے اللہ کی راہنمائی اور توکل سے کام لیں۔

انسان کے سینے میں دو دل نہیں، ایک دل میں
محبت اور عداوت جمع نہیں ہوسکتیں _____ ۱۲

جسے ماں کہہ بیٹھتے ہو وہ ماں نہیں ہوتی اور جسے
منہ بولا بیٹا بنایا ہو وہ بیٹا نہیں ہوتا _____ ۱۴

تکیۂ کلام کے تحت کسی کو ماں، بہن کہنے میں
کوئی حرج نہیں _____ ۱۵

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی طرف سے
حاکمیت مطلقہ حاصل ہے _____ ۱۶

ازواج نبی مؤمنین کی مائیں ہیں _____ ۱۷

وراثت، خونی رشتہ داروں میں اقربیت کی بنیاد
پر تقسیم ہوتی ہے _____ ۱۸

تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا گیا ہے _____ ۱۹

جنگ خندق (احزاب) کا واقعہ _____ ۲۰

جنگ خندق میں مؤمنوں کی آزمائش _____ ۲۴

منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کا کفریہ موقف ۲۴

یہ لوگ اسلام سے دور کفر کے نزدیک ہو چکے تھے ۲۶

ان لوگوں نے عہد شکنی کی _____ ۲۷

ارادۂ الٰہی کے مقابلے میں کسی کا بس نہیں چلتا ___ ۲۸

حالت جنگ میں بزدل اور حالت امن میں شیر
بننا نفاق کی علامت ہے _____ ۳۱

حبط اعمال کا مسئلہ _____ ۳۲

منافق کو مسلمانوں کی سرنوشت میں دلچسپی
ہوتی ہے _____ ۳۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تمام گوشے
نمونۂ عمل ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے رسولؐ
کا کوئی عمل نسیان اور خطا سے سرزد نہیں ہوتا ___ ۳۴

آزمائش کے وقت مؤمن کا ایمان پختہ ہو جاتا ہے ۳۵

اللہ کے ساتھ عہد پورا کرنے والوں کا ذکر ___ ۳۸

احزاب کے لشکر نامراد واپس گئے _____ ۴۰

عہد توڑنے والے بنی قریظہ کا انجام _____ ۴۱

بنی قریظہ کے یہود کی جائداد غنیمت میں ملنے
پر ازواج کی توقعات اور اس کا جواب _____ ۴۳

ازواج رسولؐ کے لیے نصیحت _____ ۴۵

قدیم جاہلیت کی مانند نکلنے سے
ازواج کو منع کیا گیا _____ ۴۷

آیت تطہیر کی تفسیر، لفظ اھل کے استعمالات ___ ۴۸
اھل البیت کے تعیّن کا واحد طریقہ _____ ۴۹
سنت رسولؐ کی صراحت سے اھل البیت کا تعین ۵۱
مخالف روایتیں اور ان کی رد _____ ۵۲
احاطۂ خانہ کے اندر احاطۂ چادر یا گھر کے اندر گھر ۵۴
اھل البیت کے تعین میں دو اہم دلائل _____ ۵۷
شش ماہہ دورانیہ _____ ۵۸
اھل البیت کے متعین کے دیگر مواقع _____ ۵۹
سیاق و سباق _____ ۶۰
سیاق اور سنت ثابتہ _____ ۶۲
ہمارا فہم مقدم ہے یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا؟ _____ ۶۳
اعمال صالحہ کے ثواب میں مرد وزن میں
اللہ کے ہاں کوئی امتیاز نہیں ہے _____ ۷۰
اللہ اور رسولؐ کے فیصلے پر اپنا فیصلہ مقدم کرنے
والا صریح گمراہی میں ہے _____ ۷۱
حضرت زینب بن جحش کو زید بن حارثہ کی
طلاق کا واقعہ _____ ۷۲
زید بن حارثہ کی غلامی و آزادی کا واقعہ _____ ۷۳
زینب بنت جحش کا رسولؐ سے نکاح کا راز _____ ۷۴
ازدواج کا یہ عمل سیرت انبیاء علیہم السلام کے مطابق ہے ۷۵
تبلیغ احکام کے لیے کسی سے خائف نہ ہونا
چاہیے صرف اللہ کا خوف ہونا چاہیے _____ ۷۶
ختم نبوت کا اعلان _____ ۸۷
رسول خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کی ضرورت
کیوں نہیں؟ اس کا مفصل جواب _____ ۷۸
کیا ثابت شریعت متغیر انسان کی قانونی ضروریات
پوری کر سکتی ہے؟ اس کا مفصل جواب _____ ۷۹
ثابت انسان _____ ۷۹
متحرک قوانین _____ ۸۰
اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم _____ ۸۳
مؤمنین پر اللہ رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے ان
کے لیے دعا کرتے ہیں _____ ۸۴
موت سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک ہر
مرحلے میں اللہ کی طرف سے سلام سلام ہوگا ___ ۸۶
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رسالت کا ذکر _____ ۸۷
مؤمنین کے لیے اللہ کی طرف سے فضل کبیر
کی بشارت دینے کا حکم _____ ۸۹
ہم بستری سے پہلے طلاق کی صورت میں
عدت نہیں ہے _____ ۹۱
ان خواتین کا ذکر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی زوجیت میں آ سکتی ہیں _____ ۹۳
زوجات کی تعدد میں پنہان راز _____ ۹۳
زوجات کے ساتھ روش کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کو اختیار دے دیا _____ ۹۴
زوجات کی تعداد میں اضافہ اور تبدیلی
ممنوع ہوگی _____ ۹۶
رسول اللہؐ کے ہاں جانے کے آداب
کا بیان اور حکم حجاب _____ ۹۷
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کا حکم _____ ۱۰۱
نبیؐ پر درود بھیجنے کے فضائل _____ ۱۰۲
درود کے الفاظ _____ ۱۰۳
کعب بن عجرہ کی صحیح روایت _____ ۱۰۳
ابو مسعود انصاری کی صحیح روایت _____ ۱۰۴

ابوسعید خدری اور ابوہریرہ کی صحیح روایت ____ ۱۰۵
طلحہ بن عبید اللہ کی صحیح روایت ____ ۱۰۶
زید بن خارجۃ کی صحیح روایت ____ ۱۰۷
بریدہ خزاعی کی معتبر روایت ____ ۱۰۸
عبدالرحمٰن بن بشر انصاری کی صحیح روایت ____ ۱۰۸
عبداللہ بن جعفر کی صحیح روایت ____ ۱۰۸
ازواج پر درود کی روایت کا جواب ____ ۱۰۹
ناقص درود ____ ۱۱۰
آل محمد کون ہیں؟ ____ ۱۱۱
آل پر درود نظریاتی موقف ____ ۱۱۵
آل پر درود عملی موقف ____ ۱۱۶
آل پر درود شعار رافضہ ہے ____ ۱۱۶
تشہد میں درود واجب ہے ____ ۱۲۳
اللہ اور رسول کو اذیت دینے والوں پر لعنت ____ ۱۲۵
مؤمنین و مومنات پر بہتان لگانا گناہ عظیم ہے ____ ۱۲۶
حجاب کا حکم ____ ۱۲۷
منافقین، بیمار دل اور افواہ سازوں کو ملک بدر
کرنے کی دھمکی ____ ۱۲۹
اللہ تعالیٰ کی تکوینی سنت ناقابل تبدیل ہے ____ ۱۳۰
اپنے سرداروں کی اطاعت میں گمراہ ہونے
والوں کی حسرت کا بیان ____ ۱۳۲
رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے والوں
سے خطاب ____ ۱۳۳
زبان کو لگام دینا تقویٰ ہے ____ ۱۳۴
انسان نے بار امانت اٹھایا ____ ۱۳۵
کائنات کا نظام صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ
میں ہے ____ ۱۴۱
زمین میں جانے اور زمین سے نکلنے
والی چیزوں کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے ____ ۱۴۲
اعادہ حیات کے لیے منتشر ذرات کا جمع کرنا
اللہ کے لیے مشکل نہیں ہے ____ ۱۴۴
منکرین قیامت کا جواب ____ ۱۴۶
حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت کا ذکر ____ ۱۴۸
حضرت علیہ السلام کو زرہ سازی کا حکم ____ ۱۴۹
حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کے مسخر ہونے
کا ذکر ____ ۱۵۰
حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تسخیر جن کا ذکر ____ ۱۵۱
حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا ذکر ____ ۱۵۳
ملک سبا (یمن) کی سرسبزی ____ ۱۵۵
بند ٹوٹنے سے سیلاب کی تباہی کا ذکر ____ ۱۵۶
ملک یمن کی آبادیوں کا ذکر ____ ۱۵۷
ناشکری پر قوم سبا کو تباہ کر دیا ____ ۱۵۹
ابلیس کی طرف سے جبر نہیں ہو سکتا وہ صرف
دعوت دیتا ہے ____ ۱۶۰
رزق دینے میں کل کائنات کو دخل ہے۔ صرف
اللہ تعالیٰ یہ کام کر سکتا ہے ____ ۱۶۳
ہر ایک اپنے عمل کا جوابدہ ہے، فیصلہ قیامت
کے دن ہو گا ____ ۱۶۴
رسول اللہ ﷺ کی رسالت محدود نہیں، عالمی ہے ۱۶۵
قیامت کا وقت مقرر ہے ____ ۱۶۷
منکرین قرآن، قیامت کے دن سردار اور مرید
کفر کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالیں گے ____ ۱۶۹
مراعات یافتہ طبقات ہمیشہ حق کے خلاف ڈٹ
جاتے ہیں ____ ۱۷۱

مؤمن نہ ہوتو مال اولاد سے اللہ کی قربت نہیں
ملتی۔ البتہ اگر مؤمن ہے تو یہ دونوں ذرائع خیر
بن جاتے ہیں _____ ۱۷۳
جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اللہ اس کی جگہ
اسے مزید مال عنایت فرماتا ہے _____ ۱۷۵
مشرکین کے معبود قیامت کے دن انکار کریں گے
کہ ہم ان کے معبود تھے _____ ۱۷۶
مشرکین وحی کو مانتے ہیں نہ رسول کو، نہ کسی کتاب
کو، صرف قومی روایات اور اندھی تقلید کو مانتے ہیں ۱۷۸
اہل عرب کی پسماندگی کا ذکر _____ ۱۷۹
مشرکین کو انفرادی و اجتماعی طور پر غور وفکر سے
کام لینے کی ہدایت _____ ۱۸۰
رسول اللہ ﷺ نے اجر رسالت مانگا ہے مگر
یہ خود لوگوں کے مفاد میں ہے _____ ۱۸۱
حق کے آنے کے بعد باطل کا کوئی کردار نہ ہوگا _ ۱۸۲
جب عذاب سامنے آجائے تو ایمان فائدہ مند
نہیں ہے _____ ۱۸۴

سورۃ فاطر

فرشتوں کے بارے میں چند حقائق _____ ۱۹۰
اللہ کی عنایت کوئی روک نہیں سکتا اور اللہ کے عذاب
کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ خالق ہی رازق اور معبود
ہوتا ہے _____ ۱۹۳
دنیا سے دھوکہ نہ کھانے اور شیطان کو دشمن سمجھنے
کا حکم _____ ۱۹۴
اللہ نا قابل ہدایت کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے
ہدایت کے اہل کو ہدایت سے نوازتا ہے _____ ۱۹۶
عزت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے، ایمان اور
عمل صالح میں عزت ہے _____ ۱۹۸
انسان کی تخلیق اور تقدیر کا ذکر _____ ۲۰۰
شیرین پانی اور سمندر کا کھارا پانی ایک لحاظ سے
ایک جیسے نہیں تاہم دونوں سے نظام حیات قائم ہے ۲۰۱
جس کے قبضے میں لیل ونہار، شمس وقمر ہیں وہی
مالک ہے۔ دوسرے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں ۲۰۳
تمہارے معبود تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے
باخبر اللہ کے علاوہ تمہیں کوئی قیامت کی خبر
نہیں دے گا _____ ۲۰۳
ہر شخص اپنے گناہ کا بوجھ خود اٹھائے گا
کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ ایمان سے روشنی،
بصارت، زندگی ملتی ہے _____ ۲۰۸
زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہی _____ ۲۱۰
مخلوقات میں تنوع اللہ کی صناعیت کی دلیل ہے
اور عالم وہ ہے جس کا علم خوف خدا کا باعث بنے ۲۱۲
ایسی تجارت کی نشاندہی جس میں خسارا ممکن نہیں ۲۱۴
اس امت کے تین گروہوں، ظالم، میانہ رو
اور سابق کا ذکر _____ ۲۱۷
اس آیت کے شان نزول کا ذکر _____ ۲۱۸
سابقین بالخیرات کی منزلت کا ذکر _____ ۲۱۹
کافروں کے عذاب کا ذکر _____ ۲۲۱
انسانی نسلوں کو جانشین بنانے کا ذکر _____ ۲۲۳
مشرکین کے پاس اپنے نظریات پر کوئی دلیل
نہیں ہے _____ ۲۲۴
کائنات کا وجود اور بقاء دونوں اللہ کے
محتاج ہیں _____ ۲۲۵

تکبر اور بری چال خود انسان کی تباہی
کے اسباب ہیں _____ ۲۲۷

سورۃ یٰسٓ

تعارف سورۃ _____ ۲۳۳
حروف یاسین کی تفسیر _____ ۲۳۵
رسول ﷺ کی رسالت کے اثبات کے لیے
قرآن کی قسم کا راز _____ ۲۳۶
علی صراط مستقیم کی تفسیر _____ ۲۳۶
رسول اللہ ﷺ کی قوم کی تنبیہ نہیں ہوئی،
تنبیہ کنندہ آیا تھا _____ ۲۳۷
جن پر دلیل و برہان اثر نہیں کرتا وہ ایمان نہیں
لائیں گے کیونکہ ان سے اللہ نے ہاتھ اٹھا لیا ہے ۲۳۹
انسان کی اپنی زندگی میں بجا لائے جانے والے
اور اپنے بعد چھوڑ جانے والے اعمال
اللہ تعالیٰ ثبت فرماتا ہے۔ امام مبین کی تفسیر
درشان امیر المؤمنین علیہ السلام _____ ۲۴۴
کسی بستی کی طرف بھیجے گئے رسولوں اور ان کی
تکذیب کا ذکر _____ ۲۴۶
ان رسولوں کی تصدیق وحمایت کرنے والے
مؤمن کا ذکر _____ ۲۴۹
مؤمن آل یاسین اپنے ایمانی موقف پر دلیل
پیش کرتا ہے _____ ۲۵۲
مؤمن آل یاسین کو شہادت کے بعد جنت کی نوید ۲۵۳
مؤمن آل یاسین کو شہید کرنے والی قوم پر
عذاب کا نزول _____ ۲۵۴
رسولوں کا مذاق اڑانے والوں کے انجام کا ذکر ۲۵۵

اللہ تعالیٰ مردہ زمین سے روزی نکال کر تمہارے
مردہ خلیوں کو دوبارہ زندہ کر کے تجدید حیات
کرتا ہے۔ پھر بھی تم معاد کے منکر ہو _____ ۲۵۶
کائنات کا نظام جفت پر قائم۔ خود اللہ کا
کوئی جفت نہیں ہے _____ ۲۵۸
دن رات کا آنا جانا تدبیر الٰہی کا نشان ہے ____ ۲۵۹
سورج اپنی منزل کی طرف محو سفر ہے _____ ۲۶۰
صفحہ آسمان پر چاند اللہ کی طرف سے ایک
تدبیر وتقویم ہے _____ ۲۶۱
شمس وقمر میں سے ہر ایک اپنے مدار کو نہیں
چھوڑ سکتا _____ ۲۶۲
اللہ تعالیٰ نے حمل ونقل کے وسائل فراہم کیے _ ۲۶۳
دولت کی وجہ سے دولت مند لوگ پیمانے
بدلا دیتے ہیں _____ ۲۶۵
قیامت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے جو دفعۃً
واقع ہو گی _____ ۲۶۶
دوسرا صور پھونکنے پر سب زندہ ہو جائیں گے _ ۲۶۷
قبر سے اٹھانے پر مردوں کا ردعمل _____ ۲۶۸
اہل جنت کے زندگی بسر کرنے کے حالات ___ ۲۷۰
قیامت کے دن مجرموں کو الگ
دھتکار دیا جائے گا _____ ۲۷۲
اہل جنت کا ارادہ نافذ ہو گا _____ ۲۷۲
شیطان پرستی نہ کرنے کے عہد کا تذکر _____ ۲۷۳
عقل سے کام نہ لینے والے، شیطان کے
دام میں پھنستے ہیں _____ ۲۷۴
قیامت کے دن اعضائے بدن گواہ بن
جائیں گے _____ ۲۷۵

انسان کی زندگی ہر لمحے اللہ کے اختیار میں ہے ۲۷۷
عمر رسیدہ ہونے کی صورت میں توانائی
ختم ہو جاتی ہے _____ ۲۷۸
قرآن شعری تخیلات نہیں ہے بلکہ یقینیات پر
مشتمل برہان اور دستور حیات ہے _____ ۲۷۹
انسان کی زندگی کو وہ ذات چلا رہی ہے جس
نے ان مویشیوں کو اس کے لیے مسخر کیا ہے ___ ۲۸۱
مشرکین ایسے معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جو اپنی
حفاظت کے لیے لوگوں کے محتاج ہیں _____ ۲۸۲
حق کے داعی کو دشمن کا طعنہ نقصان نہیں
پہنچا سکتا _____ ۲۸۲
خاک سے خلق ہونے والا انسان سوال کرتا ہے
کہ انسان خاک سے ہونے کے بعد کیسے زندہ
ہوسکتا ہے؟ وہ یہ بھول گیا کہ اس کا وجود خاک
کا مرہون ہے _____ ۲۸۳
اعادۂ حیات، عدم سے حیات ایجاد کرنے
سے آسان تر ہے _____ ۲۸۴
لا متناہی کائنات بنانے والی ذات کے لیے
اعادۂ حیات کوئی مشکل کام نہیں ہے _____ ۲۸۵
اللہ کا ارادہ نافذ ہوتا ہے۔ خلق و ایجاد کے لیے
صرف ایک ارادہ کافی ہے _____ ۲۸۷

سورۃ الصافات

تعارف سورۃ _____ ۲۹۱
اللہ اپنے کارندے فرشتوں کی قسم کھا کر اپنی
توحید کا اعلان فرماتا ہے۔ ستارے صرف آسمان
اول سے مربوط ہیں _____ ۲۹۴
ان ستاروں کے ذریعے شیاطین کو
بھگایا جاتا ہے _____ ۱۹۵
انسان کی ابتدائی تخلیق اور اعادۂ تخلیق دونوں
کا تعلق مٹی سے ہے _____ ۱۹۶
اے رسولؐ! آپ اعادۂ حیات کے انکار پر
تعجب کرتے ہیں اور مشرکین اس کا مذاق
اڑاتے ہیں _____ ۱۹۷
مشرکین مٹی میں دوبارہ زندگی آنا ناممکن سمجھتے
ہیں۔ جواب میں فرمایا: نہ صرف ممکن ہے بلکہ اس
کے لیے صرف ایک جھڑکی کافی ہے _____ ۲۹۸
منکرین کو جہنم کی طرف لے جانے کے حکم کا ذکر ۳۰۰
لوگوں کو روک کر ان سے ولایت علی علیہ السلام
کے بارے میں سوال ہوگا _____ ۳۰۱
قیامت کے دن کافروں کے باہمی جھگڑوں
کا ذکر _____ ۳۰۳
کافروں کے لیے عذاب کا ذکر _____ ۳۰۵
اللہ کے مخلص بندوں کے لیے خوشخبری اور
نعمتوں کا ذکر ہے _____ ۳۰۷
ایک جنتی، دنیا میں اپنے کافر ساتھی کا ذکر کرے
گا اور اس کافر کو وسط جہنم میں دیکھ لے گا _____ ۳۱۰
مؤمن کا احساس کامیابی کا ذکر اور عمل کی دعوت _ ۳۱۲
جہنمیوں کے لیے درخت زقوم کا ذکر _____ ۳۱۳
انبیاء علیہم السلام کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر _____ ۳۱۵
حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر _____ ۳۱۶
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر _____ ۳۱۸
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا ذکر __ ۳۲۳
آتش نمرود سے نجات کا ذکر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر _____ ۳۲۴
حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر _____ ۳۲۵
حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا ذکر _____ ۳۲۶
حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کا ذکر _____ ۳۳۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر _____ ۳۳۲
حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر _____ ۳۳۴
بنی اسرائیل کی بعل پرستی کا ذکر _____ ۳۳۴
آل یاسین (آل محمد) پر سلام کا ذکر _____ ۳۳۶
حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر _____ ۳۳۷
حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر _____ ۳۳۸
فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینے والوں
سے سوال _____ ۳۴۲
اللہ کے نزدیک فرشتوں کا مقام _____ ۳۴۵
اللہ کا لشکر غالب آنے کی نوید ہے۔ لشکر اور جہاد
کی صورت میں یہ وعدہ ہے، دشمن کے لشکر میں
جانے کی صورت میں وعدہ نہیں _____ ۳۴۷

سورۃ صٓ

تعارف سورہ _____ ۳۵۳
کافروں کو اپنے میں سے ایک رسول کے
آنے اور کئی معبودوں کی جگہ ایک معبود قرار
دینے پر تعجب ہو رہا تھا _____ ۳۵۶
اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب _____ ۳۵۸
مشرکین کی شکست کی پیشگوئی _____ ۳۵۹
تاریخ میں تکذیبی اقوام کا ذکر _____ ۳۵۹
حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر _____ ۳۶۱
حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دو متنازعین
کا فیصلے کے لیے آنے کا ذکر _____ ۳۶۲
حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کا ذکر _____ ۳۶۵
اللہ نے کائنات کو عبث خلق نہیں کیا کہ مؤمن
اور مفسد، متقی اور فاجر میں کوئی فرق نہ ہو ___ ۳۶۶
حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے گھوڑوں کا معاینہ __ ۳۶۸
کرسی پر ایک جسد ڈال کر سلیمان علیہ السلام کا امتحان _ ۳۷۰
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی توجیہ _____ ۳۷۱
حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا اور شیاطین کی
تسخیر کا ذکر _____ ۳۷۲
حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور بیماری کا ذکر _ ۳۷۴
حضرت ایوب علیہ السلام پر اللہ کے احسانات کا ذکر __ ۳۷۵
حضرات ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا ذکر _ ۳۷۶
حضرت اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر _ ۳۷۷
متقین کا مقام _____ ۳۷۸
سرکشوں کے انجام کا ذکر _____ ۳۸۰
سرکشوں کا ایک دوسرے پر الزام _____ ۳۸۱
جہنمیوں کا اپنے مخالفین جہنم میں نظر نہ
آنے پر تعجب _____ ۳۸۲
قرآن، کلمۂ توحید کی عظمت کا ذکر _____ ۳۸۵
ابلیس کو مہلت مل جاتی ہے اور ابلیس اپنے عزائم
کا اعلان کرتا ہے _____ ۳۸۷
اللہ تعالیٰ ابلیس اور ابلیسیوں کی سزا کا اعلان
فرماتا ہے _____ ۳۸۸
قرآن کی عالم گیری کی پیشگوئی _____ ۳۸۹

سورۃ زمر

تعارف سورہ _____ ۳۹۳

دین خالص صرف اللہ کے لیے ہے، مشرکین
بتوں کو وسیلہ سمجھ کر ان کی پوجا کرتے ہیں ___ ۳۹۵
اللہ کے لیے بیٹا ہونا ممکن نہیں ہے _____ ۳۹۶
شب و روز کی گردش اور شمس و قمر کی تسخیر کا ذکر ۳۹۷
انسانی تخلیقی مراحل کا ذکر _____ ۳۹۸
اللہ کفر کو ناپسند اور شکر کو پسند کرتا ہے _____ ۴۰۰
مؤمن کو خوف اور امید کے درمیان ہونا چاہیے _ ۴۰۲
جاننے والے نہ جاننے والوں کے برابر
نہیں ہوسکتے _____ ۴۰۳
تقویٰ خیر الدنیا والآخرہ ہے _____ ۴۰۴
رسول اللہ ﷺ کو اپنی ذمہ داری بیان کرنے
کا حکم _____ ۴۰۵
اللہ کی بندگی نہیں کرتے تو جس کی چاہو
بندگی کرو _____ ۴۰۶
صرف اللہ کی بندگی کرنے والے سنتے سب کی
ہیں پھر انتخاب حسن کی بصیرت رکھتے ہیں۔
ان کے لیے بشارت _____ ۴۰۷
اللہ کا فیصلہ اٹل ہونے کے بعد عفو کے دروازے
بند ہو جاتے ہیں _____ ۴۰۹
بارش اور زمین کی نباتات میں موجود
اللہ کی نشانیوں کا ذکر _____ ۴۱۱
جس کے سینے میں اسلام کے لیے کشادگی ہو
اسے اللہ نور عطا کرتا ہے _____ ۴۱۲
دلوں پر قرآن کے اثرات کا ذکر _____ ۴۱۴
مشرک کی بے سکونی اور مؤحد کے
سکون کا ذکر _____ ۴۱۷
قیامت کے دن اللہ کے سامنے مقدمے پیش
ہوں گے سب سے پہلا مقدمہ
حضرت علی علیہ السلام کا ہوگا _____ ۴۱۸
سچائی پیش کرنے اور اس کی تصدیق کرنے
والے کا ذکر، یعنی رسولؐ و علیؑ _____ ۴۱۹
ایمان و تصدیق تمام گناہوں کا کفارہ ہے _____ ۴۲۰
جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے
سکتا اور جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی
گمراہ نہیں کرسکتا _____ ۴۲۱
مشرکین کے معبودوں کے بے حقیقت ہونے
کا ذکر _____ ۴۲۲
مشرکین کی نابودی کی پیشگوئی _____ ۴۲۳
خواب اور قبض روح کا ذکر _____ ۴۲۵
شفاعت بتوں کے پاس نہیں، سب شفاعتیں
اللہ کے پاس ہیں _____ ۴۲۷
ذکر خدا کو ناپسند کرنے والا مشرک ہے خواہ
اپنے آپ کو کتنا مؤمن سمجھے _____ ۴۲۸
قیامت کے دن منکر بالفرض پوری دنیا کے
دو برابر فدیہ میں دے دے قبول نہ ہوگا _____ ۴۲۹
ان لوگوں کا ذکر جو تنگی کے وقت اللہ کو یاد کرتے
ہیں آسودگی ملنے پر کہتے ہیں یہ میری اپنی مہارت
کی وجہ سے ملی ہے _____ ۴۳۰
اللہ تعالیٰ کسی کو رزق دے کر کسی کو تنگی میں رکھ
کر آزماتا ہے _____ ۴۳۱
اللہ کی رحمت سے مایوسی کفر۔ توبہ کی صورت
میں بلا استثنا سب گناہ معاف ہو جائیں گے
(یغفر الذنوب جمیعاً) _____ ۴۳۴
قیامت کی حسرتوں سے پہلے قرآن کی تعلیمات

پر عمل _____ ۴۳۶
تمام خزانوں کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں _____ ۴۴۰
اے رسولؐ! اگر آپ بھی شرک کریں تو آپ کا
عمل برباد ہوگا _____ ۴۴۱
لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدردانی کا حق ادا
نہیں کیا _____ ۴۴۳
دو مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر _____ ۴۴۴
قیامت کے دن نامۂ اعمال پیش کیے جائیں
گے انبیاء علیہم السلام اور گواہوں کو حاضر کیا جائے گا __ ۴۴۵
کافروں کو جہنم کی طرف ہانکنے اور ان سے
سوال کا ذکر _____ ۴۴۷
اہل تقویٰ گروہ در گروہ جنت کی طرف چلائے
جائیں گے اور سلام سے ان کا استقبال ہوگا __ ۴۴۸
جنت میں داخل ہونے پر اہل جنت حمد الٰہی بجا
لائیں گے _____ ۴۴۹
عرش کے گرد فرشتوں کا ذکر _____ ۴۵۰

سورۃ غافر

تعارف سورۃ _____ ۴۵۵
قرآن نازل کرنے والی ذات کے چند اہم
اوصاف کا ذکر _____ ۴۵۷
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کی اوچھل کود سے متأثر
نہ ہونے کا حکم _____ ۴۵۸
ہر امت کی اپنے اپنے رسول کے ساتھ
بدسلوکی کا ذکر _____ ۴۵۹
حاملین عرش کی طرف سے مؤمنین
کے لیے دعاؤں کا ذکر _____ ۴۶۱
قیامت میں مؤمن کی شفاعت، صالح اولاد،
اولاد کی صالح باپ دادا شفاعت کریں گے __ ۴۶۲
قیامت کے دن کافروں کی آرزوئے نجات
کا ذکر _____ ۴۶۴
اللہ کی نشانیوں میں اہم نشانی آسمان سے روزی
کا نزول ہے _____ ۴۶۶
وحی، روح حیات ہے _____ ۴۶۷
قیامت کے دن صرف اللہ کی بادشاہی ہوگی __ ۴۶۸
قیامت کی ہولناکی بیان کرنے کا حکم _____ ۴۶۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر _____ ۴۷۱
فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا ___ ۴۷۲
مؤمن آل فرعون اور افضلیت علی علیہ السلام
کا ذکر _____ ۴۷۵
مؤمن آل فرعون کی نصیحتوں کا ذکر _____ ۴۷۶
مؤمن آل فرعون، حضرت یوسف علیہ السلام کی
رسالت کا ذکر کرتے ہیں _____ ۴۷۸
مؤمن آل فرعون اب اپنا ایمان ظاہر کرتے ہیں ۴۸۱
مؤمن آل فرعون ایمان کی دعوت دیتے ہیں __ ۴۸۲
آل فرعون کے لیے برزخی عذاب کا ذکر _____ ۴۸۴
اہل جہنم کے مکالمے _____ ۴۸۵
اہل جہنم کی جہنم کے کارندوں سے درخواست __ ۴۸۶
رسولوں اور مؤمنوں کو اللہ کی طرف سے وعدۂ
نصرت، نصرت کی توضیح _____ ۴۸۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کا حکم اور وعدہ کے
حق ہونے کی تاکید _____ ۴۸۹
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی پناہ میں آنے کا حکم اور
یہ نوید کہ متکبرین زیر ہونے والے ہیں _____ ۴۹۰

کائنات کی تخلیق انسان کی دوبارہ تخلیق سے
عظیم تر ہے _____ ۴۹۱
دعا کا حکم، قبولیت کا وعدہ اور قبولیت دعا میں حائل
رکاوٹوں کا ذکر _____ ۴۹۳
شب و روز کی گردش خلق کرنے والا ہی
تمہارا رب ہے _____ ۴۹۵
زمین کی تخلیق کی نوعیت سے اللہ کی ربوبیت
اور مدبریت واضح ہو جاتی ہے _____ ۴۹۶
انسان کا رب وہ ہے جس نے انسان کی بہترین
صورت گری فرمائی _____ ۴۹۷
اللہ سے مانگنے اور غیر خدا سے نہ مانگنے کا حکم __ ۴۹۸
منکرین کے عذاب کا ذکر _____ ۴۹۹
معجزہ اللہ کے اذن سے ہوتا ہے مطالبے پر معجزہ
آنے کی صورت میں انکار پر فوری
عذاب آتا ہے _____ ۵۰۳
حیوانات کی تخلیق میں اللہ کی تدبیری
نشانیاں ہیں _____ ۵۰۴
لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی پیش کردہ واضح دلیل
ٹھکرا کر اپنے سطحی واہمے کو علم سمجھا۔ پھر وہ اپنے
مذاق کے دام میں پھنس گئے _____ ۵۰۵
کافر عذاب کا معائنہ کرنے کے بعد ایمان
لے آئیں گے لیکن یہ ایمان انہیں کوئی
فائدہ نہیں دے گا _____ ۵۰۷

بلاغ القرآن

ترجمہ قرآن کریم مع حاشیہ

مترجم: محسن علی نجفی



★ ترجمہ تحت اللفظی ہونے کے باوجود با محاورہ، سلیس اور رواں ہے

★ مبہم، ذو معنی، پیچیدہ اور مشکل الفاظ و تراکیب سے اجتناب کیا گیا ہے۔

★ قرآنی متن، حاشیے اور ترجمے کو تین کالموں کی منفرد شکل میں ترتیب دیا گیا ہے جو قرآن یا ترجمہ یا حاشیہ کا الگ الگ مطالعہ کرنے کے لئے آسان ہے۔

★ حاشیے میں عصری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نظریاتی، اعتقادی، فقہی، قانونی، سماجی، سائنسی، تاریخی، اقتصادی اور دیگر اہم موضوعات پر عالمانہ، استدلالی اور منطقی انداز میں گفتگو کی ہے۔

★ شائستہ انداز بیاں اپنانے کے ساتھ ساتھ تنگ نظری و بے جا تعصّبات سے ہٹ کر حقائق کا بے لاگ تجزیہ کیا گیا ہے اور ہر مکتب فکر کی تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے لہٰذا ہر مکتب فکر کے قارئین اس کتاب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

★ حاشیہ کی موضوعی فہرست جو چودہ سو موضوعات پر مشتمل ہے۔



ترجمہ قرآن کریم مع حاشیہ

انٹرنیٹ اور موبائل پر بھی دستیاب ہے

www.balaghulquran.com

Search "Balaghulquran"

Available on the iPhone App Store

ANDROID APP ON Google play



دار القرآن الکریم

جامعۃ الکوثر

اسلام آباد - پاکستان

03465121227

مفسر کا تعارف

حجۃ الاسلام والمسلمین جناب علامہ الشیخ محسن علی نجفی 25 ذی الحجہ 1360ھ بمطابق 1942ء کو بلتستان کے ایک گاؤں منٹھوکھا کے ایک معروف علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ حسین جان علاقے کے معروف عالم دین تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم سے حاصل کی اور ان کے علم وفکر اور اخلاق و کردار سے کسب فیض حاصل کرتے ہوئے صرف، نحو، قرآن کریم اور دینی مسائل سیکھے اور ان کی رحلت کے بعد حجۃ الاسلام والمسلمین سید احمد موسوی سے شرح لمعہ تک کی تعلیم حاصل کی بعد ازاں مدرسہ مشارع العلوم حیدرآباد، دار العلوم جعفریہ خوشاب اور جامعۃ المنتظر لاہور تشریف لے گئے۔ 1966ء میں حوزہ علمیہ نجف اشرف تشریف لے گئے جہاں گواہر علم حاصل کرنے تمام دنیا سے لوگ آتے ہیں۔

نجف اشرف میں ایک دہائی تک اس وقت کے نامور علماء وفقہاء سے کسب فیض کیا جن میں حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئی قدس سرہ اور شہید باقر الصدر قدس سرہ جیسی بلند پایہ جلیل القدر علمی شخصیات سر فہرست ہیں۔ وطن واپسی کے وقت حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئی قدس سرہ نے آپ کو اپنا وکیل معین کر دیا۔ آپ 1974ء کو مراجع عظام سے اجازت لے کر وطن عزیز واپس آئے اور اسلام آباد میں دینی مدرسہ جامعہ اہل بیت کی بنیاد رکھی۔

آپ نے نجف اشرف میں اپنی طالب علمی کے دوران میں ہی ایک کتاب بعنوان (النھج السوی فی معنی المولی والولی) عربی زبان میں لکھی۔ اس کتاب میں مولیٰ اور ولی کے معنی ومفہوم کو کتاب وسنت اور لغت کے اعتبار سے مکمل واضح کیا ہے۔ اس کتاب پر معروف محقق آقا بزرگ تہرانی نے مقدمہ لکھا۔

1974ء سے اب تک تدریس میں مصروف ہیں جس میں تفسیر، فقہ، اصول، فلسفہ، کلام وعقائد اور اخلاقیات شامل ہیں۔ سینکڑوں کی تعداد میں علماء کرام آپ سے کسب فیض کرنے کے بعد دنیا بھر میں دین اسلام کی تبلیغ و ترویج میں مصروف ہیں۔ آپ نے پاکستان بھر میں ۲۰ سے زائد مدارس قائم کیے جن میں ہزاروں طلبہ و طالبات علم حاصل کر رہے ہیں۔

گذشتہ چار دہائیوں سے آپ کی زیر سرپرستی میں مختلف سماجی و تعلیمی ادارے خدمات سر انجام دے رہے ہیں ان میں مدارس اہل بیت، اہل بیت ٹرسٹ، جامعۃ الکوثر، جابر بن حیان ٹرسٹ حسینی فاؤنڈیشن قابل ذکر ہیں۔

تصانیف / تراجم

۱۔الکوثر فی تفسیر القرآن (10 جلدیں)
۲۔ترجمہ و حاشیہ قرآن
۳۔النهج السوی فی معنی المولیٰ والولی (عربی)
۴۔دراسات الایدولوجیه المقارنة (عربی)
۵۔محنت کا اسلامی تصور
۶۔فلسفہ نماز
۷۔راہنما اصول
۸۔تلخیص المنطق للمظفر (عربی)
۹۔تلخیص المعانی للتفتازانی (عربی)
۱۰۔اسلامی فلسفہ اور مارکسزم
۱۱۔تدوین و تحفظ قرآن
۱۲۔ترجمہ و شرح خطبہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا
۱۳۔اسلامی اقتصاد (ترجمہ)
۱۴۔انقلاب حسین پر محققانہ نظر (ترجمہ)
۱۵۔دوستی معصومین کی نظر میں (ترجمہ)
۱۶۔آئین بندگی
۱۷۔انسان اور کائنات میں اللہ کی تجلی
۱۸۔علیؑ امامؑ بنص صفاته وخصائص ذاته (عربی)

ان کے علاوہ بیسوں علمی مقالات جو مختلف ملکی و غیر ملکی جرائد و مجلّات میں شائع ہو چکے ہیں۔

Official Website
www.mohsinalinajafi.com